

شیعہ سنی اختلافات

اور
صراطِ مستقیم

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مکتبہ لدھیانوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ

أَشَدَّ عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ
ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَزَرْعٍ
أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوَابِقِ
يُعِيبُ الزَّرْعَ لِغَيْظِ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ

محمد رسول اللہ کا، اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں، زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں
آپس میں۔ تو دیکھے اُن کو رکوع میں اور سجدے میں، دھنڑکتے ہیں اللہ کا فضل اور اُس کی
خوشی۔ نشانی اُن کی اُن کے منہ پر ہے۔ سجدہ کے اثر سے۔ یہ شان ہے اُن کی
تورات میں، اور انجیل اُن کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پتی، پھر اُس کی
کمر مضبوط کی، پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر، بخوش لگتا ہے کھیتی والوں کو،
تاکہ خلائے اُن سے جی کافروں کا۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن سے جو یقین لائے ہیں
اور کیے ہیں بھلے کام، معافی کا اور بڑے ثواب کا۔

ترجمہ از شیخ الحدیث مولانا محمد حسن نورانی مدظلہ العالی



حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں اور دار الخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ منبر سے اترتے ہوئے فرمایا: پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔“

(البداية والنهاية ج ۸، ص ۱۳)

مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نعمده ونستعينه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا،
من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له،
ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن
سيدنا محمدا عبده ورسوله، أرسله الله تعالى إلى كافة
الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا،
صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وسلم تسليما
كثيرا.

أما بعد:

کمترین خلائق بندہ محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ و عافہ برادران اسلام کی خدمت میں
عرض رسا ہے کہ اس ناکارہ نے ۱۳۹۹ھ میں ایک سوال کے جواب میں رسالہ
”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ لکھا تھا، جس میں ایک مختصر سائنوٹ ”شیعہ سنی
اختلاف پڑ بھی تھا۔ اس میں شیعہ مذہب کے ان تین بنیادی عقائد کا ذکر تھا جو زبان زد
عام و خاص ہیں، اور جو شیعہ مذہب کے مسلمات اور اصول موضوعہ کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ یہ رسالہ شائع ہوا تو جناب مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی مرحوم نے یہ حصہ ماہنامہ ”الرشید“ ساہیوال میں شائع کر دیا، اس پر حضرات شیعہ نے ساہیوال کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ فاضل رشیدی مرحوم نے مقدمہ کی نقل اور پیشی کی تاریخ اس ناکارہ کو بھجوائی، راقم الحروف نے شیعہ کتب کے حوالے جمع کر کے مقررہ تاریخ پر عدالت میں پیش کر دیئے، عدالت نے حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد دعویٰ خارج کر دیا اور معاملہ رفت و گزشت ہوا۔

تیسرے چودہ سال بعد میرے محسن جناب محترم سید محمد محسن الاجتہادی صاحب نے اسی مختصر نوٹ پر ایک طویل عنایت نامہ راقم الحروف کے نام رقم فرمایا، جس میں بندہ کی تحریر پر بہت سے مناقشات فرمائے۔ ان مناقشات کا مختصر سا جواب دیا جاسکتا تھا، لیکن خیال ہوا کہ موصوف کے پیش کردہ نکات پر بقدر ضرورت تفصیلی گفتگو ہو جائے، اس لئے متعلقہ کتب دوبارہ فراہم کی گئیں۔ اور چند مہینے کے ”علمی اعتکاف“ کے بعد یہ عجلہ مرتب ہوا۔ اسے احباب کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب محمد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہار اور اصحاب اخیار (رضی اللہ عنہم) کے صدقے اس بضاعت مزجات کو شرف قبول سے مشرف فرمائیں، اور اہل دانش و علم سے التجا کرتا ہوں کہ اس کو بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر جہاں اس کو تاہ قلم کے قلم سے لغزش ہوئی ہو اس کی اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

مقصود شروع کرنے سے پہلے چند امور کا بطور تقریب خن گوش گزار کرنا مناسب ہوگا۔

۱..... شیعہ سنی اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور دونوں طرف سے اس پر بڑے بڑے دفاتر مرتب و مدون کئے جا چکے ہیں۔ لیکن راقم الحروف نے ”اختلاف امت اور

صراط مستقیم“ کے محولہ بالانوث میں بنیادی طور پر تین مسائل سے تعرض کیا تھا، یعنی عقیدہ امامت، صحابہ کرامؓ، اور قرآن کریم۔ زیر قلم عجالہ میں بھی محورِ سخن یہی تین موضوع رہے۔ البتہ بعض ضمنی مباحث، جو جناب اجتہادی صاحب نے چھیڑے، ان سے بھی تعرض ناگزیر ہوا۔ اس لئے اس رسالہ کو چار ابواب پر تقسیم کرنا پڑا۔

باب اول: مباحث امامت

باب دوم: مباحث متعلقہ صحابہ کرامؓ

باب سوم: مباحث متعلقہ قرآن کریم

باب چہارم: متفرقات

۲..... اوپر عرض کیا گیا کہ فریقین کے اختلاف کا دائرہ بڑا وسیع ہے، اور دونوں کے متنازع فیہ مسائل حد شمار سے باہر ہیں۔ لیکن ان میں بنیادی امور صرف تین ہیں، جن پر ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں مختصر سانوٹ لکھا گیا تھا۔ اگر اس دائرہ اختلاف کو مزید سمیٹا جائے تو بنیادی مسئلہ صرف ایک رہ جاتا ہے، اور وہ یہ کہ آیا صحابہ کرامؓ من حیث الجماعت لائق اعتماد ہیں یا نہیں؟ اگر اس نکتہ کا تصفیہ ہو جائے تو اختلافات کے غیر محدود فاصلے آن واحد میں سمٹ سکتے ہیں، اور دونوں فریق متفق و متحد ہو سکتے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ اس نکتہ کی وضاحت کے لئے اپنی ”آپ بیتی“ کا ایک واقعہ درج کر دوں:

غالباً ۱۹۴۹ء کا قصہ ہے، یہ ناکارہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر میں ہدایہ اولین کے درجہ کا طالب علم تھا، سن و سال یہی کوئی ۱۸-۱۹ کے درمیان رہا ہو گا۔ اچانک بیمار ہوا، جس سے نظام ہضم میں خلل آ گیا۔ والد مرحوم کو تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

روح پدرم شاد کہ بہ گفت باستان
فرزند مرا عشق بیاموز دگر بچ

انہوں نے فرمایا کہ میں حسن شاہ صاحب اچھے طبیب ہیں، ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ یہ ہمارے علاقے کے ایک اثنا عشری بزرگ تھے، ہمارے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ہمارے عزیزوں کا ایک گاؤں تھا، میں صاحب نے اس گاؤں کو مرکز تبلیغ بنارکھا تھا۔ چونکہ سید بادشاہ تھے اس لئے بلا تفریق مسلک و مشرب بھی لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ اور موصوف اپنی وجاہت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیہاتی عوام میں (جو مذہب کے اصول و فروع سے عموماً واقف نہیں ہوتے) اپنے مسلک کی خوب تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ حق تعالیٰ شانہ نے زبان و بیان اور افہام و تفہیم کا اچھا ملکہ عطا فرمایا تھا، قدح صحابہؓ ان کا سب سے لذیذ اور دل کش موضوع رہا کرتا تھا، اور وہ صحابہؓ کے عیوب و نقائص بیان کر کے عوام کے قلوب کی زمین شیعہ مذہب کے لئے تیار کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

میں صاحب والد مرحوم سے واقف تھے، لیکن اس ناکارہ کو شاہ صاحب کی زیارت و لقا کا شرف حاصل نہیں تھا۔ اس لئے والد مرحوم نے میرے پھوپھی زاد بھائی جناب مولانا حکیم محمد حسین مرحوم کو میرے ساتھ کر دیا اور چلتے ہوئے بطور خاص ہدایت فرمائی کہ میں صاحب بڑے جماندیدہ بزرگ ہیں، اور تم ابھی بچے ہو۔ دیکھو! ان سے مذہبی گفتگو نہ کرنا۔ والد مرحوم کو اندیشہ تھا کہ اگر میں صاحب نے اس بچے کو مذہبی گفتگو میں بند کر دیا تو عزیزوں میں ہماری سبکی ہوگی۔

الغرض ہم دونوں میں صاحب کے مشق پر پہنچے۔ محفل آراستہ تھی، اور میں صاحب اس کے صدر نشین تھے۔ علیک سلیک کے بعد تعارف کرایا، اور حاضری کا مدعا عرض کیا۔ میں صاحب نے حاضری پر اظہارِ مسرت فرمایا۔ لیکن ہمارے معروضہ پر توجہ فرمانے کے بجائے مذہبی بحث چھیڑ دی، اور بڑے معصومانہ انداز میں فرمایا کہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں۔ امت کو اختلافات نے غارت کر دیا ہے، تباہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کا حل نکلنا چاہئے۔ وہ دیر تک اسی نوعیت کی گفتگو فرماتے رہے، اور بار بار یہی فقرہ دہراتے رہے کہ ہم تحقیقی آدمی ہیں، تعصبی آدمی نہیں، اختلافات کو ختم ہونا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ناکارہ

والد مرحوم کی فمائش کے مطابق مہربہ لب رہا۔ جب خاصی دیر ہو گئی تو میں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب کی نصیحت و اخلاص کا سلسلہ شب بھر اور اور زلفِ محبوب کی طرح دراز ہوا جاتا ہے، اس لئے مناسب ہو گا کہ موضوع گفتگو کو بدلا جائے۔ چنانچہ عرض کیا کہ میاں صاحب! آپ کس اختلاف کی بات کر رہے ہیں؟ میرے خیال میں تو ہم میں اور آپ میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ نہیں بھئی! اختلاف تو ہے۔ اب یہ ناکارہ اصرار کر رہا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور میاں صاحب بار بار دہرا رہے ہیں کہ اختلاف تو ہے۔ اس تکرار و اصرار کو سن کر تمام حاضرین ہنسنے لگے کہ اس بچے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ہے۔ چند لمحے یہ تکرار و اصرار جاری رہا۔ تو میں نے کہا، ”ہاں! ذرا سا اختلاف دونوں کے درمیان ضرور ہے، بس ذرا سا اختلاف۔“ میاں صاحب نے چونک کر فرمایا، وہ کیا؟

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں؟
فرمایا، بے شک۔

عرض کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین کو، آپؐ کی لائی ہوئی کتاب کو اور آپؐ کی لائی ہوئی ہدایت کو قیامت تک قائم و دائم رہنا ہے؟
فرمایا، بے شک!

عرض کیا کہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان اختلاف بس یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۳ سال کی محنت و جانفشانی سے جو جماعت تیار کی، آپؐ اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنی لائی ہوئی ہدایت کو جس جماعت کے سپرد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، اور آپؐ کی تیار کی ہوئی جس جماعت کو آپؐ کے درمیان اور بعد میں آنے والی قیامت تک کی امت کے درمیان اولین واسطہ بنایا گیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے۔ اور آپؐ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی یہ جماعت لائقِ اعتماد نہیں۔ اب اگر یہ جماعت لائقِ اعتماد ہے

جیسا کہ ہمارا موقف ہے تو ان حضرات نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح ہے، اور ان پر اعتراض اور نکتہ چینی فضول ہے۔ لیجئے! اسی سے خلافت کا جھگڑا بھی طے ہو گیا، اور باغ فذک کا قضیہ اور دیگر تمام اختلافی مسائل بھی حل ہو گئے۔

اور اگر یہ جماعت لائق اعتماد نہیں تھی، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، تو اس کے نتیجہ کے طور پر ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ :

الف : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت (نعوذ باللہ) رائیگاں گئی۔

ب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (نعوذ باللہ) بد فضول ٹھہری۔

ج : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی (نعوذ باللہ) دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا، دین اسلام آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گیا، وہ آپ کے بعد ایک دن کیا ایک لمحہ بھی آگے نہیں چلا۔

و : اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کی ہوئی جماعت لائق اعتماد نہیں تھی تو اس ناقابل اعتماد جماعت کے ذریعے ہمیں جو قرآن پہنچا وہ بھی لائق اعتماد نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی لائق اعتماد نہ رہی۔ اور دین اسلام کی کسی چیز پر بھی اعتماد ممکن نہ رہا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب آپ کی نبوت اور آپ کے لائے ہوئے دین کی ایک ایک چیز ہمیں اسی جماعت کے ذریعہ ملی ہے۔

یہ تقریر معقول تھی اس لئے سامعین اس سے متاثر ہوئے، اور میاں صاحب نے اس پر جرح و قدح نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کچھ مزید گفتگو بھی ہوئی، جو بڑی دلچسپ تھی۔ اور جس نے بالآخر شاہ صاحب قبلہ کو موضوع گفتگو بدلنے پر آمادہ کر دیا۔ مگر اس کا یہاں نقل کرنا غیر متعلق ہو گا، اس لئے اسے قلم زد کرتا ہوں۔

۳ بعض اوقات کسی بڑی چیز کی بنیاد نہایت معمولی ہوتی ہے، لیکن آثار و نتائج بڑے دور رس ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً برگد کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تناور اور کتنا بڑا ہے۔ اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر اس کے بیج کو دیکھو تو وہ رائی کے دانے سے بھی شرمندہ نظر آئے گا۔ یہی مثال اختلاف کی ہے۔ اس کا نقطہ آغاز نہایت معمولی بلکہ غیر مرئی ہوا کرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اختلاف کی خلیج

وسیع سے وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ یہی قصہ ”شیعہ منی اختلاف“ کو پیش آیا۔ بونے والوں نے امت کے قلوب میں قدح صحابہؓ کا غیر مرئی بیج بو دیا، رفتہ رفتہ اس کی شاخیں پھوٹنے لگیں، اور بڑھتے بڑھتے اس نے ایک ایسے جنگل کی شکل اختیار کر لی جس کے کاٹنے کے لئے شاید عمر نوحؑ بھی کافی نہ ہوگی۔ یہی خواہان ملت اس ناپسندیدہ اختلاف اور اس ناخوشگوار فرقہ واریت سے پریشان و نالاں اور متفکر نظر آتے ہیں، اس کے خلاف ہر طرف سے صدائے ”الاتحاد! الاتحاد!“ بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی ہے، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اختلاف کا کیا حل نکالا جائے؟ اور اس درد بے درماں کا کیا علاج کیا جائے؟ یہ ذرہ بے مقدار بھی خواہان ملت اور درد مندان قوم کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اس عقدہ لایخل کا حل یہی ہے کہ اس ناخوشگوار اختلاف کی جڑوں کو امت کے قلوب سے اکھڑ پھینکا جائے، اور اس جماعت کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ محنت اور فیضان تربیت سے تیار ہوئی، اہل حق اعتماد باور کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کام مقدس میں اسی جماعت کے بارے میں بار بار اعلان فرمایا ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

یعنی: ”راضی ہوا اللہ ان سے، اور وہ راضی ہوئے اللہ سے“۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ”دو طرفہ رضامندی“ کا اعلان ہے۔ اسی اعلان کا اثر ہے کہ عام طور سے اہل ایمان جب کسی صحابیؓ کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ ”رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کے اس اعلان رضامندی کے بعد کسی شخص کو، جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرامؓ سے ناراضی کا حق نہیں رہتا۔ اور جو شخص اس کے بعد بھی ناراض ہو وہ گویا اعلان خداوندی پر ایمان نہیں رکھتا۔

۴..... شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی ”نے“ الاصابہ کے دیباچہ میں امام ابو زرہ رازی کا قول نقل کیا ہے:-

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله

ﷺ فاعلم أنه زندیق، وذلك أن الرسول حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وإنما أدى إلينا ذلك كله الصحابة، وهؤلاء يريدون أن يجرحوا شهودنا، ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة. (الإصابة: ص ۱۱۰ ج ۱)

ترجمہ..... ”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے، وہ برحق ہے۔ اور یہ ساری چیزیں ہم تک صحابہؓ نے پہنچائی ہیں، لہذا صحابہؓ ہمارے لئے رسالت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے گواہ ہیں اور یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کر کے کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ خود لائق جرح ہیں، اور یہ بد دین زندیق ہیں۔“

خلاصہ یہ کہ ہمارا دین حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اور چند واسطوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ دین پر اعتماد اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ ہم تک لائق اعتماد واسطوں سے پہنچا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔ لہذا صحابہ کرامؓ کے اعتماد کو مجروح کرنا درحقیقت دین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔

۵..... حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات میں سے منتخب فرمایا، اس لئے آپؐ زبدہ کائنات ہیں، سید البشر، خیر البشر اور خیر اولاد آدم ہیں۔ آپؐ کی کتاب خیر الکتاب ہے، آپؐ کا دین خیر الدین ہے، آپؐ کی امت خیر الامم ہے، اور آپؐ کا زمانہ خیر القرون ہے۔ لازماً آپؐ کے اصحاب بھی ”خیر الاصحاب“ ہیں

(رضی اللہ عنہم)۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں پسند صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے :

عن عويم بن ساعدة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إن الله تبارك وتعالى اختارنى، واختار لى أصحابا، فجعل لى منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل - هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الذهبي "صحيح".

(مستدرک حاکم: ص ۶۲۲، ج ۲)

ترجمہ..... "حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے چن لیا۔ اور میرے لئے اصحاب کو چن لیا، پس ان میں بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سرکاری رشتہ دار بنادیا۔ پس جو شخص ان کو برا کہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت۔ قیامت کے دن نہ اس کا کوئی فرض قبول ہو گا، نہ نفل۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدمؑ میں سے چھانٹ کر منتخب فرمایا اسی طرح لائق ترین افراد کو چھانٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس انتخابِ خداوندی کے نتیجہ میں یہ حضرات، جن کو صحبتِ نبویؐ کے لئے چنا گیا، اپنی علو استعداد اور اپنے جوہری کمالات کے لحاظ سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اسی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ نے "خیر امت" کا خطاب دیا۔ پس اگر صحابہ کرامؓ سے بہتر و افضل کوئی اور انسان ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحبت کے لئے ان کو منتخب فرماتے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی تنقیص صرف "صحبتِ نبویؐ" کی تنقیص

نہیں، بلکہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے انتخاب کی بھی توبین و تنقیص ہے۔ اور جو شخص صحبت نبویؐ کی تحقیر اور انتخاب خداوندی کی تنقیص کرتا ہو اس کے بارے میں شدید سے شدید وعید بھی قرین قیاس ہے۔

۱..... صحبت نبویؐ کی عظمت تاثیر پر ایک دوسرے زاویے سے غور کیجئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو ”سراج منیر“ بنا کر بھیجا، یعنی نبوت کا وہ آفتاب عالم تاب، جو مطلع انوار ہدایت پر تاقیامت درخشاں رہے گا۔ آپؐ سے پہلے پورا عالم کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یکایک فاران کی چوٹیوں سے یہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی کرنیں اطراف عالم کو محیط ہو گئیں، بزم عالم جگمگا اٹھی، اور سارا جہان بقعہ نور بن گیا۔ آپؐ کی ذات رسالت آب نور کا کرہ تھی جس کی کشش ثقل نے سعید روحوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچا، جس طرح مقناطیس آہن پاروں کو کھینچ لیتا ہے۔ پھر آپؐ کے اعجاز نبوت نے ان کے قلوب کو فوق العادت جلا و ضیا بخش، اور ان ذروں کو آفتاب بنا دیا۔ انہوں نے جمال جہاں آرائے محبوبؐ کو ایسا جذب کیا کہ ان کا سراپا حسن محبوبؐ کا مرقع بن گیا، اور ان کے رگ و پے سے حسن محبوبؐ کی خوشبوئیں بکھرنے لگیں، اور وہ زبانِ حل و مقال سے پکار اٹھے:

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشمِ مستِ نازِ سلتی کا ہے مے خانہ
یہاں تک بڑھ گئی وا رفتگی شوقِ نظارہ
حجابتِ نظر سے پھوٹ نکلا، حسنِ جلالہ

ہمارے حسن کو یوں جذب کر لوں دیدہ و دل میں
محبت میں مرا ذوقِ نظر معیار ہو جائے
میری آنکھوں میں چشمِ مستِ سلتی کا وہ عالم ہے
نظر بھر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

وہ آفتاب محمدیؐ، جس کی ضیا پاشیاں آج بھی امت کے عشاق کے دلوں کو گرما اور چکا رہی ہیں، غور کیجئے کہ جن کے گھروں میں یہ آفتاب نبوت نور کی کرنیں بکھیر رہا ہو گا ان کی نورانیت و تابانی کا کیا عالم ہو گا؟ سبحان اللہ! حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خوش بختی و سعادت کا کیا کہنا کہ وہ آج تک روضہ مقدسہ میں خورشید بد اماں ہیں، اور قیامت تک اس دولت کبریٰ سے بہرہ اندوز رہیں گے۔

از پاک دامان نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفته بیک بستر آئند

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما، جن کے پہلو میں آج تک آفتاب نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) درخشاں ہے، اور قیامت تک فروزاں رہے گا، ان کی نورانیت و تابانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اور یہ سعادت، جس کے مقابلہ میں کونین کی نعمتیں بھی بیچ ہیں، ان دونوں بزرگوں کے سوا کس فرد بشر کے حصہ میں آئی؟ فطوبیٰ لہما ثم طوبیٰ لہما۔
حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ و مقدسہ میں مدفون ہیں، اور یہ روضہ شریفہ و بقعہ مقدسہ ”رشتک صد جنت“ ہے۔ اور حضرات شیخین ”اسی رشتک صد جنت“ میں محو استراحت و آسودہ خواب ہیں۔ اور جنت کی شان یہ ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اس میں ایک بار داخل ہو جائے اسے وہاں سے نکلا نہیں جاتا، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اکابر کو مدت العمر اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا، اور برزخ میں بھی ان کو اپنے پہلوئے مبارک میں جگہ دے کر بقعہ مبارکہ اور روضہ مقدسہ میں ان کو شرف معیت بخشا تو یقین ہے کہ فردائے قیامت اور جنت الفردوس میں بھی ان کو شرف معیت نصیب ہو گا۔

(ولو کرہ الکفار ہون -)

آہاں کہ بنظر خاک را کیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمتے بما کنند

(صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ واتباعہ و بدک وسلم)

۷..... شیعہ حضرات جن اکابر کو ”ائمہ اہل بیت“ کہتے ہیں ہمارے نزدیک وہ اہل سنت کے اکابر ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار خلفائے راشدینؓ میں ہے اور عقیدہ اہل سنت کے مطابق حضرات خلفائے راشدینؓ — علی الترتیب — سب صحابہؓ سے افضل ہیں۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول اور جوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔ لہذا ان دونوں سے (اور ان کے والدین ماجدینؓ سے) محبت رکھنا حبیبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

من أحبَّ الحسن والحسين فقد أحبَّني ، ومن أبغضهما فقد

أبغضني

ترجمہ..... ”جس نے حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

ان کے بعد کے اکابر بھی اپنے اپنے دور کے اکابر و افاضل اہل سنت تھے۔ اہل سنت کے نزدیک ان تمام اکابر کی محبت جزو ایمان ہے۔ اس ناکارہ نے ”اختلاف امت اور صراطِ مستقیم“ میں ”شیعہ سنی اختلاف“ کی بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا :-

”میں تمام آل و اصحاب کی محبت و عظمت کو جزو ایمان سمجھتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کی تنقیص کو، خواہ اشارے کنائے کے رنگ میں ہو، سلب ایمان کی علامت سمجھتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اور میں اسی عقیدہ پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں“

زیر قلم رسالہ میں شیعہ روایات پر گفتگو کرتے ہوئے اگر کوئی ایسا لفظ نظر پڑے جس سے ان اکابر کے حق میں ادنیٰ سوئے ادب بھی مترشح ہوتا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گفتگو شیعہ روایات کے مطابق ہے۔ ورنہ یہ ناکارہ اس سے سو جاہد برأت کا اظہار کرتا

۸..... اس ناکارہ نے ہر بحث میں جناب محمد محسن الاجتہادی صاحب کے خط کے متعلقہ اقتباس درج کر دیئے تھے۔ اس کے باوجود مناسب سمجھا گیا کہ ان کے پورے خط کا عکس رسالہ کے شروع میں درج کر دیا جائے کیونکہ علمی امانت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کی تحریر پر گفتگو کی جائے اس کی تحریر کا پورا متن قارئین کے سامنے آجائے۔ اس لئے پہلے آپ اجتہادی صاحب کے گرامی نامہ کا عکس ملاحظہ فرمائیں گے، اس کے بعد اس ناکارہ کی کج رج تحریر ملاحظہ عالی سے گزرے گی۔

۹..... اہل تشیع کی کتابوں کے اقتباسات نقل کرنے کے بجائے بیشتر اصل کتابوں کے فوٹو دیئے گئے ہیں، اس میں دو مصلحتیں پیش نظر تھیں، ایک یہ کہ اصل کتاب کا فوٹو قاری کے لئے زیادہ اطمینان بخش ثابت ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ طویل عربی عبارتوں کی تصحیح بڑا مشکل کام ہے، اصل کتاب کا فوٹو دینے سے تصحیح کے منحصر سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۰..... حق تعالیٰ شانہ محض اپنے لطف سے اس عجلالہ کو قبول فرمائیں اور اپنی رضا و محبت اور اپنے محبوب و مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرما کر اپنے اس ارشاد کا مصداق بنادیں:-

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَرْضِيَّةً. فَادْخُلِي فِي عِبَادِي. وَادْخُلِي جَنَّاتِي﴾

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. والصلاة والسلام
على سيد المرسلين وعلى إخوانه من النبيين، وعلى آله
وأصحابه الطيبين الطاهرين.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى
الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

فہرست

باب اول

عقیدہ امامت

- ۳۵
۳۶ پہلی بحث: عقیدہ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے
" عقیدہ امامت خود شیعہ کی نظر میں، پہلی وجہ
۳۸ عقیدہ امامت پر تمام انبیاء سے عہد لیا گیا
۳۹ انسان بس عقیدہ امامت ہی کے مکلف ہیں
۴۰ شیعہ سنی افتراق کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت ہے، دوسری وجہ
۴۲ شیعیت کے تمام اصول و فروع کا مدار "امامت" پر ہے، تیسری وجہ
۴۴ شیعہ کا لقب "المیہ"، چوتھی وجہ
۴۶ دوسری بحث: عقیدہ امامت کا موجد اول عبد اللہ بن سبا یہودی تھا
۴۸ کیا عبد اللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے
۵۲ ابن سبا کے نظریات اور اس کی تعلیمات
۶۱ آخر میں ایک لطیفہ، ایک شکوہ اور ایک شکر یہ
۶۲ ایک فقرہ میں تین تبدیلیاں
۶۵ تیسری بحث: عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے
۶۷ پہلا عقیدہ: امام، انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں
۷۰ دوسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح امام منصوب من اللہ ہوتے ہیں
۷۲ تیسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح امام پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے
۷۴ چوتھا عقیدہ: ائمہ کی غیر مشروط اطاعت بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرض ہے
۷۶ پانچواں عقیدہ: اماموں کے "عجزے"
۸۰ چھٹا عقیدہ: ائمہ پر وحی کا نزول

- ۸۷ ساتواں عقیدہ : ائمہ کو تحلیل و تحریم کے اختیارات
- ۱۰۰ لہذا درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اس پر چار گواہ
- ” پہلی شہادت : شہ ولی اللہ محدث دہلوی
- ۱۰۲ دوسری شہادت : شہ عبد العزیز محدث دہلوی
- ” تیسری شہادت : علامہ باقر مجلسی
- ۱۰۳ چوتھی شہادت : شیخ مفید
- ۱۰۶ چوتھی بحث : ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات
- ” ائمہ کے علمی کمالات کے بارے میں شیعی عقائد
- ” پہلا عقیدہ
- ۱۰۷ دوسرا عقیدہ
- ۱۰۸ تیسرا عقیدہ
- ۱۰۹ چوتھا عقیدہ
- ۱۱۰ پانچواں عقیدہ
- ۱۱۲ چھٹا عقیدہ
- ۱۱۳ ساتواں عقیدہ
- ۱۱۴ آٹھواں عقیدہ
- ۱۱۵ نوواں عقیدہ
- ۱۱۶ دسواں عقیدہ
- ۱۱۸ گیارہواں عقیدہ
- ” بارہواں عقیدہ
- ۱۲۰ پانچویں بحث : ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے
- ” پہلا ذریعہ
- ۱۲۲ دوسرا ذریعہ : کتب سابقہ
- ” تیسرا ذریعہ : روح القدس
- ” چوتھا ذریعہ : روح اعظم
- ” پانچواں ذریعہ : صحیفہ جامعہ

- ۱۲۴ چھٹا ذریعہ: علم جفر
 " ساتواں ذریعہ: مصحف فاطمہ
 ۱۲۵ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے
 " آٹھواں ذریعہ: نور کاستون
 ۱۲۶ نواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے بالمشافہ ملاقات
 ۱۲۷ دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے الہام والقاء
 ۱۲۸ گیلہ ہواں ذریعہ: ہفتہ وار معراج
 ۱۲۹ بارہواں ذریعہ: شب قدر میں نازل ہونے والی کتب
 ۱۳۱ تیرہواں ذریعہ: علم نجوم
 ۱۳۶ چھٹی بحث: امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر
 ۱۴۰ شیعہ مذہب کے غالبانہ عقائد اور حضرات خلفائے راشدینؑ کی کرامت
 " پہلا غلو: ائمہ، انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں
 ۱۴۳ دوسرا غلو: ائمہ، انبیاء کرامؑ علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں
 ۱۴۵ تیسرا غلو: انبیاء کرامؑ علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی
 ۱۴۶ چوتھا غلو: انبیاء کرامؑ علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد لیا گیا
 ۱۴۸ پانچواں غلو: انبیاء کرامؑ علیہم السلام کو نبوت اقرار ولایت کی وجہ سے ملی
 ۱۴۹ چھٹا غلو: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا
 ۱۵۵ ساتواں غلو: انبیاء کرامؑ، ائمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے
 ۱۵۶ آٹھواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ تمام انبیاء کرامؑ سے آگے ہوں گے
 " نواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ کی کرسی
 ۱۵۷ دسواں غلو: انبیاء کرامؑ علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے طفیل قبول ہوئیں
 ۱۵۹ گیلہ ہواں غلو: حضرت آدم علیہ السلام کالاموں کے مرتبہ پر حد
 ۱۶۵ بارہواں غلو: پہلے نبوت، پھر خلت، پھر امامت
 " تیرہواں غلو: "حلہ اصطفا" اماموں کی ولایت کی وجہ سے
 ۱۶۶ چودہواں غلو: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر ائمہ کی طاعت واجب ہوتی
 " پندرہواں غلو: حضرت ایوبؑ کا ولایت علیؑ میں شک اور اس پر سزا
 ۱۶۷ سولہواں غلو: حضرت یونسؑ کا ولایت علیؑ سے انکار اور سزا

- ۱۶۸ سترہواں غلو: حب علیؑ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا
- ۱۷۰ اٹھارہواں غلو: ازواج مطہرات کی طلاق علیؑ کے سپرد تھی
- ” انیسواں غلو: کربلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی
- ۱۷۲ ساتویں بحث: امامت میں الوہیت کی جھلکیاں
- ۱۷۳ ۱۔ زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی
- ۱۷۴ ۲۔ جلانا اور مارنا
- ” ۳۔ اول و آخر، ظاہر و باطن
- ۱۷۵ ۴۔ سینوں کے بھید جلنے والا
- ” ۵۔ روز جزا کا مالک
- ۱۷۶ ۶۔ قسیم الجنة والنار
- ” ۷۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر تکوینی حکومت
- ۱۷۷ آٹھویں بحث: کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا
- ۱۷۸ شیعہ کے نزدیک ابو الائمہؑ سے بھی دین و ملت کی حفاظت نہ ہو سکی
- ۱۸۶ دوسرے ائمہ کی امامت
- ۱۸۹ نویں بحث: خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی
- ” ۱۔ امامت کے معنی
- ۱۹۰ اول: امام بہ معنی خلیفہ برحق
- ” دوم: امام بہ معنی دینی مقتدا و پیشوا
- ۱۹۱ سوئم: امام بہ معنی مطلق حاکم
- ” ۲۔ خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے
- ۱۹۲ ۳۔ خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے
- ۱۹۴ ۴۔ امام اول حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ نہیں
- ۱۹۵ خلفائے راشدینؓ اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے
- ۱۹۶ پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کی تمکین اور ان کے ذریعہ اقامت دین
- ۱۹۷ دوسری پیش گوئی: اہل ایمان سے استخلاف کا وعدہ
- ۲۰۰ تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال

- ۲۰۳ چوتھی پیش گوئی: خلفائے ثلاثہ کے حق میں
 ۲۰۵ قرآنی پیش گوئیوں کی تائید چار احادیث نبویہ سے
 ۲۰۹ ان پیش گوئیوں کی تائید میں جناب امیرؑ کے چار ارشادات
 ۲۱۸ خلافت راشدہ کی پیش گوئیاں کتب سابقہ میں
 " ۱۔ حضرت صدیقؑ کے بدے میں پیش گوئی
 ۲۱۹ ۲۔ فتح بیت المقدس کا واقعہ
 ۲۲۰ ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ
 ۲۲۲ دسویں بحث: امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر
 ۲۳۷ نظر بازگشت
 ۲۵۲ امام مہدیؑ کے بدے میں اسلامی تصور
 ۲۵۴ گیلد ہویں بحث: عقیدہ امامت پر ترقیہ کا شامیانہ
 ۲۶۱ ترقیہ کے ہولناک نتائج
 ۲۷۳ ایک نفیس بات
 " دوسری نفیس بات
 ۲۷۴

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

- " بحث اول: اجتماع صحابہ
 " تمہیدی نکات کا خلاصہ
 " حافظ ابن حزمؒ اور صراط مستقیم
 ۲۷۵ صراط مستقیم صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل
 ۲۷۶ پہلی آیت
 " دوسری آیت
 ۲۸۰ تیسری آیت
 ۲۸۱ چوتھی آیت
 ۲۸۶ صحابہ کرامؓ من حیث القوم
 ۲۸۷ خلفائے راشدینؓ کا اجماع
 ۲۹۵

- ۲۹۵ خلفائے راشدینؓ کے فیصلے بھی اجماع ہیں
- ۲۹۸ خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت
- ۳۰۱ اتباع صحابہؓ کے بارے میں تین مباحث
- ” بحث اول: اتباع صحابہؓ واجب ہے، اہل علم کا مسلک
- ” اجماع سکوتی
- ۳۰۳ اجماع مرکب
- ۳۰۸ ایک شکایت
- ۳۰۹ ابن حزمؒ کے نظریۂ تقلید صحابی پر تنقید
- ۳۱۵ حضرت ابو بکرؓ کی خطا کا واقعہ
- ۳۱۸ حضرت عمرؓ کی تاویل کا واقعہ
- ۳۲۰ ابو السائبؓ کا واقعہ
- ۳۲۱ حضرت علیؓ کا فتویٰ
- ۳۲۶ دوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے نقلی دلائل
- ” اتباع صحابہؓ قرآن کریم کی نظر میں
- ” پہلی آیت
- ۳۲۸ دوسری آیت
- ۳۲۹ تیسری آیت
- ۳۳۲ اتباع صحابہؓ احادیث نبویہ کی روشنی میں
- ” پہلی حدیث
- ۳۳۳ دوسری حدیث
- ۳۳۴ تیسری حدیث
- ۳۳۶ چوتھی حدیث
- ۳۳۸ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد
- ۳۳۹ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ارشاد
- ۳۴۱ تیسری بحث: اتباع صحابہؓ کے وجوب پر عقلی دلائل
- ۳۴۵ چوتھی عقلی دلیل

بحث دوم

۳۵۲

"

حضرت صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی عقیدہ

۳۵۵

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

۳۶۰

اہل تشیع کے ممدوح صحابہؓ کا حال

۳۶۴

حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ

۳۶۷

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اصول

۳۶۸

اول: صحابہ کرامؓ اور منافقین

۳۷۰

قرآن کریم کی شہادت کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا

"

پہلی شہادت

۳۷۲

دوسری شہادت

۳۷۳

تیسری شہادت

"

چوتھی شہادت

۳۷۸

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "صدیق" تھے

"

ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۳۷۹

حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے بیعت کرتے ہیں

۳۸۱

۲۔ صحابہ کرامؓ اور مرتدین

۳۸۳

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ ارتداد سے محفوظ تھے

۳۸۶

۳۔ صحابہ کرامؓ معصوم نہیں تھے لیکن محفوظ تھے

۳۸۹

پہلا واقعہ

۳۹۰

دوسرا واقعہ

۳۹۲

تیسرا واقعہ

۳۹۳

صحابہ کرامؓ سے معاصی کے صدور کی نگوینی حکمت

۳۹۶

۴۔ مشاہیرات صحابہؓ

۴۰۰

۵۔ فتویٰ عزیزی میں صحابہ کلم عدول کی بحث

۴۲۲

۶۔ مقام صحابہؓ: از مفتی محمد شفیعؒ

۴۲۵ صحابہؓ کی سیرت، سیرت نبویؐ کا جز ہے

باب سوم

۴۲۷ شیعہ اور قرآن

۴۲۹ کسی شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی تین وجوہ

” پہلی وجہ

۴۳۱ دوسری وجہ

۴۳۲ تیسری وجہ

۴۳۵ قرآن کریم میں کم کئے جانے کی روایات

۴۳۴ قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں

۴۳۷ قرآن شریف کے حروف و الفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں

۴۵۱ علمائے شیعہ کے تینوں اقرار

۴۶۳ شیعوں کے مثلِ اربعہ جو تحریف کے منکر ہیں

۴۷۸ ان شیعہ اکابر کا انکار تحریف محض تفسیر پر مبنی ہے

۴۸۱ پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ

۴۸۲ ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

۴۸۶ ترجمہ سید فرمان علی

۴۸۷ ۱۔ آیت تطہیر میں تحریف

۴۸۸ ۲۔ آیت رحمت و برکات میں تحریف

۴۹۰ ۳۔ سورہ الم نشرح میں تحریف

۴۹۴ ۴۔ تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو۔ امام کا حکم

۴۹۷ ۵۔ آیت ”وَاللّٰهُ لَیْخْفُوْنَ“ میں تحریف

۵۰۰ ۶۔ آیت ہذا صراط علیٰ مستقیم میں تحریف

۵۰۲ ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ

۵۰۳ شیعوں کی تاویل باطنی یا تحریف معنوی

۵۱۲

۵۲۱

۵۲۴

مرآۃ الانوار سے تاویل باطنی کی مثالیں
ترجمہ مقبول سے تاویل باطنی کی مثالیں
جناب اجتہادی صاحب کے چند لطائف

باب چہارم۔

۵۳۶

۵۳۷

۵۴۲

۵۴۴

۵۵۳

۵۶۱

حدیث ”اصحابی کا انجوم“

حدیث ”اختلاف استی رحمۃ“

نظریاتی اختلاف

حضرت ابو بکرؓ صدیق اقصیٰ تھے

حضرت علیؓ کا ارشاد

شیعہ کلمہ اور لڑان

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

بعلی خدمت جناب سید محمد محسن الاحتمادی صاحب، نسأل الله لنا ولكم العافیه
بعد از تحیات مسنونہ و دعوات صالحہ معروض آنکہ آنجناب کے گرامی نامہ نے
معزز و مفتخر فرمایا۔ یہ ناکارہ ایک عرصہ تک مختلف عوارض میں صاحب فراش رہا، جب
ذرا آنے جانے کے لائق ہوا تو ہجوم مشاغل سے گراں بار رہا، آنجناب کے گرامی نامہ کو
اٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ ملی، بہر حال دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر آج (بتاریخ یکم ربیع
الثانی) آپ کا خط لے کر بیٹھ گیا ہوں، دیکھئے کب تک اس سے فراغ میسر آتا
ہے۔

آنجناب نے اس ناکارہ کے اور اس کے رسالہ ”اختلاف امت“ کے بارے
میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ان پر ممنون ہوں، ہر شخص کو اپنے فہم و ادراک کے مطابق
تبصرے کا حق ہے۔ تاہم آنجناب نے چونکہ اس ناکارہ کو جواب کے لئے مخاطب فرمایا ہے
اس لئے آپ کے گرامی نامہ کے مندرجات کے بارے میں چند گزارشات کی اجازت
چاہوں گا۔

میں ان گزارشات کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔

حصہ اول: عقیدہ امامت۔ اور اس سے متعلقہ مباحث، جن پر آنجناب نے گفتگو فرمائی
ہے۔

حصہ دوم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ و مقام اور ان کے بارے میں سنی اور شیعہ نقطہ نظر۔

حصہ سوم: تحریف قرآن کے بارے میں شیعہ عقیدہ اور آنجناب کی تحریر پر گفتگو۔

حصہ چہارم: آنجناب کے چند متفرق سوالات کا جواب۔

آنجناب کے اخلاق کریمانہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس کج معج تحریر کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں گے، اگر کوئی بات صحیح نظر آئے تو اس کو قبول کرنے سے دریغ نہیں فرمائیں گے، اور اگر کہیں غلطی ہوئی ہو تو اس کی اصلاح فرمائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

باب اول

عقیدہ امامت

اس باب میں گیارہ مباحث ہیں :

- | | |
|----------------|--|
| پہلی بحث : | عقیدہ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے۔ |
| دوسری بحث : | عقیدہ امامت کا موجد اول عبد اللہ بن سبا یہودی تھا۔ |
| تیسری بحث : | عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔ |
| چوتھی بحث : | ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات۔ |
| پانچویں بحث : | ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟ |
| چھٹی بحث : | امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟ |
| ساتویں بحث : | امامت میں الوہیت کی جھلکیں۔ |
| آٹھویں بحث : | کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟ |
| نویں بحث : | خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ |
| دسویں بحث : | امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر۔ |
| گیارہویں بحث : | عقیدہ امامت پر ترقیہ کا شامیانہ۔ |

پہلی بحث : عقیدہ امامت، شیعیت کی اصل بنیاد ہے

اس ناکارہ نے عقیدہ امامت کو شیعیت کی بنیاد اور شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا تھا۔ اس پر آنجناب کو اعتراض ہے کہ :

”شیعہ عقائد کی کتابوں میں عقیدہ امامت کا نمبر پانچواں ہے۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) توحید (۲) نبوت (۳) معاد (۴) عدل (۵) امامت۔ عدل سے مراد عدل خداوندی ہے۔“

جواباً گزارش ہے کہ اس ناکارہ نے عقیدہ امامت کو شیعیت کا اصل الاصول قرار دینے کی جو گستاخی کی ہے، اس کی چند وجوہ ہیں :

عقیدہ امامت خود شیعہ کی نظر میں، پہلی وجہ :

اگرچہ حضرات شیعہ، عقائد کی ترتیب میں اس کو پانچویں نمبر پر بیان کرتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اسی عقیدہ کو اپنے مذہب کی اصل بنیاد سمجھتے ہیں۔ شیخ حلی جن کی تحریر کا آنجناب نے حوالہ زیب رقم کیا ہے، وہ اپنے رسالہ ”منہاج الکرامہ“ کا آغاز ان الفاظ سے فرماتے ہیں :

”أما بعد فهذه رسالة شريفة ، ومقالة لطيفة،

اشتملت على أهم المطالب في أحكام الدين، وأشرف

مسائل المسلمين، وهي مسألة الإمامة ، التي يحصل

بسبب ادراكها نيل درجة الكرامة، وهي أحد أركان

الإيمان، المستحق بسببه الخلود في الجنان، والتخلص

من غضب الرحمن، فقد قال رسول الله صلى الله تعالى

عليه وسلم: ”من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة

جاهلية“

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے :

”یہ رسالہ جس مسئلہ پر مشتمل ہے، یعنی مسئلہ امامت، وہ دین کے احکام میں سب سے اہم چیز ہے۔ اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہے۔ اسی پر سعادت اخروی اور دائمی جنت کے حصول کا مدار ہے۔ اور اس کی معرفت کے بغیر مرنا، حدیث نبویؐ کے مطابق جاہلیت کی موت ہے۔“

انصاف فرمائیے کہ جو مسئلہ شیخ حلی کے بقول احکام دین میں سب سے اہم اور اسلامی مسائل میں سب سے اشرف ہو، جس کا اقرار دائمی جنت کا موجب ہو اور جس کی معرفت کے بغیر مرنا جاہلیت کی موت ہو، اگر اس ناکارہ نے اس کو ”اصل الاصول“ کہہ دیا تو کیا برا کیا؟

بلکہ شیخ حلی کی عبارت کے بین السطور کا باریک مطالعہ بتاتا ہے کہ توحید و عدل اور نبوت کے مباحث بھی شاید عقیدہ امامت ہی کی تمہید تھے۔ ملاحظہ فرمائیے :

”الفصل الأول فی نقل المذاهب فی هذه المسألة،

ذهبت الإمامية إلى أن الله عدل حكيم، لا يفعل قبيحا ولا

يخل بواجب، وأن أفعاله إنما تقع لغرض صحيح وحكمة،

وأنه لا يفعل الظلم ولا العبث، وأنه رؤوف رحيم بالعباد،

يفعل بهم ما هو الأفضل لهم والأمنع، وأنه تعالى كلفهم

تخييرا لا إجبارا، ووعدهم الثواب وتوعدهم العقاب على

لسان أنبيائه ورسله المعصومين بحيث لا يجوز عليهم الخطأ

ولا النسيان ولا المعاصي، وإلا لم يبق وثوق بأقوالهم

وأفعالهم، فتنتفى فائدة البعثة، ثم أردف الرسالة بعد

موت الرسول بالإمامة، فنصب أولياء معصومين

منصوصين ليأمن الناس من غلطهم وسهوهم وخطئهم،

فينقادون إلى أوامرهم، لئلا يخلي الله العالم من لطفه

ورحمته“

(منهاج السنة، ص: ۳۰ ج ۱)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”چونکہ خدا عادل و حکیم ہے، لطف اس کے ذمہ لازم و ضروری ہے اور بندوں کے حق میں جو چیز انفع و اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ (یہ عدل خداوندی کی تفسیر ہوئی) لہذا ناممکن تھا کہ خدا تعالیٰ کی زمین معصوموں سے خالی ہوتی، ورنہ ظلم و جور لازم آتا اور خدا غیر عادل ٹھہرتا۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلہ نبوت جاری کرنا پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلہ نبوت بند کر دیا گیا، لامحالہ اللہ تعالیٰ کو سلسلہ امامت کا جاری کرنا ناگزیر ہوا۔“

گویا لطف و عدل کا عقیدہ، تمہید نبوت ہے اور نبوت، تمہید امامت۔ ان تمام مطالب میں اہم المطالب بس امامت ہے۔

عقیدہ امامت پر تمام انبیاء سے عہد لیا گیا

شیعہ راویوں نے ان بزرگوں سے، جن کو ”امام معصوم“ کہا جاتا ہے، اس مضمون کی روایات بھی بڑی فراوانی سے نقل کی ہیں کہ عقیدہ امامت پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا۔ یہ روایات شیعہ تفسیروں کے علاوہ ”بحار الانوار“ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں بطور مثال ”بحار الانوار“ سے ایک روایت نقل کرتا ہوں جسے بحار الانوار، کتاب الامامۃ ”باب تفصیلہم علی الانبیاء“ میں کراچی کی کنز الفوائد سے نقل کیا ہے :

۶۳۔ کنز : الحسن بن ابی الحسن الدیلمی باسناده عن فرج بن ابی شیبہ قال : سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام وقد تلا هذه الآية : « وَاِذَا اخَذَ اللّٰهُ مِنْكَ الْبَيْتَ لَمَّا آتَيْتَکُمْ مِنْ کِتَابٍ وَحِکْمَةٍ نَّمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ ، بِعَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَ لَتَنْصَرُنَّہٗ ، بِعَنِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِی تَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ ، وَلَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ بَیِّنًا وَلَا رَسُوْلًا اِلَّا وَ اَخَذَ عَلَیْہِ الْمِیثَاقَ بِالْحَقِّ بِالنَّبُوۃِ وَ لَعَلَّی عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالْاِمَامَۃِ (۱) .

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۷ جلد ۶)

ترجمہ : ”امام جعفرؑ نے سورہ آل عمران کی آیت ۷۴ تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ ”تؤمنن بہ“ سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کو حکم ہوا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور ”والتنصروا“ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی یعنی حضرت علیؑ کی مدد کریں۔ امام جعفرؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اور علیؑ کی امامت کا عہد لیا۔“

انسان بس عقیدہ امامت ہی کے مکلف ہیں

اور ”معصوم اماموں“ سے اس مضمون کی روایات بھی نقل کی ہیں کہ لوگ بس امام کو پہچاننے اور اس کی ماننے ہی کے مکلف ہیں۔ چنانچہ علامہ کلینی نے اصول کافی کتاب الحجۃ ”باب التسليم وفضل المسلمين“ میں اس مضمون کی سلت روایات نقل کی ہیں۔ یہاں پہلی روایت درج کی جاتی ہے۔

❖ (التسليم و فضل المسلمين) ❖

۱۔ عده من أصحابنا ، عن أحمد بن محمد بن عيسى ، عن ابن سنان ، عن ابن مسكان عن شاذان قال : قلت لأبي جعفر عليه السلام : إنني تركت مواليك مختلفين ينبرون بعضهم من بعض قال : فقال : وما أنت وذاك ، إنما كلف الناس ثلاثة : معرفة الأئمة ، والتسليم لهم فيما ورد عليهم ، والرد إليهم فيما اختلفوا فيه .

(اصول کافی صفحہ ۳۹۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”سیدہ کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کے شیعوں کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر تبرا کرتے ہیں۔ فرمایا، تجھے اس سے کیا پڑی، لوگ صرف تین باتوں کے مکلف ہیں۔

(۱) اماموں کو پہچانیں۔

(۲) اماموں کی طرف سے جو حکم ہو اس کو مانیں۔

(۳) اور جس بات میں ان کا اختلاف ہو، اسے اماموں کی طرف

لوٹائیں۔“

جس عقیدہ کے بغیر خدا۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔ عدل و لطف کی صفات سے محروم ہو جاتا

ہو، جس عقیدہ کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے، تمام فرشتوں سے اور تمام انسانوں سے عہد لیا گیا ہو اور تمام انسانوں کو بس اسی ایک عقیدہ کا مکلف بنایا گیا ہو، اگر اس ناکارہ نے اس عظیم ترین عقیدہ کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دے دیا تو انصاف فرمائیے کہ کیا میں نے بے جا بات کہی؟ نہیں، بلکہ آنجناب کے مذہب کی صحیح ترجمانی کی۔

شیعہ سنی افتراق کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت ہے، دوسری وجہ:

اس ناکارہ نے جو عقیدہ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دیا اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں فریقوں (شیعہ اور سنی) کے درمیان اختلاف و افتراق کی ایک طویل و عریض خلیج واقع ہے اور حضرات شیعہ نے کلمہ، نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام اصول و فروع میں اپنا الگ تشخص قائم کر لیا ہے، لیکن اگر غور و تأمل سے اس افتراق کا منبع تلاش کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دونوں کے درمیان افتراق کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت ہے۔ اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی قیادت و سربراہی کا فریضہ علی الترتیب چار بزرگوں نے انجام دیا جن کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے، رضی اللہ عنہم۔ شیعہ مذہب نے اپنے مذہب کی بسم اللہ یہاں سے کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، خلافت بلا فصل انہی کا حق تھا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے انحراف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت و نیابت اور اپنے بعد امت کی امامت کے لئے جس شخصیت کو نامزد کیا تھا، صحابہ کرامؓ نے اس کو چھوڑ کر ایک اور بزرگ کو خلیفہ بنالیا۔ ان کے بعد پھر ایک اور کو، ان کے بعد پھر ایک اور کو۔ تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نامزد کردہ شخصیت کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ افسوس کہ اس کے بعد بھی امت ان کی امامت پر مجتمع نہ ہو سکی۔

الغرض شیعیت کی ابتدا ”نظریہ امامت“ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ حلی منہاج الکرامہ میں اسی نقطہ آغاز کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأنه لما بعث الله محمدا ﷺ قام بشقل الرسالة

ونص علی أن الخلیفة بعده علی بن أبی طالب علیہ السلام، ثم من بعده علی ولده الحسن الزکی، ثم علی ولده الحسین الشہید، ثم علی علی بن الحسین زین العابدین، ثم علی محمد بن علی الباقر، ثم علی جعفر بن محمد الصادق، ثم علی موسی بن جعفر الکاظم، ثم علی علی بن موسی الرضا، ثم علی محمد بن علی الجواد، ثم علی علی بن محمد الہادی، ثم علی الحسن بن علی العسکری، ثم علی الخلف الحجة محمد بن الحسن المہدی علیہم الصلاة والسلام، وأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یمت إلا عن وصیة بالإمامة، قال وأهل السنة ذهبوا إلى خلاف ذلك کله..... وأن الإمام بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أبو بکر بن أبی قحافة بمبايعة عمر بن الخطاب له برضا أربعة: أبی عبیدة بن الجراح وسالم مولى أبی حذیفة وأسید بن حضیر وبشیر بن سعد بن عبادة، ثم من بعده عمر بن الخطاب بنص أبی بکر علیہ، ثم عثمان بن عفان بنص عمر علی ستة هو أحدهم، فاختره بعضهم، ثم علی بن أبی طالب لمبايعة الخلق له“ (منهاج السنة، ص: ۳۰۰ ج ۱:)

حاصل ترجمہ یہ کہ: ”شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور ان کے بعد علی الترتیب گیلہ اماموں کو۔ لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ خلیفہ تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ۔“

پس چونکہ شیعیت کا نقطہ آغاز مسئلہ امامت و ولایت ہے، اس لئے اس ناکارہ نے اس کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول اور سنگ بنیاد قرار دیا۔

شیعیت کے تمام اصول و فروع کا مدار ”امامت“ پر ہے، تیسری وجہ: نظریہ امامت کو شیعہ مذہب کا اصل الاصول قرار دینے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ شیعہ مذہب کے تمام اصول و فروع کا مدار ”عقیدہ امامت“ پر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اولہ احکام علی الترتیب چار ہیں۔

- ۱۔ کتب اللہ
- ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳۔ اجماع امت
- ۴۔ مجتہدین امت کا اجتہاد و قیاس (جو ان تین دلائل میں سے کسی ایک پر مبنی ہو)

لیکن حضرات شیعہ کے نزدیک شرع کے دلائل صرف تین ہیں۔

- ۱۔ کتب اللہ
- ۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ۳۔ ائمہ معصومین کے اقوال و ارشادات

ان کے نزدیک امام معصوم کے بغیر اجماع باطل ہے، تاہم قیاس چہ رسد؟ یہ تو ایک ظاہری اصول ہے۔ اگر ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعہ کے نزدیک ان تین دلائل کا مرجع اور خلاصہ بھی صرف ایک ہے، یعنی قول امام۔ چنانچہ کتب اللہ کی فلاں آیت کا قول خداوندی ہونا ان کے نزدیک قول امام سے معلوم ہوگا۔ اگر امام معصوم یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ آیت یوں نہیں، یوں ہے تو شیعہ کے نزدیک قول معصوم کی بنا پر اس آیت کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جس طرح امام نے فرمایا۔ (اس کی تفصیل انشاء اللہ تیسرے باب میں آئے گی)۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کلام الہی ہے، مگر قرآن کریم کی کسی آیت کا قول خداوندی اور کلام الہی ہونا شیعہ کے نزدیک امام معصوم کی تصدیق و تصویب پر موقوف ہے۔

جہاں تک ارشادات نبویہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ہے، شیعہ کے نزدیک وہ بھی صرف اس صورت میں معتبر ہیں جبکہ وہ ائمہ معصومین کے ذریعے پہنچی ہوں یا اقوال ائمہ کے موافق ہوں ورنہ چونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام عادل و ثقہ نہیں، لہذا ان کی ایسی روایات جو ائمہ معصومین کے ذریعے نہ پہنچی ہوں یا قول معصوم ان کی تائید نہ کرتا ہو، وہ شیعہ کے نزدیک ساقط الاعتبار ہوں گی۔ چنانچہ شیعوں کے محدث اعظم علامہ باقر مجلسی کی کتاب ”بحار الانوار“ جزو دوم (طبع جدید) کتاب العلم میں باب (۲۸) کا عنوان ہے :

❖ (ما رويہ العامة من أخبار الرسول صلى الله عليه وآله ، وأن الصحيح من ذلك) ❖
❖ (عندهم عليهم السلام ، والنهي عن الرجوع الى أخبار المخالفين) ❖
❖ (وليه ذكر الكذابين) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۲۱۴ جلد ۲)

ترجمہ: ”جو احادیث غیر شیعہ کی روایت سے ہوں ان میں سے صحیح وہی ہیں جو ائمہ کے پاس ہوں اور مخالفین کی روایت کردہ کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے۔ اور اس باب میں جھوٹی روایتیں کرنے والوں کا بھی ذکر ہے۔“

اس باب میں اس مضمون کی ۱۴ روایات نقل کی ہیں کہ امام کی تائید و تصدیق کے بغیر دوسروں کی روایت کا اعتبار نہیں۔ اسی باب کی روایت (۱۱) میں امام جعفر کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

۱۱۔ ل : الطالقاني ، عن الجلودي ، عن غدير ذكرية ، عن جعفر بن محمد بن عمار قال : سمعت جعفر بن محمد عليه السلام يقول : ثلاثة كانوا يكذبون على رسول الله صلى الله عليه وآله أبو هريرة ، وأنس بن مالك ، وأسرة .

یہاں : یعنی تائید .
(بحار الانوار صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: ”تین صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھتے تھے۔ ابو ہریرہ ، انس بن مالک اور ایک عورت“ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ نعوذ باللہ)

اور اس سے اگلے صفحہ پر روایت ۱۴ امام باقرؑ سے نقل کی ہے :

۱۴۔ أقول: وجدت في كتاب سليم بن قيس الهلالي أن أبان بن أبي عتياب راوي الكتاب قال: قال أبو جعفر الباقر عليه السلام: لم تزل أهل البيت منذ قبض رسول الله ﷺ نذراً ونقماً ونحرم و قتل و نطرد، ووجد الكذابون لكذبهم موضعاً يتخربون إلى أوليائهم وقضائهم ومآلهم في كل بلدة يحدون عدونا وولاتهم الماضين بالأحاديث الكاذبة الباطلة، ويحدون ويردون عن مآلهم نقل، تهجيناً منهم لنا، وكذباً منهم علينا، وتقرّباً إلى وولاتهم وقضائهم بالزور والكذب.

(بحار الأنوار..... صفحہ ۲۱۸ جلد ۲)

ترجمہ: ”جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ہم اہل بیت کو بیش ذلیل کیا جاتا رہا، دور کیا جاتا رہا، محروم کیا جاتا رہا، قتل کیا جاتا رہا اور دھتکارا جاتا رہا۔ اور جھوٹوں نے اپنے جھوٹ کے لئے یہ موقع پایا کہ وہ اپنے دوستوں، قاضیوں اور حاکموں کا ہر شر میں تقرب حاصل کریں۔ وہ ہمدے دشمنوں اور ان کے گزشتہ دوستوں کے پاس باطل اور جھوٹی احادیث بیان کرتے اور ہماری جانب سے ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو ہم نے نہیں کیں۔ جس سے ان کا مقصد ہماری توہین کرنا، ہم پر جھوٹ باندھنا اور جھوٹ طوفان کے ذریعہ اپنے دوستوں اور قاضیوں کا تقرب حاصل کرنا ہے۔“

ائمہ معصومین کے ان گرفتار ارشادات کو پڑھنے کے بعد کون غفلت مند ہو گا جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ کی نقل کردہ احادیث پر اعتماد کرے گا؟ الغرض کسی آیت کا ارشادِ خداوندی ہونا اور کسی حدیث کا ارشادِ نبویؐ ہونا شیعہ کے نزدیک قولِ امام پر منحصر ہے۔ لہذا اصل الاصول وہی ”مسئلہ امامت“ ٹھہرا۔

شیعہ کا لقب ”امامیہ“، چوتھی وجہ :

ان تمام امور سے قطع نظر کیجئے تو شیعہ کا لقب ”امامیہ“ خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس فرقہ کا امتیازی نشان عقیدہ امامت ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو ایسے لقب سے

ملقب کیا کرتا ہے جو اس کے اعتقادی و نظریاتی نشان کا پتا دے۔ ”اہل السنۃ و الجماعۃ“ کا لقب بتاتا ہے کہ ان کے اعتقادات کا قطب ”ما انا علیہ واصحابی“ ہے اور ان کا اعتقادی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی نظام سنت نبوی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام اور سنت صحابہؓ کے مدار پر گردش کرتا ہے۔ معتزلہ اپنے آپ کو ”اصحاب التوحید والعدل“ کہتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں ان کا اعتقادی فلسفہ توحید و عدل کے گرد گھومتا تھا (ان کے یہاں توحید و عدل کی جو بھی تفسیر ہو)۔ اسی طرح حضرات شیعہ اپنے آپ کو ”امامیہ“ اور ”اثنا عشریہ“ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں تو اس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اصول و فروع اور اعمال و اخلاق کی چمکی قطب امامت کے گرد گھومتی ہے۔ باوجود اس کے کہ توحید و عدل کی بعض تعبیرات میں شیعہ اور معتزلہ کے درمیان اتفاق ہے لیکن شیعہ معتزلہ کی طرح اپنے کو ”ارباب العدل و التوحید“ نہیں کہلاتے۔ کیونکہ عقیدہ امامت ان کے نزدیک توحید و عدل کی ان تعبیرات سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دوسری بحث : عقیدہ امامت کا موجد اول عبد اللہ بن سبا یسودی تھا

آنجناب تحریر فرماتے ہیں :

”صفحہ ۲۰ پر آپ نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا نامی یسودی جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا دہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔ یہ وہ رٹی رٹائی بات ہے جو عرصے سے کسی جا رہی ہے، حالانکہ تحقیقاً علمائے اہل سنت نے عبد اللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کے عقائد و نظریات نہ کسی کتب میں منقول ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ آپ جیسے فاضل کے لئے میرے خیال میں یہ روا نہیں کہ وہ اس قسم کی بے بنی باتیں نقل کرتا رہے۔ شیعہ مذہب عقائد و نظریات اور فقہی مسائل کا مستقل کتب ہے جس میں نہ عبد اللہ بن سبا کا کوئی وجود ہے نہ ہی اس کے نظریات کو بیان کر کے انہیں بطور حجت پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا محترم آپ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ معتد علیہ علماء کے بیانات سے استدلال کرنا ہی کسی فرقے کی کتب کا پتہ دیتا ہے، اور عالم کا کتب فکر طے کرتا ہے۔ اگر شیعہ فرقے میں عبد اللہ بن سبا کو موجد کی حیثیت حاصل ہوتی تو ان کی کتابوں میں اس ملعون کے نظریات سے استدلال کیا جاتا جبکہ اس مردود کا کسی کتب میں حوالہ نہیں ملتا۔ آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہو تو حقیر کو ضرور مطلع فرمائیے گا۔ آپ یقیناً ایسا نہ کر سکیں گے۔“

اس ناکارہ نے نظریہ ”ولایت علیؑ“ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ حضرت علیؑ

کی امامت و ولایت اور وصایت کے جو نظریات شیعہ مذہب کا نقطہ آغاز ہیں :
 ”ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ
 بن سبا اور اس کے، فقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب
 ہو گئے تھے.....“

آنجناب نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”یہ رٹی رٹلی بات ہے جو عرصہ
 سے کسی جا رہی ہے۔“

جو ابابکار زارش ہے کہ یہ اگر ”رٹی رٹلی بات“ ہے تو معاف کیجئے! یہ آپ ہی کے
 گھر سے رٹلی گئی ہے : چنانچہ علامہ مامقانی ”تنقیح المقال“ میں اور علامہ مجلسی
 ”بحار الانوار“ میں ”رجل کثی“ سے نقل کرتے ہیں :

و ذکر ^(۱) بعض أهل العلم أن عبد الله بن سبا كان يهودياً فأسلم و والی علیاً
 علیه السلام و كان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون وصی موسى بالقول فقال
 في إسلامه بعد وفاة رسول الله ﷺ في علي بن أبي طالب مثل ذلك .
 و كان أول ^(۲) من أشهر بالقول بفرس إمامة علي بن أبي طالب وأظهر البراءة من أعدائه
 وكشف مخالفته وأكفرهم ^(۳) . فمن ههنا قال من خالف الشيعة : أصل التشيع والرفض
 مأخوذ من اليهودية . ^(۴)

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، پس
 اسلام لے آیا اور حضرت علیؑ کی ”ولایت“ کا قائل ہوا۔ یہ اپنی یہودیت
 کے زمانہ میں یوشع بن نون علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتے ہوئے کہا
 کرتا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں، پس اسلام لانے کے بعد اسی قسم
 کی بات وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگا کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ آپ کے وصی تھے۔

”یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ مشہور کیا کہ حضرت علی
 رضی اللہ عنہ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے اور اس نے حضرت علی رضی اللہ
 عنہ کے دشمنوں پر (جس سے اس ملعون کی مراد خلفاء راشدین تھے)
 اعلانیہ تبرک کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو واشگاف کیا اور ان کو
 کافر کہا۔

”میں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ تشیع اور

رافضیت، یہودیت کا چربہ ہے۔“

علامہ کشی چوتھی صدی کے اکابر شیعہ میں تھے اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شیعہ اسماء الرجال پر قلم اٹھایا، ”رجال کشی“ اور ”رجال نجاشی“ جن سے علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں استفادہ کیا ہے، ان دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

و کتابا الرجال علیہما مدار العلماء، الأخبار فی الأعصار والأمصا.

(بحار الانوار صفحہ ۳۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”رجال کی یہ دونوں کتابیں، انہی پر پسندیدہ علماء کا مدار ہے، تمام زمانوں میں اور تمام شروں میں۔“

الغرض جو کتاب تمام اعصار و امصار میں علمائے اخیار کا مدار چلی آتی ہے، اسی میں یہ بتایا گیا ہے کہ نظریہ امامت کا سب سے پہلا موجد و مبلغ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا جس کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقاء و زیارت کا شرف حاصل تھا۔ بعد میں جس کسی نے بھی ”نظریہ امامت“ پیش کیا اس نے اپنے پیشوا ابن سبا یہودی کے وضع کردہ سنگ بنیاد پر مسئلہ امامت کی بلند و بالا عمارت تعمیر کی۔ اب اگر آپ اپنے ولی نعمت اور مرشد اول سے کفرانِ نعمت فرمائیں تو اس کا کیا علاج ہے؟

کیا عبد اللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے؟

اور آنجناب نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

”تحقیقا علمائے اہل سنت نے عبد اللہ بن سبا کے وجود ہی کا انکار کیا

ہے۔“

گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا تو محض ایک فرضی نام ہے، محققین اس کے وجود ہی کا انکار کر رہے ہیں، ”شیعہ مذہب کا موجد“ کہہ کر مفت میں اس غریب کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آنجناب نے کن علماء اہلسنت کی یہ تحقیق نقل فرمائی ہے اور یہ کہ ان کا علمی مرتبہ و مقام کیا ہے؟ جہاں تک اس ناکارہ کا علم ہے اکابر علماء اہلسنت نے وہی بات نقل کی ہے جو علامہ کشی نے کہی ہے اور جسے ابھی

علامہ مجلسی کی ”بجمل الانوار“ اور علامہ مامقانی کی ”تنقیح المقال“ کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”ذکر غیر واحد منهم أن أول من ابتدع الرفض والقول بالنص على على وعصمته كان منافقا زنديقا، أراد فساد دين الإسلام، وأراد أن يصنع بالمسلمين ما صنع بولص بالنصاري، لكن لم يتأت له ما تأتى لبولص، لضعف دين النصاري وعقلهم، فإن المسيح ﷺ رفع ولم يتبعه خلق كثير يعلمون دينه ويقومون به علما وعملا، فلما ابتدع بولص ما ابتدعه من الغلو في المسيح اتبعه على ذلك طوائف، وأحبوا الغلو في المسيح، ودخلت معهم ملوك، فقام أهل الحق خالفوهم وأنكروا عليهم، فقتلت الملوك بعضهم، وداهن الملوك بعضهم، وبعضهم اعتزلوا في الصوامع والديارات - وهذه الأمة والله الحمد لا يزال فيها طائفة ظاهرة على الحق فلا يتمكن ملحد ولا مبتدع من إفساده بغلو وانتصار على الحق، ولكن يضل من يتبعه على ضلالة“ .

(منهاج السنة ص ۲۶۱ ج ۲)

ترجمہ: ”اور شیعہ جو اہلسنت کے خلاف امام معصوم وغیرہ کے دعوے کرتے ہیں یہ دراصل ایک منافق زندق کا اخرج ہے، چنانچہ بہت سے اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رفض ایجاد کیا اور جو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت و عصمت کا قائل ہوا وہ ایک منافق زندق (عبداللہ بن سبا) تھا جس نے دین اسلام کو بگاڑنا چاہا اور اس نے مسلمانوں سے وہی کھیل کھیلتا چاہا جو پولس نے نصرائی سے کھیلتا تھا، لیکن اس کے لئے وہ کچھ ممکن نہ ہوا جو پولس کے لئے ممکن ہوا، کیونکہ نصرائی میں دین بھی کمزور تھا اور عقل کی بھی کمی تھی، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام (آسمان

پر) اٹھائے گئے، جبکہ ان کے پیرو زیادہ نہ تھے جو لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دیتے اور ان کے علم و عمل کو لے کر کھڑے ہو جاتے، لہذا جب پولس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو اختراع کیا تو اس پر بہت سے گروہ اس کے پیرو ہو گئے اور وہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلو کو پسند کرنے لگے اور ان غالیوں کے ساتھ بادشاہ بھی غلو میں داخل ہو گئے۔ اس وقت کے اہل حق کھڑے ہوئے، انہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے غلو پر نکیر کی، نتیجہ یہ کہ ان اہل حق میں سے بعض کو بادشاہوں نے قتل کر دیا، بعض نے مدائنت سے کام لیا اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی، اور بعض گرجوں اور خلوت خانوں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور امت مسلمہ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہی، اس لئے کسی طہد اور کسی بدعت ایجاد کرنے والے کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ امت کو غلو کی راہ پر ڈال دے اور حق پر غلبہ حاصل کر لے۔ ہاں! ایسے طہد ان لوگوں کو ضرور گمراہ کر دیتے ہیں جو ان کی گمراہی میں ان کی پیروی اختیار کر لیں۔

اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے بھی المستفی میں اسی کا خلاصہ درج کیا ہے۔ علامہ شہرستانیؒ ”الملل والنحل“ میں لکھتے ہیں:

”السبائیة: أصحاب عبد الله بن سبأ الذي قال لعلی علیہ السلام أنت أنت، یعنی أنت الإله، فنفاه إلى المداین، وزعموا أنه كان يهوديا فأسلم، وكان في اليهودية يقول في يوشع بن نون وصی موسى، مثل ما قال في علی علیہ السلام، وهو أول من أظهر القول بالفرض بإمامة عليّ“.

(الملل والنحل صفحہ ۱۱، جلد ۲)

ترجمہ: ”سبائیہ، عبد اللہ بن سبا کے پیرو کہلاتے ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ آپ ہیں، یعنی آپ ہی خدا ہیں۔ حضرت علیؑ نے اس کو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ یہودی تھا،

اور اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہا کرتا تھا، جیسا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ حضرت علیؑ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ ”لسان المیزان“ میں لکھتے ہیں:

”عن أبي الجلاس سمعت عليا يقول لعبد الله بن سبأ والله ما أفضى إلى بشئ كتمه أحدا من الناس، ولقد سمعته يقول: إن بين يدي الساعة ثلاثين كذابا وإنك لأحدهم. وقال أبو إسحاق الفزاري عن شعبة عن سلمة بن كهيل عن أبي الزعراء عن زيد بن وهب أن سويد بن غفلة دخل على علي في إمارته فقال إني مررت بنفر يذكرون أبا بكر، وعمر، ويرون أنك تضمر لهما مثل ذلك، منهم عبد الله بن سبأ وكان عبد الله أول من أظهر ذلك، فقال علي: ما لي ولهذا الخبيث الأسود؟ ثم قال: معاذ الله أن أضمر لهما إلا الحسن الجميل، ثم أرسل إلى عبد الله بن سبأ فسيره إلى المدائن، وقال لا يسكنني في بلدة أبدا، ثم نهض إلى المنبر حتى اجتمع الناس فذكر القصة في ثنائه عليهما بطوله وفي آخره: ألا ولا يبلغني عن أحد يفضلني عليهما إلا جلده حد المفتري. وأخبار عبد الله بن سبأ شهيرة في التواريخ، وليست له رواية، والله الحمد، وله اتباع يقال لهم السبائية، معتقدون لإلهية علي بن أبي طالب، وقد أحرقهم علي بالنار في خلافته.“

(لسان الميزان ص ۲۹۰ ج ۲)

ترجمہ: ”ابو الجلاس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد اللہ بن سبا سے یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایسی راز کی کوئی بات نہیں بتائی جس کو کسی سے چھپایا ہو۔ اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خود سنا کہ ”قیامت سے پہلے تمیں جھوٹے ہوں گے“ تو بھی ان میں سے ایک ہے۔

ابو اسحاق فزاری نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سوید بن غفلہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برائی سے یاد کر رہے تھے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ آپؐ بھی (یعنی حضرت علیؑ بھی) ان دونوں کے بارے میں یہی بات اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں جو وہ کہہ رہے ہیں، اس گروہ میں سے ایک عبد اللہ بن سبا ہے۔ اور عبد اللہ بن سبا سے پہلا شخص تھا جس نے اس کا (عداوت شیخینؑ کا) اظہار کیا۔ حضرت علیؑ نے میری بات سن کر فرمایا: مجھے اس کالے خبیث (عبد اللہ بن سبا) سے کیا تعلق؟ پھر فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ میں شیخینؑ کے بارے میں بھلائی اور خوبی کے سوا کوئی اور بات اپنے دل میں چھپاؤں۔ پھر آپؐ نے عبد اللہ بن سبا کو بلا بھیجا، پس اس کو مدائن کی طرف چلتا کیا اور فرمایا یہ میرے ساتھ ایک شہر میں نہیں رہ سکتا۔ پھر اٹھ کر منبر پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے۔ یہاں راوی نے طویل قصہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخینؑ کی مدح و ثنا فرمائی، اس کے آخر میں حضرت علیؑ کے الفاظ یہ تھے:

”سن رکھو! جس شخص کے بارے میں بھی مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ مجھے شیخینؑ پر فضیلت دیتا ہے میں اس پر بہتان لگانے والے کی حد (اسی درے) جاری کروں گا۔“

عبد اللہ بن سبا کے حالات تو تاریخ میں مشہور ہیں اور الحمد للہ کہ اس کی کوئی روایت نہیں، اس کے کچھ پیروکار ہیں جن کو سہاتیہ کہا جاتا ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلایا تھا۔“

ابن سبائہ کے نظریات اور اس کی تعلیمات

آنجناب مزید فرماتے ہیں:

”نیز یہ کہ اس کے (ابن سبا کے) عقائد و نظریات نہ کسی کتاب میں منقول

ہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

اس ناکارہ کو یہ لکھتے ہوئے نہایت رنج ہوتا ہے کہ آنجناب کا دعویٰ غلط اور دلیل غیر منطقی ہے۔ شیعی سنی دونوں کتابوں میں ابن سبا کے عقائد مذکور ہیں۔ چنانچہ:

۱۔ اس ملعون نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ حضرت امیرؑ نے اس کو بلا کر سرزنش فرمائی، اس کو جلاوطن کر دیا اور برسر منبر یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آئندہ مجھے حضرات شیخینؑ پر فضیلت دے گا اس پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔ علامہ مجلسی نے "رجل کشی" کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ کا ایک طویل ارشاد نقل کیا ہے، جس کا ایک فقرہ یہ ہے:

وكان أمير المؤمنين عليه السلام أسدق من برأ الله من بعد رسول الله صلى الله عليه وآله
وكان الذي يكذب عليه ويعمل في تكذيب صدقه بما يفترى عليه من الكذب عبدالله
ابن سبا لعنه الله

(بحار الانوار صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: "امیر المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے سچے تھے، اور جو شخص آپ پر جھوٹ باندھتا تھا، اور جھوٹ باندھ باندھ کر آپ کے سچ کو جھوٹا ثابت کرتا تھا وہ عبد اللہ بن سبا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔"

غالباً اس نے حضرت امیرؑ پر جو پے در پے جھوٹ باندھے ان میں سب سے پہلا جھوٹ یہی تھا کہ امیر المومنینؑ حضرات شیخینؑ سے افضل ہیں۔ اور اس کا یہی عقیدہ تھا جس کو سن کر امیر المومنینؑ کے روٹگئے کھڑے ہو گئے تھے، اور اس ملعون کے اسی ملعون عقیدہ کا جب خیال آ جاتا تھا تو امام زین العابدینؑ کے بھی روٹگئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی ہی نے "کشی" کے حوالے سے ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

لن الله من كذب علينا ، إنني ذكرت عبد الله بن سبا فقامت كل
شعره في جسدي لقد ادعى أمراً عظيماً ، ماله لعنه الله .

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”اللہ کی لعنت ہو اس پر جو ہم پر جھوٹ باندھے، میں عبد اللہ بن سبا کو یاد کرتا ہوں تو میرے بدن کے سارے روتھکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس نے بہت بڑی بات کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کو کیا ہو گیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔“

۲۔ ابن سبا کا عقیدہ ولایت بھی اوپر آچکا ہے جس کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنینؓ کو پوشیدہ علوم سے آگاہی بخشی تھی، کیونکہ آپ وصی رسولؐ تھے، چنانچہ خلافت و ولایت حضرت امیر المومنینؓ کا حق تھا اور یہ کہ ان سے پہلے کے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ حق غصب کر لیا تھا، لہذا ان سے تبرا ضروری ہے۔ ”تنقیح المقل“ اور ”بحار الانوار“ کی وہ روایت جو اوپر نقل کر چکا ہوں اور جس میں بتایا گیا ہے کہ وصایت و ولایت علیؑ کا عقیدہ سب سے پہلے ابن سبا نے مشہور کیا تھا اور مخالفین پر تبرا سب سے پہلے اس نے شروع کیا۔ اس پر ”بحار الانوار“ کے فاضل محشی کا یہ حاشیہ بڑا معنی خیز ہے:

كان قبل ذلك ينفون ولا يقولون علانية تلك الامور ، فظهر وتبرك النقية واعلم
الدول بذلك . (۴) القول بكفر المخالفين من مختصات لعنة الله عليه .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”عبد اللہ بن سبا سے پہلے کے لوگ تقیہ سے کام لیتے تھے۔ اور ان امور کو (کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ ہیں، احق بالامامت ہیں، شیخینؓ سے افضل ہیں) اعلانیہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اس ملعون نے تقیہ چھوڑ دیا اور ان باتوں کو اعلانیہ ذکر کرنا شروع کر دیا۔ (معلوم ہوا کہ جو لوگ تقیہ کو چھوڑ کر اعلانیہ حضرت علیؑ کو وصی، احق بالامامت اور حضرت شیخینؓ سے افضل کہتے ہیں وہ ابن سبا کے مقلد ہیں، اس سے پہلے کوئی شخص ان باتوں کا اعلانیہ اظہار نہیں کرتا تھا۔ ناقل) مخالفین امامت کو کافر کہنا بھی اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“

یہ بھی اوپر آچکا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا تھا، ”رجل کشی“ میں حضرت صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

لمن الله عبدالله بن سبا إنه ادعى الربوبية في أمير المؤمنين ، وكان و الله أمير المؤمنين ﷺ عبدالله طائفاً ، الولد لمن كذب علينا ، وإن قوماً يقولون فينا مالا نقوله في أنفسنا ، نبرأ إلى الله منهم ، نبرأ إلى الله منهم (۱) .

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”عبداللہ بن سبا پر اللہ کی لعنت ہو کہ اس نے امیر المومنین کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ اللہ کی قسم ! امیر المومنین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرما تیردار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ باندھے، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے، ہم اللہ کے سامنے ان لوگوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں (دو مرتبہ فرمایا)۔“

۳۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لئے نبوت کا بھی دعویٰ رکھتا تھا۔ علامہ مجلسی نے رجل کشی اور ”مناقب آل ابی طالب“ کے حوالے سے امام باقرؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

۳۹۔ کش : محمد بن قولوبہ عن سعد بن محمد بن عثمان عن یونس عن عبدالله بن سنان عن أبيه عن أبي جعفر ﷺ ان عبد الله بن سبا كان يدعى النبوة و يزعم أن أمير المؤمنين ﷺ هو الله ، ندألى عن ذلك ، فبلغ ذلك أمير المؤمنين ﷺ فدعا و سأله ففرّ بنات و فرّ - نعم أنت هو ، وقد بين أنفى في .دعي أنت أنت الله و أنسى بنى .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۶ جلد ۲۵)

ترجمہ : ”عبداللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کو اس کی یہ بات پہنچی تو اسے بلا بھیجا، اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا اور کہا کہ ہاں ! آپ وہی ہیں، میرے دل میں یہ بات ڈلی گئی کہ آپ اللہ ہیں اور میں نبی ہوں۔“

ابن سبا کے پہلے تین عقیدوں کو شیعہ فرقوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ چنانچہ تفضیلی شیعوں نے اس کے پہلے عقیدے کو لے لیا، سنی رافضیوں نے اس کے دوسرے عقیدے پر اپنے عقائد کی عکاسی استوار کر لی، اور غالی رافضیوں نے آخری درجہ پر جا کر دم لیا، غالباً یہ اس عیل کی حکمت عملی تھی کہ ہر عقیدے کی ہر جماعت کو

جداگانہ تعلیم دی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ”تحفہ“ کے باب اول میں اس کی ان تدریجی تعلیمات و تبلیغات کو بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں اس کی تلخیص کا ترجمہ پیش کرتا ہوں :

ترجمہ : ”جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہود و نصاریٰ، مجوس اور بت پرست کافروں کے مملکت، بہ عنایت خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاتھوں فتح ہوئے اور کفار گنہگار کو قتل کرنے، قید کرنے اور ان کے اموال کو غنیمت بنانے کا اتفاق ہوا اور ان کافروں کو مکمل درجے کی ذلت و علو لاحق ہوئی..... تو ناچار خلیفہ ثلاثہ کے دور میں انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا، اور مکرو فریب کی مضبوط رسی کو مضبوط تھاوا، لہذا ان کی ایک بڑی جماعت نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کی فرست میں داخل کر دیا اور مسلمانوں میں گھس کر نور اسلام کے بجھانے اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ و فساد اور بغض و عناد ڈالنے کے درپے ہوئے، اور اس مقصد کے لئے حیلہ و تدبیر کرنے لگے.....

اس سازشی نوے کا سربراہ عبداللہ بن سبا یہودی یعنی صنعانی تھا، جس نے برسوں تک یہودیت میں تلبیس و اضلال کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ وہ دغا و فریب کی شطرنج کا تجربہ کلا کھلاڑی تھا، فتنہ انگیزی کے سرد و گرم کو خوب چکھے ہوئے تھا، اور اس لق و دق میدان کے نشیب و فراز طے کر رکھے تھے، الغرض فتنہ پروری کا بہت ہی ماہر و تجربہ کار تھا۔ اس نے اہل فتنہ میں سے ہر ایک کو ایک الگ طریقہ سے فریب دینا شروع کیا اور ہر ایک کی استعداد کے مناسب گمراہی کا بیج بونے کی بنیاد رکھی۔

پہلے تو اس نے خاندان نبویؐ سے مکمل محبت و اخلاص کا اظہار کیا اور اہل بیت سے محبت رکھنے اور اس معاملہ میں خوب پختگی اختیار کرنے کی ترغیب دینی شروع کی، خلیفہ برحق کی جانب کو لازم پکڑنے، دوسروں پر اس کو ترجیح دینے اور اس کے مخالفوں کی طرف جھکاؤ نہ کرنے کو بیان کرنے لگا، اس کی یہ ترغیب ہر عام و خاص میں مقبول اور تمام اہل اسلام کے لئے مرغوب ہوئی اور اس سے لوگوں کو اس کی نصیحت و خیر خواہی کا اعتقاد ہوا۔ جب ایک جماعت کو اس دام فریب میں گرفتار کر لیا تو سب سے پہلے تو انہیں یہ القاء کرنا شروع

کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی، برادر اور داماد ہیں۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے شاگرد حضرت علیؑ کی تمام صحابہؓ پر فضیلت کے قائل ہو گئے ہیں اور یہ بات ان کے ذہنوں میں خوب راسخ اور پختہ ہو گئی ہے تو اپنے خصوصی ہمزادوں اور چیدہ چیدہ دوستوں کو ایک نئے بعید کی تعلیم دی کہ حضرت مرتضیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نص صریح کے ساتھ خلیفہ بنایا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی آیت ”انما ولیکم اللہ ورسولہ“ سے مستنبط ہوتی ہے۔ لیکن صحابہؓ نے جبر و مکر سے پیغمبر کی وصیت کو ضائع کر دیا۔ انہوں نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کی، حضرت مرتضیٰؑ کے حق کو غصب کر لیا اور سب کے سب طمع دنیا کی خاطر دین سے برگشتہ ہو گئے اس کے اس وسوسہ کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو شروع ہو گئی۔ حضرت امیرؓ کے لشکریوں میں خلفائے ثلاثہؓ پر سب و طعن کا سلسلہ جاری ہو گیا اور باہمی مناظروں اور مجادلوں کی فوج آنے لگی، یہاں تک کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبہ ارشاد فرمائے اور اس جماعت سے بیزار ی کا اظہار فرمایا اور کچھ لوگوں کو وعید سنائی اور ان پر حد لگانے کی دھمکی دی۔

ابن سبائے جب دیکھا کہ اس کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھا اور اہل اسلام کے عقیدہ میں فتنہ و فساد راہ پانے لگا، چنانچہ مسلمان اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے آپس میں الجھتے ہیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کر رہے ہیں تو اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اپنے خاص الخاص شاگردوں کو چنانچہ دوسروں سے خلوت میں لے جا کر پہلے ان سے عہد و پیمان لیا اور پھر ایک اور بعید جو زیادہ باریک اور زیادہ نازک تھا، ان کے سامنے کھولا۔ وہ یہ کہ حضرت علیؑ سے بہت سی ایسی چیزیں صادر ہوتی ہیں جو بشر کی قدرت میں نہیں یہ تمام چیزیں الوہیت کے خواص ہیں جو ان سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں، اور ناسوت کے لباس میں لاہوت جلوہ فرما ہے، لہذا خوب سمجھ لو کہ علیؑ خود خدا ہیں ان کے سوا کوئی خدا نہیں.....

مثل مشہور ہے کہ ”جو بھید دو آدمیوں سے گزر جائے وہ فاش ہو جاتا ہے“ چنانچہ رفتہ رفتہ یہ قبیح نظریہ فاش ہو گیا اور حضرت مرتضیٰؑ تک پہنچا، آپ نے ان لوگوں کو ابن سبا کے ساتھ بلا کر آگ میں جلانے کی دھمکی دی، ان سے توبہ کرائی، اس کے بعد اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا..... پس حضرت امیرؑ کے اہل لشکر میں اس شیطان لعین کے وسوسہ کے رد و قبول کے نتیجہ میں چار فریق ہو گئے۔

اول: شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین، جو اہلسنت و جماعت کے پیشوا ہیں۔ یہ حضرات حضرت مرتضیٰؑ کی روش پر قائم رہے کہ مشاجرات و مقالات کے باوصف اصحاب کبارؑ اور ازواج مطہراتؑ کے حقوق کو پہچانتے تھے، ظاہر و باطن کے لحاظ سے ان اکابر کی عزت و حرمت کے معترف تھے، ان کا سینہ کینہ و نفاق سے پاک صاف تھا۔ ان حضرات کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں۔ اور یہ گروہ بحکم ”ان عبادی لبس لک علیہم سلطان“ اس اہلبیس پر تبلیس کے شر سے ہر جہت سے محفوظ رہا۔ اور ان کے دامن پاک پر اس خبیث (ابن سبا) کی نجاست کا کوئی داغ و دھبہ نہیں آیا۔ حضرت مرتضیٰؑ نے اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح فرمائی اور ان کی روش کو پسند فرمایا۔

دوم: شیعہ تفضیلیہ، جو حضرت علی مرتضیٰؑ کو تمام اکابر صحابہؑ پر فضیلت دیتا تھا۔ یہ فرقہ اس لعین کے اوئی شاگردوں میں سے تھا اور اس فرقہ نے اس ملعون کے وسوسہ کا ایک شر قبول کر لیا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ نے ان کے بارے میں تہدید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ اگر میں نے کسی کے بارے میں سنا کہ وہ مجھے حضرات شیخینؑ پر فضیلت دیتا ہے اس مغتری پر (ہستان باندھنے والے کی) حد (اسی کوڑے) جاری کروں گا۔

سوم: شیعہ سببیت، جن کو تبرائیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ تمام صحابہؑ کو ظالم و غاصب اور کافر و منافق جانتے ہیں، اور یہ گروہ اس خبیث (ابن سبا) کے زیر میانی درجے کے شاگرد ہوئے..... اور جب اس گروہ کے خیالات حضرت مرتضیٰؑ تک پہنچے تو آپ نے متعدد خطبے ارشاد فرمائے۔ ان لوگوں کی برائیاں بیان فرمائیں اور ان لوگوں سے اپنی برأت ظاہر فرمائی۔

چہل دم: غالی شیعہ، جو اس خبیث (ابن سبا) کے انہٹ تلمذہ اور اس کے خاص الخاص رازداں تھے، یہ لوگ حضرت علیؑ کی الوہیت کے قاتل ہوئے۔

یہ ہے شیعہ مذہب کے پیدا ہونے کا اصل سبب۔ اور ہمیں سے معلوم ہوا کہ ارباب تشیع کے دراصل تین فرقے ہیں اور یہ سب ایک وقت میں پیدا ہوئے اور تینوں کا بانی مہلبی وہی خبیث باطن نفاق پیشہ یہودی ہے جس نے ہر ایک کو دوسرے رنگ میں فریب دیا اور دوسرے دام میں الجھایا۔

(تحفہ صفحہ ۳، ۴، ۵، ملخصاً)

اور حضرت شاہ صاحب ”باب سوم در ذکر اسلاف شیعہ“ میں لکھتے ہیں:

”جانتا چاہئے کہ اسلاف شیعہ کے چند طبقے ہوئے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ لوگ جنہوں نے اس مذہب کو بلا واسطہ رئیس المضلین ابلیس لعین سے حاصل کیا، یہ منافقوں کا نولہ تھا جو اپنے دل میں اہل اسلام کی عداوت چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تاکہ اہل اسلام کے زمرہ میں داخل ہونے، ان کو ہرکانے اور ان کے درمیان مخالفت اور بغض و عناد پیدا کرنے کا راستہ کھل جائے۔ ان لوگوں کا مقتدا عبد اللہ بن سبا یہودی صنعتی ہے، جس کا ابتدائی حل تاریخ طبری سے باب اول میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اس شخص نے اولاً: حضرت امیرؑ کو سب سے افضل جاننے کی اوگوں کو دعوت دی، ثانیاً: صحابہؓ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو کفر و مرتد قرار دینے کی بات کی، ثالثاً: حضرت علیؑ کے خدا ہونے کی اوگوں کو دعوت دی۔ اور اپنے پیروؤں میں سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اغوا و اضلال کے جال میں پھنسا، پس وہ علی الاطلاق رافضیوں کے تمام فرقوں کا مقتدا ہے کہ یہ آئین خباثت آگین، ابلیس لعین کے سینہ سے لے کر اہل زمین کے دلوں میں اسی کا لایا ہوا ہے۔ اگرچہ شیعوں میں سے بہت سے لوگ اس سے کفرانِ نعمت کرتے ہیں اور اس کو برائی سے یاد کرتے ہیں اس بنا پر کہ وہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا قاتل ہو گیا تھا اس کو غالی شیعوں کا مقتدا جانتے ہیں، اور بس..... لیکن درحقیقت تمام شیعہ اسی کے شاگرد ہیں اور اسی کے چشمہ فیض سے مستفیض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام فرقوں میں

یہودیت کے معنی صاف نظر آتے ہیں اور یہودیانہ اخلاق ان میں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا، افتراء کرنا، بہتان لگانا، بزرگوں کو گالیاں دینا، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں پر طعن و تشنیع کرنا، کلام اللہ اور کلام رسول کو غیر محمل پر ڈھالنا، اہل حق کی عداوت دل میں چھپانا، خوف اور طمع کے طور پر چالوسی اور تملق کا اظہار کرنا، نفاق کو پیشہ بنانا، تقیہ کو ارکان دین میں شہر کرنا، پہلوئی رقعے اور جعلی خطوط تصنیف کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی طرف منسوب کرنا، اپنی دنیوی اغراض فاسدہ کی خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنا۔ اور یہ جو کچھ ذکر کیا گیا ”بہت میں سے تموزا“ اور ”ڈھیر میں سے ایک نمونہ“ ہے۔ اگر کسی کو تفصیلی اطلاع منظور ہو تو اسے چاہئے کہ سورہ بقرہ سے سورہ انفال تک کا غور و فکر سے مطالعہ کرے اور یہودیوں کے تذکرہ میں جو ان کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق ذکر کئے گئے ہیں ان کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھے، پھر اس فرقہ کی صفات اور اعمال و اخلاق کا یہودیوں کی صفات اور ان کے اعمال و اخلاق کے ساتھ موازنہ کرے، یقین ہے کہ اس بات کے صدق کا یقین اس کے دل میں اتر جائے گا۔ اور بے ساختہ ”طابق النعل بالنعل“ کا فقرہ اس کی زبان سے نکلے گا۔ (یعنی دونوں ایک دوسرے سے ایسی مطابقت رکھتے ہیں جیسے ایک جوڑے کا جو تار دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے)۔“

(تحفہ اثنا عشریہ..... صفحہ ۹)

مندرجہ بالا تصریحات، خصوصاً ائمہ کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ ابن سبا کوئی مجہول یا غیر معروف شخصیت نہیں، بلکہ شیعہ عقائد کا موجد ہونے کے حیثیت سے وہ شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن سبا کے عقائد و نظریات نہ صرف مورخین اور ملل و نحل کے مصنفین نے تفصیلاً قلمبند کئے ہیں، بلکہ ائمہ معصومین کی زبان الامام ترجمان سے بھی اس ملعون کے عقائد کا خلاصہ بیان ہو چکا ہے۔ دیگر اہل علم کے بیانات گویا انہی ارشادات کی شرح و تفصیل ہے۔

الغرض آنجناب کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے کہ ابن سبا کے عقائد کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اہلسنت کی کتابوں کے علاوہ خود ان حضرات کے ارشادات میں، جن کو شیعہ ”امام معصوم“ کہتے ہیں، اس ”ذات

شریف“ کے اصول عقائد مذکور ہیں۔ اور یہی اصول عقائد بعد میں شیعہ کے مختلف فرقوں کے اصول عقائد قرار پائے۔

رہا آنجناب کا یہ استدلال کہ ”ابن سبا کی تحریک محض سیاسی تھی، شرح عقائد اور بیان مسائل سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے“ اول تو مذکورہ بالا حقائق کے بعد، جو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں، جناب کا یہ استدلال محض قیاس ہے اور نصوص کے مقابلہ میں قیاس باطل ہے، امام علی مقام کا یہ ارشاد کہ اول من قاس ابلیس (اصول کلی صفحہ ۵۸، جلد ۱۔ کتاب العلم باب البدع والرائی والقیاس روایت ۲۰) یعنی سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔ جناب کے ذہن میں ہوگا، امام معصوم کے اس ارشاد کی روشنی میں آنجناب کی قیاس آرائی کی خود سوچئے کہ کیا قیمت رو جلتی ہے؟ علاوہ ازیں عبداللہ بن سبا کی یہ تحریک اگرچہ سیاسی تھی (جیسا کہ آپ نے فرمایا) لیکن اس پر ”حب اہل بیت“ کا مذہبی خول چڑھایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ”سیاسی تحریک“ اسلام کے نظام خلافت بلکہ خود اسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی اور اس مقدس دور میں جب تک اس سیاسی تحریک پر دجل و تلہیس اور کتمان و تقیہ کے دبیز غلاف نہ چڑھائے جاتے، اس کا پینا ممکن نہیں تھا، چنانچہ ایسے نو مسلم افراد، جو اسلام کی تعلیمات سے نا آشنا اور صحابہؓ و تابعینؓ کے فیض صحبت سے محروم تھے، ان کو بطور خاص شکار کیا گیا، انہیں ”حُب اہل بیت“ کے سحر سے مسحور کیا گیا اور انہیں تدریجاً ”ولایت علی“ سے لے کر ”الوہیت علی“ تک کے عقائد و نظریات کی خفیہ تعلیم دی گئی۔ الغرض آنجناب کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ یہ نفاق پیشہ تحریک سیاسی تھی مگر یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس سیاسی تحریک کا عقائد و نظریات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

آخر میں ایک لطیفہ، ایک شکوہ اور ایک شکر یہ

نظریہ امامت و وصایت علیؓ کے موجد اول — عبداللہ بن سبا — کی بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک لطیفہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جو ایک شکوہ اور ایک شکر یہ کو متضمن ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس ناکارہ نے یہ ذکر کیا تھا کہ نظریہ امامت، شیعیت کا نقطہ آغاز ہے۔ اس کے بعد امامت، ولایت اور وصایت کے نظریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس ناکارہ نے لکھا تھا:

”ان عقائد و نظریات کے اولین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہو گئے تھے۔ انہیں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ موڑنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ زہریلے نظریات کا بیج بو کر امت اسلامیہ کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔“

لیکن آنجناب نے میری اس عبارت کا مفہوم یوں نقل کیا:
 ”عبداللہ بن سبا یہودی، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا، وہ فرقہ شیعہ کا موجد ہے۔“

ایک فقرہ میں تین تبدیلیاں :

میرے اصل فقرہ کا اور آنجناب نے اس کا جو مفہوم نقل کیا ہے اس کا ایک بدل مقابلہ کر کے دیکھئے۔ آپ کو اصل اور نقل میں مبینہ طور پر تین تبدیلیاں نظر آئیں گی۔

اول: میں نے ”نظریہ ولایت کے موجد“ کا لفظ لکھا تھا اور آنجناب نے اس کو بدل کر ”فرقہ شیعہ کا موجد“ بنا دیا۔

دوم: میں نے منافقین کے ایک گروہ کا ذکر کیا تھا، جن کا رئیس عبداللہ بن سبا تھا۔ آنجناب نے گروہ منافقین کا ذکر حذف کر کے سارا بوجھ تنہا عبداللہ بن سبا پر ڈال دیا۔

سوم: حضرت عثمانؓ شہید کے مظلومانہ محاصرہ کا میں نے سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ نہ میری تحریر میں ان کی المناک شہادت کا تذکرہ ہی کہیں دور و نزدیک آیا۔ میری تحریر حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور ان کی شہادت کے ذکر سے یکسر خالی تھی۔ آنجناب نے یہ الفاظ ”جس نے حضرت عثمانؓ کو محصور رکھا اور آپ کے قتل کا سبب بنا“ خود تصنیف کر کے، انہیں میری طرف منسوب کر ڈالا۔

لطیفہ یہ کہ میری عبارت میں تین زبردست تبدیلیاں کر کے آنجناب اس تبدیل شدہ عبارت کو میری طرف منسوب کر کے خود میرے ہی سامنے پیش فرما رہے ہیں۔ اس جرات پر ”دروغ گویم بروئے تو“ کی مثل صادق آتی ہے۔ لیکن یہ ناکارہ ایسی گستاخی

نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ دوسرے کی عبادت پر تنقید کرنے کا تو حق ہے مگر ایسی ”اصلاح“ کا حق نہیں، جیسی آنجناب نے فرمائی ہے، یہ اصلاح و ترمیم اگر نادانستہ ہے تو آنجناب کے ملکہ سخن شناسی کی دلیل ہے جس کی داد دینی چاہئے۔ اور اگر دانستہ ہے تو کیا عرض کروں؟

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن اکابر کو شیعہ ائمہ معصومین سے نامزد کرتے ہیں ان کی طرف شیعہ لٹریچر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روایات کا جو طویل منسوب کیا گیا ہے اس میں شیعہ راویوں نے کیا کیا تصرفات نہ کئے ہوں گے اور کیا کیا گل نہ کھلائے ہوں گے؟

۔ ”بہ میں از گلستان من بدمرا“

تاہم اس تبدیلی و تصرف پر آنجناب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ آنجناب نے میرے جملہ کی ”اصلاح“ فرما کر میری ذمہ داری کا کافی بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ میں نے ”نظریہ ولایت کے موجد“ لکھا تھا۔ آپ نے اس کی جگہ ”فرقہ شیعہ کا موجد“ لکھ کر گویا تسلیم کر لیا کہ فرقہ شیعہ کا سنگ بنیاد یہی نظریہ ولایت ہے۔ اور یہ کہ نظریہ ولایت اور شیعیت اگر ہم معنی نہیں تو کم سے کم لازم و ملزوم تو ضرور ہیں۔ اس سے اوپر کی ذکر کردہ بحث (نظریہ امامت شیعہ مذہب کا اصل الاصول ہے) از خود ثابت ہو گئی اور مجھے اس پر کسی دلیل لانے کی ضرورت نہ رہی۔ ”حق بر زبان شود جاری“ کی کیسی اچھی مثال سامنے آئی۔

۲۔ ”گروہ منافقین“ کے بجائے صرف ”عبداللہ بن سبا“ کا ذکر کر کے آپ نے مجھے اس پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری سے فدرغ کر دیا، صرف ایک شخص (عبداللہ بن سبا) کی نشاندہی میرے ذمہ رہ گئی، جس کو بخوبی ادا کر چکا ہوں۔ ورنہ اگر پورے گروہ کی تلاش و جستجو کی ذمہ داری مجھ پر ہوتی تو مجھے کتب رجل اور کتب ملل و نحل کی کافی ورق گردانی کرنا پڑتی۔ اس کے بعد ہی میں یہ بتا سکتا تھا کہ فلاں فلاں افراد و اصحاب عبداللہ بن سبا کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں کہ آپ نے بیک جنبش قلم مجھے اس زحمت سے بری کر دیا۔ (و کفی اللہ المؤمنین القتال)

۳۔ ”نظریۂ ولایت و وصایت علیؑ“ کے موجدوں کو ایک سیاسی گروہ قرار دے کر آپ نے اس نظریہ کی تائید کر دی کہ شیعہ مذہب دراصل ایک ”خفیہ سیاسی تحریک“ تھی جو خفیہ سازش کے ذریعہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور انہیں ”وکانوا شیعا“ کی بھٹی میں جھونکنے کے لئے کھڑی کی گئی۔ واقعتاً یہ مذہبی تحریک نہ اس وقت تھی، نہ اب ہے، یہ اول و آخر ایک سیاسی اور سازشی تحریک ہے۔

گویا جو بات میں نے نہیں کہی تھی، وہ آنجناب نے میری طرف سے خود کہہ دی۔ جزاک اللہ! مرحبا!

تیسری بحث: عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”آپ کی (یعنی اس ناکرہ کی) تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت پر ایک ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ (آمین، ناقل) اہلحدیث کے نزدیک نبی کریم محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی آخر الزماں یعنی خاتم النبیین تھے۔ اور جو بھی اس عقیدہ سے منحرف ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“

اس کے بعد آنجناب نے عقیدہ ختم نبوت پر علامہ طبرسی کی تفسیر ”مجمع البیان“، آیت اللہ طباطبائی کی تفسیر ”المیزان“، ملا فتح اللہ کاشانی کی تفسیر ”منہج الصادقین“ اور علامہ زنجلی کی کتب ”عقائد الاملیۃ الاثنی عشریہ“ کے حوالے دے کر آخر میں لکھا ہے:

”کیا اہل سنت اس سے مختلف نظریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں؟ یقیناً نہیں! پس کیسے آپ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ نظریہ امامت عقیدہ ختم نبوت پر ضرب لگانے کے لئے ایجاد کیا گیا، جبکہ ہمارے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اتنا واضح و مبہن ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ورنہ ہم اپنی کتب عقائد کے حوالوں کے انہار لگا دیتے۔“

آنجناب کو اپنی کتابوں کے حوالوں کے انہار لگانے کی ضرورت نہیں تھی اور جو حوالے آنجناب نے زیر رقم فرمائے وہ بھی مفت کی زحمت بے جا فرمائی۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، آنجناب نے اس کا توڑ نہیں فرمایا۔ اور جو بات میں نے نہیں کہی تھی اس کی تردید پر حوالے جمع کر دیئے۔ لیجئے اب میں اپنے مدعا کی تشریح کئے دیتا ہوں۔

میں نے ائمہ کے بارے میں حضرات شیعہ کے چھ عقائد درج کئے تھے۔

- ۱۔ ان کا معصوم ہونا۔
- ۲۔ منصوص من اللہ ہونا۔
- ۳۔ مفترض الطاعتہ ہونا۔
- ۴۔ ان پر وحی نازل ہونا۔
- ۵۔ ان کو حلال و حرام کا اختیار ہونا۔
- ۶۔ اور یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں۔

ان چھ عقائد کے نتیجہ کے طور پر میں نے لکھا کہ: ”جو مرتبہ ایک مستقل صاحب شریعت نبی کا ہے وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک ”امام“ کا ہے۔“ اور اس نتیجہ پر تفریع کے طور پر میں نے لکھا کہ ”شیعہ کا نظریہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔“

میری تحریر کے اس خلاصہ سے واضح ہے کہ میں نے آپ حضرات پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ خدا نخواستہ ختم نبوت کے منکر اور اجرائے نبوت کے تائل ہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑی شد و مد سے ختم نبوت کا اقرار و اعلان کیا کرتے ہیں۔ میرا الزام یہ ہے کہ آپ حضرات ”امام“ کے اوصاف میں ایسا مبالغہ کرتے ہیں جن سے امام کا ”ہم رتبہ نبی“ ہونا لازم آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی شخصیتوں کو تسلیم کرنا، جو کلمات نبوت کی وجہ سے ”ہم رتبہ نبی“ ہوں، درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ لفظاً ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور معناً انکار کرتے ہیں۔

اب اگر آنجناب کو میری ناچیز تحریر پر تنقید کرنا تھی تو اس کی صحیح صورت یا تو یہ تھی کہ آپ ان عقائد کا انکار کر دیتے اور یہ فرماتے کہ حاشا و کلاہم لوگ ”امام“ کو نبی کی طرح معصوم، منصوص من اللہ اور مفترض الطاعتہ نہیں سمجھتے، نہ امام کو نبی کا مرتبہ دیتے ہیں۔ یا یہ ثابت کرتے کہ ائمہ کو نبی کا مرتبہ دینا معنایاً ختم نبوت کا انکار نہیں ہے۔ لیکن آنجناب نے نہ یہ کیا، نہ وہ کیا۔ اب خود ہی انصاف فرمائیے کہ آپ نے اس ناکارہ پر بے

موقع حوالوں کا بوجھ لادنے کے سوا کیا تنقید فرمائی؟
جو عقائد میں نے حضرات امامیہ کی طرف منسوب کئے ہیں، آنجناب کے اطمینان
کے لئے ہر ایک کا علی الترتیب ثبوت پیش کرتا ہوں۔

پہلا عقیدہ : امام انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں

امامیوں کا یہ عقیدہ تو ہر امامی کی نوک زبان پر رہتا ہے، اس پر کسی حوالے کی
ضرورت نہیں، تاہم اس سلسلہ میں بھی چند جملے پڑھ لیجئے

۱۔ اصول کافی کتاب الحجہ ”باب نادر جامع فی فضل الامام و صفاتہ“ میں امام رضا کا
ایک طویل خطبہ نقل کیا گیا ہے، اس میں اماموں کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے
فرمایا:

الامام المطہر من الذنوب والمبرأ عن العیوب ،

(اصول کافی صفحہ ۲۰۰ جلد ۱)

ترجمہ : ”امام، گناہوں سے پاک اور عیوب سے مبرا ہوتا ہے۔“

۲۔ آگے اسی خطبہ میں ہے :

، فهو معصومٌ مؤیدٌ ، موثقٌ ، مسدّدٌ ، قد أمن من الخطایا والزلا والعتار ،
یخصه الله بذلك لیكون حجته علی عباده۔

(اصول کافی ص ۲۰۳ ج ۱)

ترجمہ : ”پس وہ معصوم ہے، اس کو تائید و توثیق حاصل ہے اور اسے

سیدھی راہ پر رکھا جاتا ہے۔ اور وہ غلطی اور لغزش سے امن میں ہے۔ اللہ

تعالیٰ اس کو یہ خصوصیت اس لئے عطا فرماتے ہیں کہ اس کے بندوں پر حجت

ہو۔“

۳۔ علامہ باقر مجلسی کی بحار الانوار کتاب الاماتہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

عصمتهم ولزوم عصمة الإمام علیہم السلام .

”یعنی امام معصوم ہوتے ہیں۔ اور امام کو عصمت لازم ہے۔“

۴۔ اس باب میں ”عیون الاخبار“ کے حوالے سے ایک مرفوع روایت نقل کی گئی

ہے، جس کے آخر میں ہے :

۲۔ ن : ماجیلویہ و أحمد بن علی بن ابراهیم و ابن نافعہ جیعاً عن علی عن
 آبیہ عن محمد بن علی التمیمی قال : حدثنی سیدی علی بن موسی الرضا علیہ السلام عن
 آبائه ^(۱) عن علی علیہ السلام عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال : من سرہ أن ينظر إلى القصب
 الباقوت الأحمر الذي غرسه الله عز وجل بيده ويكون متمسكاً به فليقول علياً و
 الأئمة من وادع ، فانهم خيرة الله عز وجل و صفوة و هم المعصومون من كل ذنب و
 خطيئة . ^(۲)

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۳ جلد ۲۵)

ترجمہ : اور وہ معصوم ہوتے ہیں ہر گنہ اور غلطی سے ۔

۵۔ اسی میں امام صادق " کا قتل نقل کیا ہے :

۸۔ ل : فی خبر الامم عن الصادق علیہ السلام : الانبياء و اوصياؤهم ^(۱) لا ذنوب لهم
 لا نهم معصومون مطہرون . ^(۲)

(بحار الانوار صفحہ ۱۹۹ جلد ۲۵)

ترجمہ : انبیاء و اوصیاء پر گنہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم اور پاک
 ہیں ۔

۶۔ اسی باب میں مجلسی لکھتے ہیں :

اعلم أن الإمامية رضى الله عنهم اتفقوا على عصمة الأئمة علیہم السلام من الذنوب
 صغیرها و کبیرها ، فلا يقع منهم ذنب أصلاً لا عمداً ولا سهواً ولا لخطأ في التأويل ، ولا
 للأسساء عن الله سبحانه ولم يخالف فيه ^(۱) إلا الصدوق محمد بن بابويه وشيخه ابن الوليد
 رحمة الله عليهما ، فإنيهما جوارا الأسساء من الله تعالى لمصلحة في غير ما يتعلق بالتبليغ
 و بيان الأحكام ، لا السهو الذي يكون من الشيطان

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۹ جلد ۲۵)

ترجمہ : " جانتا چاہئے کہ ائمہ اس پر متفق ہیں کہ امام تمام چھوٹے بڑے
 گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ۔ لہذا ان سے اصلاً کوئی گنہ نہیں ہو سکتا ، نہ
 قصداً ، نہ بھول کر ، نہ تاویل میں غلطی کی وجہ سے ، نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے
 ان کو بھلا دینے کی وجہ سے ۔ اس نکتہ میں صرف شیخ صدوق ، محمد بن بابویہ نے
 اور ان کے شیخ ابن الولید نے اختلاف کیا ہے ۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے
 اس کو جائز رکھا ہے کہ ان پر کسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول

ڈال دی جائے۔ بشرطیکہ اس بھول کا تعلق تبلیغ اور بیان احکام سے نہ ہو،
لیکن جو بھول شیطان کی طرف سے ہوتی ہے وہ ائمہ سے ہرزہ نہیں
ہو سکتی۔“

۷۔ اسی باب میں ”اعتقادات الصدوق“ سے نقل کیا ہے:

۶۴۔ عد: اعتقادنا فی الانبیاء و الرسل و الائمۃ ^(۱) علیہم السلام انہم معصومون
مطہرون من کل دس، و انہم لا یذبون ذباً صغیراً و لا کبیراً،
(بحار الانوار..... صفحہ ۲۱۱ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”انبیاء و رسل اور ائمہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ
معصوم اور ہر گندگی سے پاک ہوتے ہیں۔ اور ان سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد
نہیں ہو سکتا۔“

ائمہ کی بعض ایسی احادیث جن میں ائمہ ”نے صدور ذنب کی تصریح فرمائی ہے،
امامیہ ان کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد ترک اولیٰ ہے، جس پر ان کی شان عصمت
کے لحاظ سے گناہ کا اطلاق کیا گیا۔ مثلاً امام جعفر صادق ”کا ارشاد ہے:

۶۵۔ بن: الجوہری عن حبیب الخنعمی قال: سمعت أبا عبد الله ^(۱) یقول:
إننا لنذهب ولسیء نم نوب إلى الله متائباً.

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۰۷ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”بے شک ہم گناہ کرتے ہیں اور برائی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر
اللہ تعالیٰ کی بدگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔“
اور امام جعفر کے صاحب زادہ امام ابوالحسن موسیٰ کاظم سجدہ شکر میں یہ دعا کیا
کرتے تھے:

۱۶۔ کشف: فائدة منیة: کنت أرى الدعاء الذی کلن یقولہ أبو الحسن ^(۱)
علیه السلام فی سجدة الشکر و هو: ”رب عینک بلسانی ولوشت و عزتک لا خرمتنی
وعینک بصری ولوشت و عزتک لا کمهنتی“ ^(۲) و عینک بسمعی ولوشت و عزتک
لا صممتنی، و عینک یدی ولوشت و عزتک لکنمتنی ^(۳) و عینک بفرجی و

لوشنت وعزتک لا عفتنی ، و حبنتک برجلی و لوشنت و عزتک لبعذمتنی ، و حبنتک
بجمیع جوارحی الّتی اُسمت بها علیّ و لم یکن هذا جزاک منّی

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”اے پروردگار! میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی۔ آپ کی
عزت کی قسم! اگر آپ چاہتے تو مجھے گونگا کر دیتے۔ میں نے اپنی آنکھوں
سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے اندھا کر دیتے۔ اور میں نے
اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے بہرا کر دیتے۔ اور
میں نے اپنے ہاتھوں سے تیری نافرمانی کی اور اگر آپ چاہتے تو مجھے لہجہ
کر دیتے۔ اور میں نے اپنی شرم گلہ کے ساتھ تیری نافرمانی کی اور اگر آپ
چاہتے تو مجھے نامرد بنا دیتے۔ اور میں نے اپنے پاؤں سے آپ کی نافرمانی کی اور
اگر آپ چاہتے تو مجھے اپانچ کر دیتے۔ اور میں نے اپنے تمام اعضا کے ساتھ،
جن کا آپ نے مجھ پر انعام فرمایا، آپ کی نافرمانی کی، لیکن آپ نے مجھے یہ
سزائیں نہیں دیں۔“

اسی طرح دیگر اکابر سے ان کی مناجاتیں اور دعائیں، جو انہیں مضامین کی منقول
ہیں، امامیہ کے نزدیک سب مؤثّل ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ان کی
عصمت قطعی ہے۔

دوسرا عقیدہ: امام، انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح منصوص من اللہ ہوتے
ہیں

۱۔ امامیہ کا یہ عقیدہ بھی ہر امامی کو سورۃ فاتحہ کی طرح حفظ ہے۔ اصول کافی کتاب
الحج میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ما نصّ الله عز وجل ورسوله علی الائمة علیہم السلام واحداً فواحداً﴾

ترجمہ: ”یعنی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اماموں

پر یکے بعد دیگرے ایک ایک پر نص فرمائی ہے۔“

اس کے بعد صفحہ ۲۹۲ سے صفحہ ۳۲۸ تک بارہ اماموں کی نص کے الگ الگ باب

قائم کئے ہیں۔ امامیہ کی منطق یہ ہے کہ چونکہ امام معصوم ہوتا ہے اور چونکہ عصمت ایک معنوی چیز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے لہذا ضروری ہے کہ امام منصوص من اللہ بھی ہو۔

۲۔ • صدوق معلی الاخبل میں لکھتے ہیں :

و إذا وجب أن يكون معصوماً بطل أن يكون هو الأمة لما يتنا من اختلافها في تأويل القرآن والأخبار وتنازعها في ذلك ومن إكفار بعضها بعضاً ، وإذا ثبت ذلك وجب أن يكون المعصوم هو الواحد الذي ذكرناه وهو الإمام ؛ وقد دللنا على أن الإمام لا يكون إلا معصوماً ، وأدبنا أنه إذا وجبت العصمة في الإمام لم يكن بد من أن ينص

النبي ﷺ عليه لأن العصمة ليست في ظاهر الخلقة فيعرفها الخلق بالمشاهدة فواجب (۱) أن ينص عليها علام الغيوب تبارك وتعالى على لسان نبيه ﷺ . وذلك لأن الإمام لا يكون إلا منصوباً عليه ، وقد صح لنا النص بما بيناه من الحجج وما روينا من الأخبار الصحيحة (۲) .

(بحار الأنوار صفحہ ۱۹۸ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ہم بتا چکے ہیں کہ صرف معصوم ہی امام ہو سکتا ہے ، اور جب امام کے لئے عصمت ضروری ہوئی تو یہ بھی لازم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نص فرمائیں ، کیونکہ عصمت کوئی ظاہری اور محسوس چیز تو نہیں کہ مخلوق اس کو مشاہدہ سے پہچان لے۔ پس واجب ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس پر نص فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے اور جو دلائل اور اخبار صحیحہ ہم بیان کر چکے ہیں ان کے ذریعہ ہمارے لئے نص صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے۔“

۳۔ اس مضمون کی ایک روایت بھی امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا :

۵۔ مع : أحمد بن محمد بن عبد الرحمن المنقري عن محمد بن جعفر المقرئ عن محمد

بن الحسن الموصلي عن محمد بن عاصم الطريفي عن عباس بن يزيد بن الحسن الكحلاني عن أبيه عن موسى بن جعفر عن أبيه عن جده عن علي بن الحسين كاشغري قال : الإمام منا لا يكون إلا معصوماً ، وليست العصمة في ظاهر الخلقة فيعرف بها ، فلذلك لا يكون إلا منصوباً .

(بحار الأنوار صفحہ ۱۹۱ جلد ۱)

ترجمہ:..... ہم میں سے امام صرف معصوم ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ظاہری
 بدلت میں تو ہوتی نہیں کہ اس کو پہچانا جائے۔ پس امام کا منصوب ہونا ضروری
 ہوا۔“

تیسرا عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کی طرح اماموں پر بھی ایمان لانا فرض ہے اور
 ان کا انکار کفر ہے

جو شخصیت حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے منصوب و مبعوث ہو ظاہر ہے کہ اس پر
 ایمان لانا فرض ہو گا اور اس کا انکار کفر ہو گا۔ چنانچہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ جس طرح
 انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے،
 اسی طرح بارہ اماموں پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور ان میں سے کسی کا انکار بھی کفر ہے۔
 ان کی کتابوں میں اس کی بے شمار تصریحات ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ
 فرمائیے:

۱۔ اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے:

بَابُ الْإِيمَانِ بِالْأئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَوْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ .

ترجمہ:..... ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔“

اس کے ذیل میں اپنی سند کے ساتھ ابو خالد کاہلی کی روایت نقل کی ہے

الحسين بن محمد ، عن معلى بن محمد ، عن علي بن مرداس قال : حدثنا صفوان

ابن يحيى والحسن بن محبوب ، عن أبي أيوب ، عن أبي خالد الكاهلي قال : سألت أبا

جعفر عليه السلام عن قول الله عز وجل : « فآمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا » (۱)

فقال : يا أبا خالد النور والله الأئمة من آل محمد عليهم السلام إلى يوم القيامة ، وهم والله

نور الله الذي أنزل ، وهم والله نور الله في السموات و في الأرض ،

(بحار الانوار صفحہ ۱۹ جلد ۱)

”میں نے امام ابو جعفر سے حق تعالیٰ کے ارشاد: فآمنوا بالله و

رسوله والنور الذي أنزلنا (یعنی ایمان لواللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس

نور پر جو ہم نے نازل کیا) کے بارے میں سوال کیا کہ (آیت شریفہ میں جس

نور پر ایمان لانے کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟) تو امام نے فرمایا:

”اے ابو خلد! اللہ کی قسم! نور سے مراد وہ ائمہ ہیں جو قیامت تک آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں گے۔ اللہ کی قسم! یہی نور ہے جو اللہ نے نازل فرمایا۔ اللہ کی قسم یہی ائمہ اللہ کا نور ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں میں۔“

۲۔ علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامتہ کے ایک باب کا عنوان ہے :

✽ (تَاوِيلُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْإِيمَانِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْإِسْلَامَ بِهِمْ وَهَوْلَايَتِهِمْ)
 ✽ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ، وَالْكَفَارُ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْكَفَرُ وَالشُّرُكُ وَالْجَبْتُ)
 ✽ (وَالطَّاغُوتُ وَاللَّاتُ وَالْعُزَّى وَالْأَصْنَامُ بِأَعْدَائِهِمْ وَمُخَالَفِيهِمْ)
 (بحار الانوار صفحہ ۳۵۳ جلد ۲۳)

ترجمہ : ”مؤمنین اور ایمان اور مسلمین اور اسلام کی تاویل ائمہ اور ائمہ کی ولایت ہے۔ اور کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام (بتوں) سے مراد ان کے دشمن اور مخالف ہیں۔“

موصوف نے اس باب میں سورہاتیں نقل کی ہیں، جن میں قرآن کریم کی آیات کو مسخ کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایمان و اسلام ”ولایت ائمہ“ کا نام ہے۔ اس پر ایمان رکھنے والے مومن اور مسلمان ہیں۔ اور جو لوگ شیعوں کی اس اصطلاحی ولایت کے (جس کا موجد اول عبد اللہ بن سبا تھا) قائل نہیں، ان کا نام لے لے کر ان کو پیٹ بھر کر کافر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام کہا ہے۔

۳۔ اس باب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں :

تذلیب : اعلم ان إطلاق لفظ الشرك والكفر على من لم يعتقد إمامة أمير المؤمنين والأئمة من ولده عليه السلام و... نزل عليهم غيرهم يدل على أنهم كفار مخلصون في النار ، وقد مرّ الكلام فيه في أبواب المعاد ، وسبأني في أبواب الإيمان والكفر إنشاء الله تعالى .

(بحار الانوار صفحہ ۳۹۰ جلد ۲۳)

ترجمہ : ”جاننا چاہئے کہ جو شخص امیر المؤمنین کی اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اور دوسروں کو ان سے افضل کہتا ہو اس پر کفر و شرک کا لفظ بواناس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سب کافر ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہ مسئلہ ابواب معاد میں بھی گزر چکا ہے۔ اور

ابواب الایمان والکفر میں بھی آئے گا۔ انشاء اللہ۔

۴۔ شیخ مفید ”کتاب المسائل“ میں لکھتے ہیں کہ :

قال الشيخ المفيد قدس الله روحه في كتاب المسائل : اتفقت الإمامية على أن من أنكر إمامة أحد من الأئمة وجحد ما أوجبه الله تعالى له من فرض الطاعة فهو كافر ضال مستحق للخلاود في النار .
(بحار الانوار صفحہ ۳۹۰ ج ۲۳)

ترجمہ : ”امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص ائمہ میں سے کسی امام کی امامت کا منکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جو طاعت فرض کی ہے اس کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے، گمراہ ہے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔“

۵۔ شیخ مفید دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :

وقال في موضع آخر : اتفقت الإمامية على أن أصحاب البدع كلهم كفار وأن على الإمام أن يستنيهم عند التمكن بعد الدعوة لهم ، وإقامة البينات عليهم فإن تابوا من بدعهم وصادوا إلى الصواب وإلا قتلهم لردتهم عن الإيمان ، وأن من مات منهم على ذلك فهو من أهل النار .
(بحار الانوار صفحہ ۳۹۰ ج ۲۳)

ترجمہ : ”امامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تمام اہل بدعت کافر ہیں۔ امام پر لازم ہے کہ اگر وہ قابو میں آجائیں تو ان کو دعوت دینے اور ان پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے توبہ کروائے۔ اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کر لیں اور راہِ راست پر آجائیں تو ٹھیک، ورنہ ان کو ایمان سے مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دے۔ اور یہ کہ جو عقیدہ امامت کو چھوڑ کر مرے گا وہ جہنمی ہے۔“

چوتھا عقیدہ : ائمہ کی غیر مشروط اطاعت بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح فرض ہے :

جب شیعہ عقیدہ کے مطابق امام، معصوم اور منصوص من اللہ ٹھہرے اور جب ان پر ایمان لانے والے مسلمان اور ان کو منصوص من اللہ نہ ماننے والے کافر و مشرک اور جب طاعت و اطاعت قرار پائے تو اس سے از خود نتیجہ بھی نکل آیا کہ جس طرح مسلمانوں کے

نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت فرض ہے، شیعوں کے نزدیک ٹھیک اسی طرح بدہ اماموں کی بھی غیر مشروط اطاعت فرض اور اس سے انحراف کفر ہے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب کا عنوان ہے :

باب فرض طاعة الأئمة یعنی ”اس کا بیان کہ ائمہ کی طاعت فرض ہے“
اس باب میں سترہ روایتیں درج کی ہیں۔ ان میں سے تین روایتیں ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ الحسين بن عبد الله الشمری ، عن معلى بن عمار ، عن الحسن بن علي الوشاء ، عن أبان بن عثمان ، عن أبي الصباح قال : أشهد أني سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول : أشهد أن علياً إمام فرض الله طاعته وأن الحسن إمام فرض الله طاعته وأن الحسين إمام فرض الله طاعته وأن علي بن الحسين إمام فرض الله طاعته وأن محمد بن علي إمام فرض الله طاعته .
(اصول کافی صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ : ”امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی بن حسین اور حضرت محمد بن علی (رضی اللہ عنہم) یہ سب امام مفترض الطاعت ہیں۔“

۲۔ ۵۔ عدة من أصحابنا ، عن أحمد بن محمد ، عن محمد بن سنان ، عن أبي خالد القمطاط ، عن أبي الحسن المطاط قال : سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول : أشرك بين الأوصياء و الرسل في الطاعة .
(اصول کافی صفحہ ۱۸۶ جلد ۱)

ترجمہ : ”امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اوصیاء اور رسولوں کے درمیان طاعت میں شراکت رکھی ہے۔“

۳۔ علي بن إبراهيم ، عن صالح بن السندي ، عن جعفر بن بشير ، عن أبي سلمة عن أبي عبد الله عليه السلام قال : سمعته يقول : نحن الذين فرض الله طاعتنا ، لا يسمع الناس إلا معرفتنا ولا يعبد الناس بجهالتنا ، من عرفنا كان مؤمناً ، ومن أنكرنا كان كافراً ، ومن لم يعرفنا ولم ينكرنا كان ضالاً حتى يرجع إلى الهدى الذي افترض الله عليه من طاعتنا الواجبة فإن يمتم على ضلالتنا يفعل الله به ما يشاء .

(اصول کافی صفحہ ۱۸۷ جلد ۱)

ترجمہ: ”امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ہماری طاعت فرض کی ہے۔ لوگوں کو ہماری معرفت کے بغیر چارہ نہیں اور ہم کو نہ جاننے کے بدلے میں لوگ معذور نہیں۔ جس نے ہم کو پہچانا وہ مومن اور جو ہم سے منکر ہوا وہ کافر اور جس نے ہمارا حق نہ پہچانا اور منکر بھی نہ ہوا وہ گمراہ، یہاں تک کہ اس ہدایت کی طرف لوٹ آئے جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے۔ یعنی ہماری اطاعت جو واجب ہے، اگر وہ اپنی گمراہی پر مرا تو اللہ تعالیٰ اس سے جو معاملہ چاہے کرے۔“

پانچواں عقیدہ: اماموں کے معجزے

انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جاتے ہیں جو ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے ہیں۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات دیئے جاتے ہیں اسی طرح اماموں کو بھی دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار کتاب الامتہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

﴿انهم یقدرون علی احیاء الموتی و ابراء الاکمه و الابرس﴾

﴿و جمیع معجزات الانبیاء علیہم السلام﴾

ترجمہ: ”یعنی ائمہ مردوں کو جلانے کی، مادر زاد اندھے اور مبروص کو چنگا

کرنے کی اور انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزوں کی قدرت رکھتے ہیں۔“

اس باب کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیے:

۲۔ ۱۔ یرو: أحمد بن محمد عن عمر بن عبد العزیز عن محمد بن الفضیل عن الثمالی عن علی بن الحسن بن عطاء قال: قلت له: أسألك جملة فداك عن ثلاث خصال أنفی عنی فیہ ^(۱) المتقیة، قال: فقال: ذلك لك، قلت: أسألك عن فلان وفلان، قال: فملیہما لعنة الله بلعناتہ کلہما، ما نا والله و حما کافرین مشرکین ^(۲) بالله العظیم.

نم قلت: الأئمة یحیون الموتی و یرؤن الاکمه و الابرس و یمشون علی الماء؟ قال: ما أعطی الله نبیاً شیئاً قط الا وقد أعطاه عمداً علیہ السلام، و أعطاه مالم یکن عندهم، قلت: و کل ما کان عند رسول الله ﷺ فقد أعطاه امیر المؤمنین علیہ السلام؟ قال: نعم،

ثم الحسن والحسين ثم من بعد كل امام اماماً الى يوم القيامة ، مع الزيادة التي تحدث في كل سنة وفي كل شهر ، اي والله ^(۳) في كل ساعة ^(۴)

(بجلا انوار صفحہ ۲۹ جلد ۲)

ترجمہ: ”بصائر الدرجات میں شمالی سے روایت ہے کہ میں نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ازراہ کرم! مجھ سے تفسیر نہ کیجئے۔ فرمایا، ٹھیک ہے۔ میں نے کہا، میں آپ سے فلاں اور فلاں (یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے بدلے میں پوچھتا ہوں۔ فرمایا، ان پر اللہ کی تمام لعنتیں ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں کافر و مشرک مرے۔

”پھر میں نے کہا، کیا امام مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ مادر زاد اندھے اور مہر و س کو چنگا کرتے ہیں؟ اور پانی پر چلتے ہیں؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی وقت جو معجزہ بھی دیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ معجزے بھی دیئے جو کبھی کسی نبی کو نہیں دیئے تھے۔ میں نے کہا، اور جتنے معجزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، وہ سب امیر المومنین کو دے دیئے؟ فرمایا ہاں! پھر حسن کو، پھر حسین کو، پھر ان کے بعد ہر امام کو قیامت تک، مع ان زائد معجزات کے جو ہر سال میں ہر مہینے میں، نہیں بلکہ اللہ کی قسم! ہر گھڑی میں ظاہر ہوتے ہیں۔“

۳۔ ایک باب کا عنوان ہے:

(ان عندهم الاسم الاعظم و به يظهر منهم الغراب)

یعنی ”ائمہ کے پاس اسم اعظم ہوتا ہے جس سے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں۔“

اس باب کی پہلی روایت:

۱۔ محمد بن یحییٰ وغیرہ ، عن أحمد بن محمد ، عن علي بن الحكم ، عن عبد بن الفضل قال: أخبرني شريس الوائشي ^(۱)، عن جابر ، عن أبي جعفر عليه السلام قال: إن اسم الله الأعظم على ثلاثة وسبعين حرفاً وإنما كان عند آصفهنا حرف واحد فتكلم به فحسف بالأرض ما بينه وبين سرير بلقيس حتى تناول السرير بيده ثم عادت الأرض كما كانت أسرع من طرفه عين ونحن عندنا من الاسم الأعظم اثنان وسبعون حرفاً ، حرف واحد عند الله تعالى استأثر به في علم الغيب عنده ، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم

ترجمہ: ”جابر جعفی امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کے پاس اس کا صرف ایک حرف تھا، انہوں نے وہ ایک حرف پڑھا تو ان کے درمیان اور بلقیس کے تخت کے درمیان کی زمین سمٹ گئی، یہاں تک کہ انہوں نے تخت کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور پھر زمین اپنی حالت پر ہو گئی۔ اور یہ سب کچھ (اسم اعظم کے ایک حرف کی بدولت) صرف آنکھ جھپکنے کے وقفہ میں ہو گیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے ۷۲ حروف ہیں۔ (اب ہمدی معجزہ نمکی کا خود اندازہ کر لو) اور اسم اعظم کا ایک حرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس خزانہ غیب میں رکھا ہے۔“

اسی باب کی دوسری روایت:

۶۔ عہد بن یحییٰ ، عن أحمد بن محمد ، عن الحسين بن سعيد وعبد بن خالد ، عن ذکریا بن مهران القمّی ، عن هارون بن الجهم ، عن رجل من أصحاب أبي عبد الله عليه السلام لم أحفظ اسمه قال : سمعت أبا عبد الله عليه السلام يقول : إن عیسی ابن مریم عليه السلام أعطی حرفین کان یعمل بهما وأعطی موسی أربعة أحرف ، وأعطی إبراهیم ثمانية أحرف ، وأعطی نوح خمسة عشر حرفاً ، وأعطی آدم خمسة وعشرين حرفاً ، وإن الله تعالى جمع ذلك كله لمحمد عليه السلام وإن اسم الله الأعظم ثلاثة وسبعون حرفاً ، أعطی محمداً عليه السلام اثنين وسبعين حرفاً وحجب عنه حرف واحد .
(اصول کافی صفحہ ۲۳۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”امام صادق فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اسم اعظم کے دو حرف دیئے گئے تھے۔ جن کو وہ کلام میں لاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو چار حروف، ابراہیم علیہ السلام کو آٹھ حروف، نوح علیہ السلام کو پندرہ حروف اور آدم علیہ السلام کو پچیس حروف دیئے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سارے حروف جمع کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ۷۳ حروف ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۷۲ دیئے اور ایک حرف ان سے بھی پردے میں رکھا گیا۔“

۷۔ ایک باب کا عنوان ہے:

ترجمہ: ”ائمہ کے لئے بادل مسخر تھے اور اسباب میسر تھے۔“

اس باب کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے :

۲۔ ختص : ابن عیسیٰ عن الحسین بن سعید عن عن عثمان بن عیسیٰ عن سماعہ او غیرہ عن اُمّی بصیر عن اُمّی جعفر رضی اللہ عنہما قال : إِنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ مَلِكٌ مَافُوقَ الْأَرْضِ وَمَا نَحْتَهَا ، فَعَرَضْتُ لَهُ سَحَابَتَانِ إِحْدَاهُمَا الصُّعْبَةُ وَالْأُخْرَى الذَّلُولُ ، وَكَانَ فِي الصُّعْبَةِ مَلِكٌ مَانَعْتُ الْأَرْضَ وَفِي الذَّلُولِ مَلِكٌ مَا فُوقَ الْأَرْضِ ، فَاخْتَارَ الصُّعْبَةَ عَلَى الذَّلُولِ فَدَارَتْ بِهِ سَبْعُ أَرْضِينَ فَوَجَدَ ثَلَاثًا خَرَابًا وَأَرْبَعَةً عَوَاسِرَ ^(۱۲) .

(بحار الانوار صفحہ ۳۲ جلد ۲۷)

ترجمہ : ”ابو بصیر امام باقر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ زمین کے اوپر کے اور نیچے کے ملک ہوئے تو آپ کے سامنے دو بادل پیش ہوئے۔ ایک دشوار، دوسرا آسان۔ دشوار میں زمین کے نیچے کی حکومت تھی اور آسان میں زمین کے اوپر کی۔ پس آپ نے آسان کے بجائے دشوار کو اختیار کیا۔ پس وہ آپ کو لے کر سات زمینوں میں گھوما۔ پس آپ نے تین زمینوں کو بے آباد پایا اور چلہ کو آباد۔“

۵۔ علاوہ ازیں ائمہ کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کریمہ، موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سلیمان علیہ السلام کی انگشتری، اور بنو اسرائیل کا تابوت سیکھنے بھی رہتا ہے۔ (اصول کافی ص ۲۳۳ ج ۱)

۶۔ علامہ مجلسی شیخ مفید سے نقل کرتے ہیں :

فائدة : قال الشيخ المفيد في كتاب المسائل : فإما ظهور المعجزات على الأئمة و الأعلام فانه من الممكن الذي ليس بواجب عقلاً ولا بمنع قياساً ، وقد جاءت بكونه منهم عليهم السلام الأخبار على التظاهر و الانتشار ، ففطعت عليه من جهة السمع و صبح الآثار ، ومعنى في هذا الباب جمهور أهل الامامة ، وبنو نوبخت يخالف فيه و تأباه (بحار الانوار صفحہ ۳۱ جلد ۲۷)

ترجمہ : ”شیخ مفید کتاب المسائل میں لکھتے ہیں، رہا ائمہ کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا تو یہ چیز ممکن ہے کہ نہ عقل کی رو سے واجب ہے اور نہ قیاس کی رو سے ممتنع ہے، اور ائمہ سے معجزات کے ظہور میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہذا میں بوجہ منقول کے اور صحیح آثار کے اس کا قطعی عقیدہ رکھتا

ہوں۔ اور میرے ساتھ اس مسئلہ میں جمہور امامیہ ہیں اور بنو نوبخت اس کے
خلاف ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں.....

۷۔ علامہ مجلسی شیخ مفید کی عبرت نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ ان الفاظ میں قلمبند
کرتے ہیں:

والحق "أن المعجزات

الجارية على أبدى غير الأئمة عليہ السلام من أصحابهم دوناً منهم إنما هي معجزاتهم عليہ السلام
تظهر على أبدى أولئك السرفاء لبيان صدقهم ، وكلامه رحمه الله أيضاً لا يأبى عن ذلك
ومذهب النوبختية ، هنا في غاية السخافة والفرابة .

(بحار الانوار صفحہ ۳۱ جلد ۲۷)

ترجمہ: "اور حق یہ ہے کہ جو معجزات ائمہ کے علاوہ دوسرے لوگوں، یعنی
ان کے اصحاب اور نائبین کے ماتہ پر ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی ائمہ ہی کے معجزات
ہیں، جو ان کے نمائندوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں ان کے صدق کو بیان
کرنے کے لئے اور شیخ مفید کا کلام بھی اس کی نفی نہیں کرتا۔ اور نوبختیوں
کا مذہب اس مسئلہ میں نہایت سخیف اور غریب ہے۔"

چہنا عقیدہ: ائمہ پر وحی کا نزول

امامیہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ میں "روح القدس" ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ
عرش سے تحت الثریٰ تک کی ساری چیزیں جانتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ
"باب فیہ ذکر الارواح البقی فی الائمۃ علیہم السلام" میں جابر سے روایت ہے کہ:

"میں نے امام باقر سے عالم کے علم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

جابر! انبیاء و اوصیاء میں پانچ روحوں ہوتی ہیں۔

۱۔ روح السہوہ ۲۔ روح الایمان ۳۔ روح الحیات

۴۔ روح القوۃ ۵۔ روح القدس۔ پس اے جابر! وہ روح القدس کے

ذریعہ ماتحت العرش سے ماتحت الثریٰ تک سب کچھ پہنچاتے ہیں۔ اور پہلی

چار روحوں کو حوادث زمانہ لاحق ہو سکتے ہیں مگر روح القدس لب و لعل کا شکر

نہیں ہوتی۔"

(اصول کافی صفحہ ۲۷۲، جلد ۱)

اس کے بعد مفضل بن عمر کی روایت نقل کی ہے انہوں نے امام جعفرؑ سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچ روحيں تھیں۔ مندرجہ بالا پانچ روحوں کا ذکر کرنے کے بعد روح القدس کے بارے میں فرمایا:

۳۔ الحسين بن محمد ، عن المعلى بن محمد ، عن عبد الله بن إدريس ، عن محمد بن سنان ، عن المفضل بن عمر ، عن أبي عبد الله عليه السلام قال : سألت عن علم الإمام بما في أقطار الأرض و هو في بيته مرخي عليه ستره ، فقال :
 وروح القدس فيه حل النبوة فإذا قبض النبي ﷺ انتقل روح القدس فصار إلى الإمام ، وروح القدس لا ينাম ولا يغفل ولا يلهو ولا يزهو^(۱) والأربعة الأرواح تنام وتغفل وتزهو وتلهو ، وروح القدس كان يرى به^(۲) .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

ترجمہ: ”اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم روح القدس کی وجہ ہی سے حامل نبوت تھے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو روح القدس امام کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور روح القدس نہ سوتی ہے، نہ غافل ہوتی ہے نہ بھولتی ہے اور نہ غلطی میں پڑتی ہے۔ بقی چار روحيں ان چیزوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور روح القدس کی وجہ سے امام عرش سے فرش تک سب کچھ دیکھتا ہے۔“

اسی باب کے متصل ایک اور باب کا عنوان ہے۔ ”الروح الذي يسدد الله بهما الأئمة عليهم السلام“ (یعنی اس روح کا ذکر جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ائمہ کو رُوحِ راست پر رکھتے تھے) اس باب کی پہلی روایت میں ہے

۱۔ عدة من أصحابنا ، عن أحمد بن محمد ، عن الحسين بن سعيد ، عن النضر بن سويد ، عن يحيى الحلبي ، عن أبي الصباح الكناني ، عن أبي بصير قال : سألت أبا عبد الله عليه السلام عن قول الله تبارك وتعالى : و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان^(۱) ، قال : خلق من خلق الله عز وجل أعظم من جبرئيل وميكائيل ، كان مع رسول الله ﷺ يخبره ويسدده وهو مع الأئمة من بعده .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادق سے ارشادِ خداوندی ”و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الإيمان“ کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا:

”یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبریل و میکائیل سے بڑی ہے۔ یہ روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبریں دیتی تھی اور آپ کو راہ راست پر رکھتی تھی۔ یہ روح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے۔“
دوسری روایت میں ہے :

۲۔ محمد بن یحییٰ ، عن محمد بن الحسین ، عن علی بن أسباط ، عن أسباط بن سالم قال : سأله رجلٌ من أهل هبت (۱) : وأنا حاضر : عن قول الله عز وجل : « و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا » فقال : منذ أنزل الله عز وجل ذلك الروح على محمد ﷺ ماصعد إلى السماء ، وإنه لفينا .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ : ”جب سے اللہ تعالیٰ نے اس روح کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا وہ کبھی آسمان پر نہیں چڑھی اور وہ ہم میں ہے۔“
تیسری روایت میں ہے :

۳۔ علی بن ابراہیم ، عن محمد بن عیسیٰ ، عن یونس ، عن ابن مسکان ، عن ابی بصیر قال : سألت أبا عبد الله ﷺ عن قول الله عز وجل : « ويسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي » (۲) ، قال : خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل ، كان مع رسول الله ﷺ وهو مع الأئمة ، وهو من الملكوت .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ : ”یہ روح ایک مخلوق ہے جو جبریل اور میکائیل سے بڑی ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھی اور وہی ائمہ کے ساتھ رہا کرتی ہے اور وہ ملکوت سے ہے۔“

چوتھی روایت میں ہے :

قال : خلق أعظم من جبرئيل وميكائيل ، لم يكن مع أحد من مضي ، غير محمد ﷺ وهو مع الأئمة يسد دهم ، وليس كل ما طلب وجد .

(اصول کافی صفحہ ۲۷۳ جلد ۱)

ترجمہ : ”یہ روح جو جبریل و میکائیل سے بڑی مخلوق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ گزشتہ لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہتی تھی اور یہ ائمہ

کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ ان کو راہ راست پر رکھتی ہے اور ایسا نہیں کہ جو چیز طلب کی جائے وہ مل بھی جائے۔“

اصول کافی کتاب الحج میں ایک باب کا عنوان ہے :

﴿أَنَّ الْمَلَائِكَةَ مَعْدِنُ الْعَالَمِ وَ شَجَرَةُ النَّبُوَّةِ وَمَخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۲۱، جلد ۱)

ترجمہ : ”ائمہ، علم کا معدن اور نبوت کا درخت ہیں اور ان کے پاس

فرشتوں کی آمدورفت رہتی ہے۔“

اس میں بھی جناب امیر المومنینؑ، امام علی بن حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اقوال

اسی مضمون کے نقل کئے ہیں۔

مجلسی کی بحار الانوار میں اسی مضمون کا ایک باب ہے :

﴿أَنَّ الْمَلَائِكَةَ نَائِمِهِمْ وَنَطَافِرِهِمْ وَأَنَّهُمْ يَرَوْنَهُمْ﴾

﴿صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ﴾

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ملائکہ ائمہ کے پاس آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور

ائمہ، فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔“

اس باب میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ دیگر

فرشتوں کے علاوہ جبریل علیہ السلام ائمہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

علامہ باقر مجلسی نے بحار الانوار کے باب ”جہات علوم“ اور دیگر ابواب میں بھی

بے شمار روایات اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ فرشتے ائمہ کو علوم القاء کرتے تھے۔ چند

روایات ملاحظہ ہوں :

۱۔ - یرو : الحسن بن علی عن عنبسة عن إبراهيم بن محمد بن حمران عن

أبيه و محمد بن أبي حمزة عن سفیان بن السمط قال : حدثني أبو الخير^(۱) قال : قلت

لأبي عبد الله عليه السلام إني سألت عبد الله بن الحسن فزعم أن ليس فيكم إمام فقال : بلى والله

يا ابن النجاشي إن فينا لمن ينكت في قلبه و يوقر في أذنه و يفاضه الملائكة قال قلت :

فيكم ؟ قال إي والله فينا اليوم إي و الله فينا اليوم ثلاثاً .^(۲)

(بحار الانوار صفحہ ۵۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابوالخیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ میں نے عبداللہ بن حسنؑ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم میں کوئی امام نہیں ہے۔ یہ سن کر امام صادقؑ نے فرمایا، کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص (یعنی امام) موجود ہے جس کے دل میں کلام القاء کیا جاتا ہے، جس کے کانوں میں کلام ڈالا جاتا ہے اور جس سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔ میں نے تعجب سے کہا، تم میں؟ فرمایا ہاں! اللہ کی قسم! ہم میں ایسا شخص آج بھی موجود ہے۔
تمن بدیہی بات دہرائی۔“

۳۔ - یرو: إبراهيم بن حاشم عن محمد بن الفضيل أو عن محمد بن النضر
قال: قلت لأبي الحسن عليه السلام: روينا عن أبي عبد الله عليه السلام أنه قال: إن علمنا غابر
و مزبور و سكنت في القلب و نفر في الأسماع قال: أما الغابر فما تقدم من علمنا، وأما
المزبور فما يأتينا، وأما السكت في القلوب فاللهام، وأما نفر في الأسماع فآفته من
المملك. (۱)

(بحار الانوار..... صفحہ ۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادقؑ نے فرمایا، ہمارا علم چار قسم کا ہے۔ ایک گزشتہ، ایک لکھا ہوا، ایک دل میں القاء ہونا اور ایک کانوں میں ڈالنا۔ گزشتہ سے مراد وہ علم ہے جو ہمیں پہلے حاصل ہو چکا، لکھے ہوئے سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس نیا تازہ آتا ہے، دل میں القاء سے مراد ہے الہام اور کانوں میں ڈالنے سے مراد ہے فرشتہ (جو ہمارے کانوں میں کلام القاء کرتا ہے)۔“

۴۔ - و روی زرارة مثل ذلك عن أبي عبد الله عليه السلام قال: قلت: كيف يعلم أنه كن الملك ولا يخاف أن يكون من الشيطان إذا كان لا يرى الشخص؟ قال: إنه يلقي عليه السكينة فيعلم أنه من الملك، ولو كان من الشيطان اعترافه فزع، (۲) وإن كان الشيطان - يا زرارة - لا يتعرض لصاحب هذا الأمر. (۳)

ترجمہ: ”زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا کہ آپ لوگوں کو کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے (جو آپ کے کان میں باتیں کرتا ہے) اس کا اندیشہ کیوں نہیں کہ وہ شیطان ہو؟ کیونکہ اس کی شخصیت تو نظر آتی نہیں۔ فرمایا، امام پر سکینت ڈالی جاتی ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے، اگر شیطان آتا تو گھبراہٹ ہوتی، میں زرارہ! امام کے پاس شیطان نہیں آسکتا۔“

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر نبی کے کشف والہام اور رؤیائے صادقہ کے اہل سنت بھی قائل ہیں، لیکن نبی اور غیر نبی کے کشف والہام اور خواب میں دو وجہ سے فرق ہے۔ اول یہ کہ نبی کا کشف والہام اور خواب وحی قطعی ہے۔ اس میں اشتباہ والتباس کی گنجائش نہیں۔ جبکہ غیر نبی کا کشف والہام اور خواب قطعی نہیں، بلکہ ظنی ہے۔ اس میں اشتباہ والتباس کی بھی گنجائش ہے اور شیطان کی دخل اندازی کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے جب تک اسے میزان شرع میں تول کرنے دیکھا جائے، تب تک اس کا قبول کرنا اور اس پر اعتماد و وثوق کرنا جائز نہیں۔

دوم یہ کہ نبی کا کشف والہام بھی اور خواب بھی حجت طرزہ ہے، اس پر ایمان لانا لازم ہے، اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، جبکہ غیر نبی کا کشف والہام اور خواب حجت شرعیہ نہیں۔ نہ لوگ اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ بلکہ خود صاحب کشف والہام کے لئے بھی اس پر عمل کرنا شرعاً فرض نہیں۔

حضرات امامیہ کے نزدیک ائمہ کو جو علوم، فرشتوں کےلقاء، کشف والہام اور خواب وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، ان کا درجہ وہ نہیں جو اہلسنت کے غیر نبی کے کشف والہام وغیرہ کا ہے، بلکہ ان کا درجہ بعینہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی مقدس کا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ائمہ سو و نسیان اور غفلت و اشتباہ سے معصوم اور منزہ ہیں، اس لئے ان کی وحی انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کی طرح قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ اور چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح واجب الاطاعت ہیں اس لئے ان کی وحی حجت قطعہ بھی ہے اور حجت شرعیہ بھی۔ علامہ مجلسی کی ایک عبارت ”عصمت“ کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں۔ اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ ایک اور عبارت یہاں پیش کرتا ہوں۔ وہ بحار الانوار کتاب الامامۃ ”باب نفی السہو عنہم علیہم السلام“ کی روایت (۳) کے ذیل میں لکھتے ہیں :

بیان : فمضى القول في المجلد السادس في عصمتهم عليهم السلام عن السهو والنسيان و جملة القول فيه أن أصحابنا الإمامية أجمعوا على عصمة الأنبياء و الأئمة صلوات الله عليهم من الذنوب الصغيرة و الكبيرة عمداً و خطأً و سباً قبل النبوة و الإمامة و

بعدہما بل من وقت ولادتهم إلى أن يلقوا الله تعالى ، ولم يخالف في ذلك إلا الصدوق محمد بن بابويه و شيخه ابن الوليد قدس الله روحهما فإتھما جوڑا الاسماء من الله تعالى لا السهو الذي يكون من الشيطان في غير ما يتعلق بالتبليغ و بيان الأحكام و قالوا : إن خروجهما لا يخل بالاجماع لكونهما معروفي النسب .

و أما السهو في غير ما يتعلق بالواجبات و المحرمات كالمباحات و المكروهات فظاهر أكثر أصحابنا أيضاً تحقّق الاجماع على عدم صدوره عنهم ، و استدلوأ أيضاً بكونه سبباً لتفور الخلق منهم و عدم الاعتداد بأفعالهم و أقوالهم و هوينا في اللطف ، و بالآيات و الأخبار الدالة على أنهم عليہ السلام لا يقولون ولا يفعلون شيئاً إلاّ بوحى من الله تعالى

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۰، ۳۵۱ جلد ۲۵)

ترجمہ : ” ہمارے مشائخ امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی اور امام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ نہ ان سے عداً گناہ ہو سکتا ہے ، نہ خطاءً ، نہ سهواً اور یہ عصمت ان کو نبوت و امامت سے قبل بھی حاصل ہوتی ہے اور بعد میں بھی ، بلکہ ولادت سے وفات تک ۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے صدوق محمد بن بابویہ اور ان کے شیخ ابو الولید کے ۔ ان دونوں بزرگوں نے کہا ہے کہ جو بھول شیطان کی طرف سے ہو ، وہ تو نبی اور امام کو پیش نہیں آ سکتی لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھول ڈال دی جائے۔ مگر یہ بھول ایسے امور میں ہو سکتی ہے جن کا تعلق تبلیغ اور بیان احکام سے نہ ہو۔ مثلاً نے کہا کہ ان دونوں بزرگوں کا خروج اجماع میں خلل انداز نہیں ، کیونکہ یہ دونوں معروف النسب ہیں۔ باقی رہا واجبات و محرمات کے علاوہ چیزوں مثلاً مباحات و مکروہات میں بھول کا واقع ہونا تو ہمارے اکثر اصحاب کے قول سے یہ ظاہر ہے کہ اس کے صادر نہ ہونے پر بھی اجماع ہے۔ اور انہوں نے اس عدم صدور پر یہ استدلال بھی کیا ہے کہ یہ چیز ان سے مخلوق کی نفرت کا سبب ہوگی اور ان کے افعال و اقوال کا اعتبار نہیں رہے گا۔ اور یہ لطف کے منافی ہے۔ نیز انہوں نے ان آیات و احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرات وحی الہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے اور نہ کوئی کام کرتے ہیں۔ “

الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حضرات امامیہ، ائمہ پر وحی قطعی کے نزول کے قائل ہیں۔

ساتواں عقیدہ : ائمہ کو تحلیل و تحریم کے اختیارات

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

﴿النَّبِيُّ بِيُضِّ إِلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَالِیُّ الْأَمَةِ﴾

﴿عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِي أَمْرِ الدِّينِ﴾

(اصول کافی صفحہ ۲۶۵ جلد ۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے امور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ائمہ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں، جس چیز کو چاہیں حرام کہیں، جس کو چاہیں ایک حکم بتائیں اور دوسرے کو دوسرا حکم بتائیں، ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس عقیدہ کو علمائے شیعہ نے ائمہ کی بہت سی روایات سے ثابت کیا ہے۔ بطور نمونہ چند روایتیں ملاحظہ فرمائیے :

۱۔ عطاء بن یحییٰ ، عن محمد بن الحسن ، عن یعقوب بن یزید ، عن الحسن بن زیاد ، عن محمد بن الحسن المبینی ، عن أبي عبد الله عليه السلام قال : سمعته يقول : إن الله عز وجل أدب رسول الله حتى قومه على ما أراد ، ثم فوض إليه فقال عز ذكره : وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا ، فمافوض الله إلى رسول الله فقد فوضه إلينا .
(اصول کافی صفحہ ۲۶۸ جلد ۱)

ترجمہ : ”امام صادقؑ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب سکھایا، یہاں تک کہ اپنے ارادے کے مطابق آپؐ کو سیدھا کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملات کو آپؐ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ رسول تمہیں جو کچھ دے دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہ سب کچھ ہمارے سپرد کر دیا۔“

۲۔ الحسين بن محمد الأشعري ، عن معلى بن محمد ، عن أبي الفضل عبد الله بن إدريس ، عن محمد بن سنان قال : كنت عند أبي جعفر الثاني عليه السلام فأجريت اختلاف

الشیعة ، فقال : یا عبدُ انَّ اللهَ تبارکَ تعالیٰ لم یزل متفرِّداً بوحدانیته ثمَّ خلقَ عَداً وعلیاً وفاطمه ، فمکنوا ألن دهر ، ثمَّ خلقَ جمیع الاشیا ، فأشهدهم خلقها وأجرى طاعتهم علیها وفوض أمرها إلیهم ، فهم یحآون ما یشاؤون ویحترمون ما یشاؤون ولن یشاؤوا إلا أن یشاء الله (اصول کافی صفحہ ۴۴۱ جلد ۱)

ترجمہ: ”محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں امام ابو جعفر علی کے پاس تھا، شیعوں کے اختلافات کا تذکرہ کیا تو امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد تھا۔ پھر اس نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا، پس وہ ہزار دہر تک ٹھہرے رہے۔ پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا تو ان کو ان چیزوں کی تخلیق پر گواہ بنایا اور سب چیزوں کے ذمہ ان کی طاعت واجب کی اور تمام اشیاء کے اختیارات ان کے سپرد کر دیئے۔ پس یہ حضرات جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ اور وہ نہیں چاہیں گے کہ وہی چیز جو اللہ تعالیٰ چاہے۔“

۳۔ - مختص ، بر : أحمد بن عبد عن الأوزاعي عن بعض أصحابنا عن ابن عميرة عن الثمالي قال : سمعت أبا جعفر (علیہ السلام) يقول : من أحللتنا له شيئاً أصابه من أعمال الظالمين فهو له حلال لأن الأئمة منّا مفوض إليهم ، فما أحلوا فهو حلال وما حرّموا فهو حرام . (۱۰)

(بحار الانوار صفحہ ۳۳۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”ثمالي کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے لئے ہم نے حلال کر دی وہ چیز جو اس نے ظالموں کے مناصب میں سے حاصل کی وہ اس کو حلال ہے، کیونکہ یہ امر ہمارے اماموں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ پس جس چیز کو وہ حلال قرار دیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کر دیں وہ حرام ہے۔“

ثم قال : یا ابنِ اشیم انَّ اللهَ فوضَ إلی سلیمان بن داود (علیہ السلام) فقال : هَذَا عطاؤنا فامنن أو أمسك بغير حساب ، (۱) و فوضَ إلی بیته فقال : ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا ، (۲) فما فوضَ إلی بیته فقد فوضَ إلینا .

(بحار الانوار صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳ جلد ۲۵)

ترجمہ: ”امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موعظہ حضرت سلیمان کے

سپرد کر دیا، چنانچہ فرمایا، یہ ہماری عطا ہے چاہو کسی کو دو، یا اپنے پاس رکھو تم سے کوئی حساب نہیں لیں گے۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سپرد فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ: ”رسول تم کو جو کچھ دے دیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ۔“ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا وہی ہمارے سپرد کر دیا۔“

۳۸۔ ۱: ابن المنذر عن الحمیری عن ابن عباس عن ابن محبوب عن عبد العزيز عن ابن أبي يعفور قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: إن الله واحد أحد متوحد بالوحدانية منفرد بأمرو، خلق خلقاً فذو من إلیهم أمر دينه، فنحن هم يا ابن أبي يعفور .
(بحار الانوار صفحہ ۱۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابن ابی یعفور امام صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ واحد ہے، یکتا ہے، وحدانیت کے ساتھ منفرد ہے، اپنے حکم میں منفرد ہے۔ اس نے ایک مخلوق کو پیدا کر کے اپنے دین کا معاملہ ان کے سپرد کر دیا، سو ہم وہی مخلوق ہیں۔“

ان روایات سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار دیا گیا ہے اور اصول کافی کے مندرجہ بالا عنوان سے واضح ہے کہ ائمہ، اپنے ائمہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

آٹھواں عقیدہ: ائمہ کو احکام کے منسوخ کرنے کے اختیارات

اوپر کے عقیدہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن الہی بعض احکام کو منسوخ فرما سکتے تھے، اسی طرح باذن الہی ائمہ کو بھی اختیار حاصل تھا کہ جب چاہیں کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں۔ اور جب چاہیں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ ائمہ وقتاً فوقتاً اپنے اس اختیار کو استعمال بھی کرتے تھے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال: قرآن کریم میں ہے کہ مرحوم شوہر جو کچھ بھی چھوڑ کر مرے اس میں بیوہ کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ ہے، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يَوْصُونَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ﴾
(النساء: ۱۲)

ترجمہ..... ”اور ان بی بیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ، یا دین کے بعد۔“ (ترجمہ..... حضرت تھانوی)

لیکن امام کا فتویٰ یہ ہے کہ بیوہ کو شوہر کی غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ فروع کافی، کتاب الموارث ”باب ان النساء لا يرثن من العقار شيئا“ میں گیدہ روایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام باقر کا قول نقل کیا ہے:

”النساء لا يرثن من الأرض ولا من العقار شيئا“

(فروع کافی، ص: ۱۲۷ ج: ۷)۔

ترجمہ: ”عورتوں کو اراضی اور غیر منقولہ جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔“

دوسری روایت میں ہے کہ:

”اس کو تھیاروں اور چوپایوں میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں املہ وغیرہ کی قیمت لگا کر اس میں سے اس کا حق دے دیا جائے گا۔“
(حوالہ بالا)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”امام جعفرؑ نے اس کی محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، کہ وہ ذخیل ہے، نکاح کر لے گی تو دوسرے لوگ اگر ان کی جائیداد کا ستیاناس کر دیں گے۔“

امام کے اس فتویٰ سے چند باتیں معلوم ہوتیں:

اول: یہ کہ قرآن کریم نے پورے ترکہ سے بیواؤں کا چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر فرمایا۔ لیکن اماموں نے اپنے فتویٰ کے ذریعہ بیواؤں کو شوہر کے ترکہ سے محروم

کر دیا۔ بس گھر کے سلمان وغیرہ میں ان کا حصہ ہے، اراضی، باغات، غیر منقولہ جائیداد، ہتھیاروں اور چوپایوں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ قرآن کریم کا حکم عام تھا، جسے اماموں نے منسوخ کر دیا۔

دوم: قرآن کریم کے حکم کے خلاف ان کو محروم قرار دینے کی امام نے عقلی وجہ بیان فرمائی کہ وہ اول تو پرانی ہوتی ہیں، پھر وہ دوسری جگہ نکاح کر کے دوسرے لوگوں کو جائیداد میں ”دخل در معقولات“ کا موقع دیں گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کو غیر منقولہ جائیداد سے محروم کر کے یہ منجانبی ختم کر دیا جائے۔ حالانکہ امام عقل کے تیر تکے نہیں چلایا کرتا۔ وہ بالہام خداوندی بولتا ہے، اگر امام معصوم بھی عقل و قیاس اور اجتہاد کے ساتھ فتوے دیا کریں تو ان کے درمیان اور اہل سنت کے امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے درمیان کیا فرق رہے گا؟ اور امام ابو حنیفہ ”کو جو امام“ نے تنبیہ فرمائی تھی کہ:

لا تقس فان اول من قاس إبليس (اصول کافی ص ۵۸ ج ۱)
 ”قیاس نہ کیا کر، کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔“

اس ارشاد کا کیا مصرف رہے گا؟

سوم: پھر امام نے جو قیاس کیا، افسوس ہے کہ وہ بھی غلط، اس لئے کہ امام کی یہی دلیل بیٹیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ وہ بھی پرانے گھر جلتی ہیں، جس کی وجہ سے غیروں کو جائیداد میں دخل اندازی کا موقع ملے گا۔ الغرض جو دلیل امام نے غریب بیواؤں کو محروم کرنے کے لئے پیش کی وہی لڑکیوں اور بہنوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ ان کو بھی محروم ہونا چاہئے۔ اور انگریزی قانون پر عملدرآمد ہونا چاہئے کہ جائیداد لڑکوں کو ملتی ہے، لڑکیوں کو ملتی ہی نہیں۔ لاقول ولا قوۃ الا بالہ۔

چہارم: یہ بھی معلوم ہوا کہ امام، بے کس و بے سہارا بیواؤں پر کیسے شفیق تھے کہ خود تو ان کی کیامد کرتے؟ ان بے چاری بیواؤں کو قرآن نے شوہر کی جائیداد سے جو حصہ دلایا ہے، اماموں کو اس کا دلانا بھی گوارا نہیں تھا۔

ان وجوہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ائمہ کے نام پر روایتیں تصنیف کرنے والے کیسے دانشمند تھے اور انھوں نے خرافات کے کیسے کیسے طومار ائمہ کی طرف منسوب کئے

ہیں۔ جن کو شیعہ، وحی آسمانی سے کم نہیں سمجھتے۔

دوسری مثال: قرآن کریم میں قانون شہادت موجود ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے جو فروع کافی کتاب القضاء الاحکام ”باب ان البینة علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ“ میں نقل کیا ہے:

﴿أَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى عَلَيْهِ﴾
”گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر آتی ہے۔“

(فروع کافی..... صفحہ ۴۱۵، جلد ۷)

لیکن امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت کو معطل فرما دیں گے۔

چنانچہ اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے؟ ”باب فی الاثمه انہما اظہر امرہم حکموا بحکم آل داود ولا یسألون البینة“ (یعنی جبائتم کی حکومت ہوگی تو حکم آل داود کے موافق فیصلہ کریں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے) اس میں امام جعفرؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

یا ابا عبیہ: إذا قام قائم آل محمد ﷺ حکم بحکم داود وسلیمان لا یسأل بینه.

(اصول کافی..... صفحہ ۳۹، جلد ۱)

”جب قائم آل محمدؑ ظاہر ہوں گے تو داود و سلیمان کے حکم کے مطابق فیصلے

دیں گے، شہادت طلب نہیں کریں گے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ عمار سلطانی نے امام جعفرؑ سے پوچھا کہ آپ حضرات

جب فیصلہ کرتے ہیں تو کس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

بحکم اللہ و حکم داود فاذا ورد علينا الشیء الذی لیس عندنا ، تلقانا به روح القدس .

(اصول کافی..... صفحہ ۳۹۸، جلد ۱)

”اللہ کے حکم اور داؤد کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ اور جب

ہمارے سامنے کوئی ایسا قضیہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں

ہوتا تو روح القدس ہمیں اس کا حکم بتا دیتا ہے۔“

تیسری روایت میں ہے کہ جمیع ہمدانی نے یہی سوال امام زین العابدینؑ سے کیا تو

انہوں نے فرمایا:

حکم آل داود ، فان أعيانا شي، تلقانا به روح القدس

(اصول کلی..... صفحہ ۳۹۸، جلد ۱)

”حکم آل داؤد کے مطابق فیصلہ کیا کرتے ہیں اور اگر ہمیں کسی قضیہ میں

مشکل پیش آئے تو روح القدس ہمیں بتا دیتا ہے۔“

(ایضاً..... حوالہ بالا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ائمہ، اپنے فیصلوں میں قرآن و حدیث کے قانون شہادت کے پابند نہیں تھے، بلکہ آل داؤد کے مطابق فیصلہ کے پابند تھے۔ اور روح القدس سے معلوم کر کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو قانون شہادت معطل ہو جائے گا، اس لئے وہ کسی مقدمہ میں شہادت طلب نہیں کریں گے۔

تیسری مثل: فروغ کلی کتب الصيد ”باب صید البزاة والصقور وخیر ذالک“ میں روایت ہے:

۔ أبو علي الأشعري، عن محمد بن عبد الجبار؛ وعنه بن إسماعيل، عن الفضل بن شاذان؛ جميعاً، عن صفوان بن يحيى، عن ابن مسكان، عن الحلبي، قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: كان أُمِّي ﷺ يفتي وكان يفتي ونحن نضاف في صيد البزاة والصقور وأما الآن فأبنا لا نضاف ولا نعدل سبيحاً إلا أن نذكر ذكاه فإنه في كتاب علي عليه السلام أن الله عز وجل يقول: وما علمتم من الجوارح مكلبين، في الكلاب (۱)۔

(فروغ کلی..... صفحہ ۲۰۷، جلد ۶)

روایت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ”کتب علی“ میں لکھا ہے کہ آیت شریفہ ”وما علمتم من الجوارح مكلبين“ میں صرف کتوں کے شکار کی اجازت ہے، باز اور شاہین کا شکار حرام ہے، الا یہ کہ وہ زندہ پکڑ لائیں اور شکار کو ذبح کر لیا جائے۔ امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد بنا بر تقیہ اس آیت کے خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ لیکن اب چونکہ خوف اٹھ گیا ہے اس لئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز اور شاہین کا شکار حلال نہیں۔“

باپ اور بیٹے دونوں امام معصوم ہیں۔ ایک قرآن کریم کے حکم کے

خلاف باز اور شاہین کے شکار کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں اور دوسرے حرمت کا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حرام کو حلال قرار دیں اور جب چاہیں حلال کو حرام ٹھہرائیں، جب چاہیں قرآن کے حکم کو منسوخ یا معطل کر دیں اور جب چاہیں اس کو جاری کر دیں۔ تقیہ کی آڑ میں ائمہ نے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے فتوے دیئے ہیں ان کی سیکڑوں مثالیں شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی ”تہذیب الاحکام“ اور ”استبصار“ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

چوتھی مثال: فروع کافی کتاب المواریث ”باب میراث الولد“ میں سلمہ بن محرز کی روایت ہے:

- علی بن ابراہیم ، عن ابیہ ، عن ابن ابی عمیر ، و محمد بن یحیی ، عن أحمد بن محمد ، عن ابن ابی عمیر ، عن جیل بن دراج ، عن سلمہ بن محرز قال : قلت لأبی عبد اللہ علیہ السلام : إن رجلاً أرماني سناناً وأوصى إليّ ، فقال لي : وما لأرماني ؟ قلت : بطلي من أبطال الجبال (۲) مات وأوصى إليّ بترك ابنته ، قال : فقال لي : أعطها النصف ، قال : فأخبرت زرارہ بذلك ، فقال لي : اتفأك ، إنسا المال لها ، قال : فدخلت عليه بعد قلت : أصلحك الله إن أصابنا زعموا أنك أتتقتي ، فقال : لا والله ما أتتقتك ولكن أتتقت عليك أن تضمن فهل علم بذلك أحد ؟ قلت : لا ، قال : فأعطها ما بقي .

(فروع کافی صفحہ ۸۶، ۸۷ جلد ۸)

ترجمہ: ”سلمہ بن محرز کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ ایک ارمانی شخص فوت ہوا اور اس نے مجھے اپنا وصی بنایا۔ امام نے فرمایا کہ ارمانی کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا ایک جنگلی پہاڑی آدمی مر گیا، اس نے اپنے ترک کا وصی مجھے بنایا، اس نے پیچھے ایک بیٹی چھوڑی۔ امام نے فرمایا، بیٹی کو نصف مال دے دو۔ میں نے باہر نکل کر امام کا یہ فتویٰ زرارہ کو بتایا تو اس نے کہا کہ امام نے تجھ سے تقیہ کیا ہے، ورنہ پورا مال بیٹی کا حق ہے۔ میں دوبارہ امام کے پاس گیا، میں نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے، ہمارے رفقاء کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا ہے۔ فرمایا، نہیں! اللہ کی قسم! تجھ سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ تیری خاطر تقیہ کیا ہے کہ کہیں آدمی مال کا تالوان تجھ پر نہ پڑ جائے۔ کیا اس کا کسی کو علم تو نہیں ہوا؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا، تو پھر باقی آدھا بھی بیٹی ہی کو دے دے۔“

پورا مال بیٹی کا حق تھا، لیکن امام نے آدھا مال دینے کا حکم فرمایا، اور جب زرارہ نے امام کی غلطی نکالی تو آپ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا اور باقی آدھا بھی بیٹی کو دینے کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ پہلے فتویٰ میں آپ نے قرآن کے حکم کو معطل کر دیا تھا۔ خدا نخواستہ وہ شخص امام کے فتویٰ کی زرارہ سے تصحیح نہ کرنا تو تین وبال اس کے سر لازم آتے۔

اول یہ کہ: ”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاو لئک ہم الکافرون..... فاو لئک ہم الظالمون..... فاو لئک ہم الفاسقون“ کا مصداق ٹھہرتا۔ یعنی جو لوگ حکم الہی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں..... ظالم ہیں..... فاسق ہیں۔

دوم یہ کہ: ایک یتیم بچی کا مال دوسروں کو کھلاتا، اور جہنم کی آگ ان کے پیٹ میں بھرنے کا وبال اپنے ذمہ لیتا۔

سوم یہ کہ: امام کے فتویٰ کے مطابق مال جن لوگوں کو دیا جاتا وہ حرام خور ہوتے۔

لطیفہ یہ کہ جس خوف کی بنا پر امام نے خلاف ما نزل اللہ فتویٰ دیا تھا وہ خوف اب بھی باقی تھا، زائل نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود امام کا فتویٰ بدل گیا۔ الغرض ان مثالوں سے واضح ہوا کہ امام جب چاہتے تھے قرآنی احکام کو منسوخ و معطل کر دیتے تھے۔ تقیہ کا عذر ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتا تھا۔

نواں عقیدہ: ائمہ کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے

اصول کافی کتاب الحج کے ایک باب کا عنوان ہے: ”ان الائمة ہم ارکان الارض“ اس میں امام جعفرؑ سے نقل کیا ہے:

۱۔ أحمد بن مهران، عن محمد بن علی: ”و محمد بن یحیی، عن أحمد بن محمد جعیماً، عن محمد بن سنان، عن الفضل بن عمر، عن أبي عبد الله عليه السلام قال: ما جاء به علي عليه السلام أخذ به وما نهي عنه أن نهي عنه، جرى له من الفضل مثل ما جرى لمحمد عليه السلام ولمحمد عليه السلام الفضل علم،

جميع من خلق الله عز وجل، المنتقب عليه في شيء، من أحكامه كالمنتقب على الله وعلى
رسوله (۱) والراد عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشك بالله، كان أمير المؤمنين عليه السلام
باب الله الذي لا يؤتى إلا منه، وسبيله الذي من سلك به غيره هلك، وكذلك يجري لأئمة
الهدى واحداً بعد واحد

اصول کافی صفحہ ۱۹۶ جلد ۱

ترجمہ: ”مفضل بن عمر امام صادق“ کا ارشاد نقل کرتا ہے کہ حضرت علیؑ
جس چیز کو لے کر آئے ہیں میں اس کو لیتا ہوں اور جس چیز سے حضرت علیؑ
نے منع فرمایا میں اس سے باز رہتا ہوں۔ علیؑ کے لئے وہی فضیلت ثابت
ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام
مخلوق پر فضیلت ہے، اور علیؑ کے کسی حکم پر نکتہ چینی کرنے والا ایسا ہے جیسے
اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنے والا، اور
علیؑ کی کسی چھوٹی بڑی بات کو رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک
کرنے والے کے حکم میں ہے۔ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس
کے بغیر داخلہ ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ ہیں کہ جو اس کو چھوڑ کر
چلے وہ ہلاک ہو جائے، جو علیؑ کی فضیلت ہے وہی باقی گیرہ اماموں کی
فضیلت ہے۔“

اسی باب میں دوسری روایت بھی امام جعفرؑ ہی سے منقول ہے:

۲۔ علی بن محمد و محمد بن الحسن، عن سهل بن زیاد، عن محمد بن الولید شباب البصری
قال: حدثنا سعيد الأعرج قال: دخلت أنا وسليمان بن خالد علي أبي عبد الله عليه السلام
فابتدأنا فقال: يا سليمان ما جاء عن أمير المؤمنين عليه السلام يؤخذ به وما نهى عنه ينتهى عنه
جرى لمن الفضل ما جرى لرسول الله ﷺ ولرسول الله ﷺ! الفضل على جميع من خلق
الله، المعصية (۱) على أمير المؤمنين عليه السلام في شيء من أحكامه كالمعصية على الله عز وجل وعلى
رسوله ﷺ والراد عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشك بالله، كان أمير المؤمنين
صلوات الله عليه باب الله الذي لا يؤتى إلا منه، وسبيله الذي من سلك به غيره هلك،
وبذلك جرت الأئمة عليهم السلام واحد بعد واحد

(اصول کافی صفحہ ۱۹۷ جلد ۱)

ترجمہ: ”سعيد اعرج سے روایت ہے کہ میں اور سليمان بن خالد ابو عبد الله
علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ ہمارے پوچھے بغیر فرمایا: اے سليمان! جو

امیر المؤمنین علیہ السلام کی وساطت سے ملا ہے اسے تھامے رکھو اور جس سے آپ نے منع فرمایا رک جاؤ۔ آپ کی وہی فضیلت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت عطا ہوئی۔ جو شخص کسی بھی حکم میں امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں عیب جوئی کا مرتکب ہوا، وہ گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عیب جو ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں (امیر المؤمنین کی) حکم عدولی شرک باللہ کے مترادف ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ کا وہ دروازہ ہے کہ اسی سے دین آسکا۔ اور آپ کی راہ سے جس نے اعراض کیا وہ ہلاک ہوا۔ اور یہی معاملہ یکے بعد دیگرے ہر امام میں جاری ہے۔“

ایک اور روایت میں ہے :

۳۔ محمد بن یحییٰ وأحمد بن محمد جمیعاً ، عن محمد بن الحسن ، عن علی بن حسن قال : حدثني أبو عبد الله الرياحي

..... عن أبي الصامت الحلواني ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : فضل أمير المؤمنين عليه السلام ^(۱) ما جابهه آخذ به وما نهى عنه أنتهى عنه ، جرى له من الطاعة بعد رسول الله صلى الله عليه وآله ما لا يلزم لرسول الله صلى الله عليه وآله والفضل لمحمد صلى الله عليه وآله ، المتقدم بين يديه كالمقدم بين يدي الله ورسوله ، والمتفضل عليه كالمفضل على رسول الله صلى الله عليه وآله والمراد عليه في صغيرة أو كبيرة على حد الشك باللہ ، فإن رسول الله صلى الله عليه وآله باب الله الذي لا يؤتى إلا آمنه وسبيله الذي من سلكه وصل إلى الله عز وجل وكذلك كان أمير المؤمنين عليه السلام من بعده وجرى للأئمة عليهم السلام واحداً بعد واحد ،

(اصول کافی صفحہ ۱۹۸ جلد ۱)

ترجمہ : ”ابو الصامت حلوانی سے روایت ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا : امیر المؤمنین علیہ السلام کی فضیلت : جو کچھ انہوں نے دیا میں نے لیتا ہوں جس سے منع کرو یا رک جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین کی اطاعت اسی طرح لازم ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کی فضیلت ہے۔ امیر المؤمنین سے (اطاعت میں) حقدم ایسا ہی ہے جیسا اللہ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں (اپنی اطاعت کا مدعی) متقدم۔ اور آپؐ پر فضیلت کے مدعی کا حکم وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی فضیلت کے مدعی کا (ہونا چاہئے) اور کسی بھی چھوٹے بڑے حکم میں امیر المؤمنین کی مخالفت شرک باللہ کا حکم رکھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ دروازہ ہے کہ دین اس کے سوا آبی نہیں سکتا تھا اور آپؐ کا راستہ ہی وصول الی اللہ کا واحد راستہ ہے۔ اور آپؐ کے بعد یہی مقام امیر المؤمنین علیہ السلام اور یکے بعد دیگرے ائمہ علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان: ”ان الانعمة عليهم السلام بعد ثون مفہمون“ اس میں امام جعفرؑ سے نقل کیا ہے:

۷۔ عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَحْرٍ، عَنْ ابْنِ مَسْكَانٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْكَانٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام يَقُولُ: الْأُمَمَةُ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله إِلَّا أَنْتُمْ لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَا يَحِلُّ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وآله فَأَمَّا مَا خَلَا ذَلِكَ فَهُمْ فِيهِ بِمَنْزِلَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وآله.

(اصول کافی..... صفحہ ۲۷۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ائمہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں، مگر وہ نبی نہیں۔ جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال تھیں، اتنی ان کے لئے حلال نہیں۔ اس کے سوا باقی تمام باتوں میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔“

علامہ مجلسی امام جعفرؑ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیان: بدل ظاہراً علی اشتراکهم مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فی سائر الخصائص

سوی ما ذکر.

(بحار الانوار..... صفحہ ۵۰ جلد ۲۷)

ترجمہ: ”امام کا یہ قول ظاہراً دلالت کرتا ہے کہ ائمہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیتوں میں آپؐ کے ساتھ شریک ہیں، الا یہ کہ ان کو چار سے زیادہ بیویاں حلال نہیں۔“

علامہ مجلسی کی بحار الانوار کتاب الامتہ میں ایک باب کا عنوان ”انہ جریٰ لہم من الفضل والطاعة مثل ماجری لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانہم فی الفضل سواہ“ اس باب میں ۲۳ روایتیں نقل کی ہیں۔ (جلد ۲۵، صفحہ ۳۵۲ تا ۳۶۳) جن کا مضمون یہ ہے کہ ائمہ کا وہی مرتبہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں :

”اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آنت کہ حضرت امیر علیہ السلام و سایر ائمہ افضل اند از پیغبران سواہ پیغبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود در این باب روایت کردہ اند۔“ (صفحہ ۷۰.....)

ترجمہ : ”اکثر علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ اور باقی ائمہؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغبروں سے افضل ہیں، اور اس باب میں احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ ائمہ سے روایت کرتے ہیں“

الحمد للہ! کہ بندہ نے جتنے عقائد حضرات امامیہ کی طرف منسوب کئے تھے، ایک ایک کا باحوالہ ثبوت پیش کر دیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جب ائمہ کو معصوم بھی کہا جائے، منسوب من اللہ بھی، ان پر ایمان لانا نبیوں کی طرح فرض ہو اور ان کا انکار نبیوں کے انکار کی طرح کفر ہو، ان کی اطاعت ایسی ہی فرض ہو جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، وہ صاحب معجزات بھی ہوں، ان پر وحی قطعی بھی نازل ہوتی ہو جو ہر ایک کے لئے حجت ملزمہ ہو، وہ تحلیل و تحریم کا اختیار بھی رکھتے ہوں، ان کو قرآنی احکام کے منسوخ یا معطل کرنے کا بھی اختیار ہو اور ان کا درجہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام سے بالاتر ہو۔ اگر ان تمام امور سے میں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ آل سبائے امامت کا عقیدہ ختم نبوت کا منہ چڑانے کے لئے ایجاد کیا اور یہ کہ حضرات امامیہ، امامت کے پردہ میں ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں تو ذرا یہ فرمائیے کہ کیا میرا یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

کسی کو معصوم، منصوب من اللہ اور مفترض الطاعة ماننا ہی درحقیقت ختم نبوت کا انکار ہے۔ خواہ ہزار بار قسمیں کھائیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں۔

امامیہ، درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اس پر چار گواہ

میں نے امامیہ کے مندرجہ بالا عقائد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امامیہ کا عقیدہ امامت ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت ہے، یہ گزشتہ سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف سے بہرہ ور فرمایا ہو تو وہ اوپر کی بحث پڑھ کر اس کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے میں اپنے اس اخذ کردہ نتیجہ پر بھی چار گواہ پیش کرتا ہوں۔ دو اکابر اہل سنت میں سے اور دو اکابر شیعہ میں سے۔

پہلی شہادت: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے رسالہ ”المقالة الوصیة فی النصیحة والوصیة“ میں، جو ان کی کتاب تفہیمات الہیہ جلد دوم میں تقسیم (۲۴۶) کے عنوان سے شامل ہے، وصیت (۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”این فقیر از روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرد کہ حضرت چہ می فرمایند در باب شیعہ کہ مدعی محبت اہل بیت اند و صحابہ را بد میگویند؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوعی از کلام روحانی القاء فرمود کہ مذہب ایشان باطل است و بطان مذہب ایشان از لفظ امام معلوم می شود، چون از آنحضرت افتات دست داد و در لفظ امام تامل کردم معلوم شد کہ امام باصطلاح ایشان معصوم مفترض الطاعة منصوب للمخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویزی نمایند، پس درحقیقت ”ختم نبوت“ را منکر اند، گو زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند۔“

(تفہیمات الہیہ صفحہ ۲۹۴، جلد ۲)

ترجمہ: ”اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ حضرت شیعوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اہل بیت سے محبت کے مدعی ہیں اور صحابہؓ کو برا کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوع کے روحانی کلام کے ذریعہ القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ”امام“ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جب اس حالت سے افادہ ہوا تو میں نے لفظ ”امام“ میں غور کیا، معلوم ہوا کہ ”امام“ ان کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جس کی طاعت فرض ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہو، یہ لوگ ”امام“ کے حق میں ”وحی باطنی“ بھی تجویز کرتے ہیں۔ پس درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہا کرتے ہیں۔“

اور اس سے اگلی تفہیم (۲۴۷) میں مبشرہ (۹) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”سألتہ ﷺ سؤالا روحانیا عن الشيعة فأوحى إلى أن مذهبهم باطل، وبطلان مذهبهم يعرف من لفظ الإمام، ولما أفقت عرفت أن الإمام عندهم هو المصوم المفترض طاعته الموحى إليه وحيا باطنيا، وهذا هو معنى النبى، فمذهبهم يستلزم إنكار ختم النبوة قبهم الله تعالى“.

(تفہيمات إلهية، ص: ۳۰۱ ج ۲۰)

ترجمہ: ”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعوں کے بارے میں روحانی سوال کیا، تو مجھے القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ”امام“ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جب مجھے اس حالت سے افادہ ہوا تو میں نے غور کیا کہ ان کے نزدیک ”امام“ وہ شخص ہے جو معصوم ہو، مفترض الطاعت ہو اور جس کو باطنی وحی ہوتی ہو، اور یہی نبی کے معنی ہیں۔ پس ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے۔“

دوسری شہادت : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے باب ششم ”در بحث نبوت و ایمان بانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام“ میں ”عقیدہ دہم“ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

”وامامیہ ہر چند بظاہر بہ ختم نبوت آنجناب اقرار کنند لکن در پردہ بہ نبوت ائمہ قائل اند کہ ائمہ را بہترو بزرگ تر از انبیاء شاند، چنانچہ در ہمیں باب بہ تفصیل گزشت، تفویض امر تحلیل و تحریم کہ خلاصہ نبوت بلکہ بالاتر از نبوت است برای ائمہ اثبات نمایند، پس در معنی منکر ختم نبوت اند۔“
(تحفہ صفحہ ۱۷۰)

ترجمہ : ”اور امامیہ ہر چند کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن در پردہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں، کیونکہ ائمہ کو انبیاء سے بہترو بزرگ تر شہد کرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی باب میں تفصیل سے گزرا۔ اور تحلیل و تحریم کا معاملہ ائمہ کے سپرد کرتے ہیں جو کہ خلاصہ نبوت، بلکہ بالاتر از نبوت ہے۔ پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔“

اور شیعہ کے عقیدہ تفویض پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

”بالجملہ این اسلے است فاسد کہ مستلزم مفاسد بسیارست ومعہذا متضمن انکار ختم نبوت است در حقیقت، وجمع امامیہ بآن قائل اند۔“
(تحفہ صفحہ ۱۷۱)

ترجمہ : ”خلاصہ یہ کہ یہ اصول فاسد ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو مستلزم ہے۔ علاوہ بریں در حقیقت ختم نبوت کے انکار کو متضمن ہے۔ اور تمام امامیہ اس کے قائل ہیں۔“

تیسری شہادت : علامہ باقر مجلسی

شیعوں کے محدث و مجدد اعظم جناب علامہ محمد باقر مجلسی کی علمی منزلت سے تو آنجناب واقف ہوں گے۔ آیت اللہ العظمیٰ روح اللہ خمینی نے ان کی کتابوں کے مطالعہ

کی شیعہ مومنین کو بطور خاص تلقین فرمائی ہے۔

جناب باقر مجلسی بحار الانوار کتاب الامامت ”باب انہم محدثون مفہمون“ میں ائمہ کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد روایت (۴۵) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

بیان: استنباط الفرق بین النبی والامام من تلك الأخبار لا یخلو من إشکال و کذا الجمع بینہا مشکل جداً

و بالجملة لا بد لنا من الاذعان بعدم کوہم عَلَيْهِمُ السَّلَام انبیاء و بأنہم اشرف و افضل من غیر بیئنا وَالْاَوَّلِيْنَ من الانبیاء والاوصیاء ولا نعرف جهة لعدم انصافہم بالنبوۃ الارعایۃ جلالة خاتم الانبیاء ولا یصل عقولنا إلى فرق بین بین النبوة والامامة وما دلت علیہ الاخبار فقد عرفته ،

(بحار الانوار صفحہ ۸۲ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ان احادیث سے نبی اور امام کے درمیان فرق کا استنباط کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح ان احادیث کے درمیان جمع کرنا بھی نہایت مشکل ہے..... مختصر یہ کہ یہ یقین تو لازم ہے کہ امام، نبی نہیں ہوتے اور یہ بھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر تمام انبیاء، اوصیاء سے اشرف و افضل ہیں، ہمیں ان کے موصوف بالنبوۃ نہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ خاتم الانبیاء کی جلالت کی رعایت ہو۔ اور ہماری عقلوں کو نبوت اور امامت کے درمیان واضح فرق تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اخبار سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تم جان ہی چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے احوال کے حقائق کو بہتر جانتے ہیں۔“

چوتھی شہادت: شیخ مفید

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کے مندرجہ بالا باب میں روایت (۴۶) کے ذیل میں شیخ مفید محمد بن نعمان (متوفی ۴۶۰ھ) کی ”تصحیح الاعتقاد شرح عقائد صدوق“ سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کے بقدر ضرورت جملے یہاں نقل کرتا ہوں:

و عندنا أن الله تعالى بم مع الحجة بعد بيته وَالْاَوَّلِيْنَ كلاماً بلفظه إلهيم أي الاوصياء

فی علم ما یكون لکنہ لا یطلق علیہ اسم الوحی لما قد مناه من إجماع المسلمین
منی أنه لا وحی لاحد بعد نبینا ﷺ وإنه لا یقال فی شیء منّا ذکرناہ : إنه

وحی إلی أحد ، و لله تعالى أن یشیع إطلاق الکلام أحياناً و یحظره أحياناً ، و یمنع
السمات بشیء حیناً و یطلقها حیناً ، فانما المعانی فانها لا تنبیر عن حقائقها علی ما
قد مناه . (۱)

(بحر الانوار صفحہ ۸۳، ۸۴ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”اور ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد اماموں کو ایسا کلام سنانا ہے جو ان کی طرف القاء کرتا ہے اس علم کے
بارے میں جو آئندہ آنے والا ہو، لیکن اس پر وحی کا اطلاق نہیں کیا جاتا،
کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو وحی نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ جو
چیزیں ہم نے ذکر کی ہیں، ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کسی
کی طرف وحی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ ایک وقت میں ایک لفظ کے
بولنے کو جائز رکھے اور دوسرے وقت میں اس کو منع کر دے۔ اور ایک چیز
کے ساتھ کسی چیز کو موسوم کرنا ایک وقت میں ممنوع قرار دے، اور
دوسرے وقت میں اس کو جائز قرار دے۔ باقی رہے معانی! تو وہ اپنے حقائق
سے نہیں بدلتے۔“

علامہ باقر مجلسی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت و امامت کے درمیان فرق
ہماری عقل نارسا سے بالاتر ہے۔ باوجودیکہ ائمہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
سوا باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے اشرف و افضل ہیں۔ لیکن ختم نبوت کا لحاظ کرتے
ہوئے ان کو نبی نہیں کہا جاتا ورنہ نبوت اور امامت کے درمیان وجہ فرق ہمیں معلوم
نہیں۔

شیخ مفید کا آخری فقرہ توشیح کا بند ہے۔ فرماتے ہیں کہ، ”حقائق تو نہیں
بدلتے لیکن ایک وقت میں ایک لفظ کا بولنا صحیح ہوتا ہے، دوسرے وقت میں ممنوع۔“
مطلب یہ کہ نبوت کی حقیقت جو انبیاء کرام کو حاصل تھی وہی ائمہ کو بھی حاصل تھی۔

وحی ان پر بھی نازل ہوتی تھی اور ان پر بھی، مگر اس حقیقت پر پہلے زمانے میں نبی اور وحی کا لفظ بولنا جائز تھا، اب جائز نہیں رہا۔ ماشاء اللہ کیا عجب تحقیق ہے۔
 اس پوری بحث کو بغور و تدبر پڑھئے اور پھر فرمائیے کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا کیا وہ بقول آپ کے محض سوء ظن کی بنا پر لکھا تھا اور محض تہمت تراشی کی تھی، یا آپ کے مذہب کی ٹھیک ٹھیک تر جملانی کی تھی؟

ع ”بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر“

چوتھی بحث : ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات

- آغاجاب نے آیت اللہ العظمیٰ جناب محمد جواد مغنیہ کی کتاب ”الشیعة فی المیزان“ (صفحہ ۴۳ تا ۴۵) سے طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:
- ۱۔ ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے یاتک کا کامل احاطہ رکھتے ہیں۔
 - ۲۔ ان کے علوم کتاب و سنت تک محدود ہیں۔
 - ۳۔ ان کا علم وہی نہیں، کسی ہے، اور جو شخص اس کے خلاف کہے وہ۔ بقول ان کے۔ جابل ہے۔
 - ۴۔ ائمہ کو علم غیب نہیں ہوتا، جن اخبار میں ان کی طرف علم غیب منسوب کیا گیا ہے وہ ”با جماع مسلمین“ مردود ہیں۔
- ان میں سے پہلی بات تو شیعہ عقائد کے مطابق ہے، باقی سب غلط ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے ائمہ کے حیرت انگیز علمی کمالات کے بارے میں حضرات امامیہ کا موقف ذکر کیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے؟ اس لئے ان دونوں نکتوں کو دو الگ بحثوں میں ذکر کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

ائمہ کے علمی کمالات کے بارے میں شیعہ عقائد

پہلا عقیدہ

ائمہ، کتاب و سنت کے علوم کا الف سے تک ایسا کامل احاطہ رکھتے ہیں کہ ان کو قرآن و سنت کے کسی لفظ اور کسی حکم میں نہ کبھی اشتباہ ہوتا ہے، نہ سو و نسیان ہوتا

ہے۔ نہ انہیں غور و فکر اور اجتہاد رائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دوسرا عقیدہ

ائمہ کو قرآن و حدیث کے علاوہ تورات، زبور اور دیگر کتب آسمانی و صحیف ربانی کا بھی کامل علم ہوتا ہے اور وہ ہر کتاب کو اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحج کے ایک باب کا عنوان ہے:

❖ (ان الائمة عليهم السلام عندهم جميع الكتب التي نزلت من) ❖

❖ (عند الله عز وجل وانهم يعرفونها على اختلاف ألسنتها) ❖

(اصول کافی صفحہ ۲۲۷، جلد ۱)

ترجمہ: "ائمہ کے پاس اللہ عز و جل کی نازل کردہ تمام کتب موجود ہوتی ہیں اور وہ جس زبان میں بھی ہوں یہ حضرات ان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

❖ (آخر فی ان عندهم صلوات الله عليهم كتب الانبياء) ❖

❖ (عليهم السلام يعرفونها على اختلاف لغاتها) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: "یعنی ائمہ صلوات اللہ علیہم کے پاس تمام انبیاء کی کتب موجود ہیں خواہ وہ کسی زبان میں ہوں یہ حضرات ان کو پڑھ لیتے ہیں۔"

اس مدعا کے ثبوت میں علامہ مجلسی نے ۲۷ روایات ذکر کی ہیں۔ ایک مختصری روایت ملاحظہ فرمائیں:

۷۔ يد: أبي عن أحمد بن إدريس و عهد المطار معاً عن الأشعري عن ابن هاشم عن عهـ بن حنـاد عن الحسن بن إبراهيم عن يونس عن هشام بن الحكم في خبر طويل قال: جاء بربهة جانيق^(۱) النصارى فقال لأبي الحسن عليه السلام: جعلت فداك أننى لكم التوراة والانجيل و كتب الأنبياء؟ قال: هي عندنا ورائة من عندهم يقرأها كما قرأوها ويقولها كما قالوها، إن الله لا يجعل حجة في أرضه يسأل عن شيء فيقول: لا أدري الخبر^(۲)

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱، جلد ۲۶) (اصول کافی صفحہ ۲۲۷، جلد ۱)

ترجمہ : ”ہشام بن حکم ایک طویل روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ
برہبہ جاثلیق نصرانی ابوالحسن علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ پر
قرآن، یہ تورات و انجیل اور دیگر کتب انبیاء آپ کے پاس کہاں سے
آئیں؟ فرمایا: ہمارے پاس یہ کتابیں انبیاء کی وراثت کے طور پر پہنچی ہیں۔ ہم
ان کو اسی انداز سے پڑھ سکتے ہیں جیسے وہ حضرات پڑھتے تھے۔ اور ہم بھی انہی
کی طرح ان کی تفسیر و تشریح پر قدرت رکھتے ہیں۔ (اور یہ اس بنا پر ہے کہ)
اللہ تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کو دنیا میں حجت نہیں بناتے جو پوچھنے پر یہ کہہ دے
کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں۔“

تیسرا عقیدہ :

وہ تمام علوم جو انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کو الگ الگ دیئے گئے وہ
سب کے سب ائمہ کو مجموعی طور پر عطا کئے گئے، اس لئے ائمہ انبیاء و ملائکہ کے علوم کے
جامع ہیں۔

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

❖ (ان الائمة و رثوا علم النبی و جمیع الانبیاء والاوصیاء) ❖

❖ (الذین من قبلہم) ❖

(اصول کافی صفحہ ۲۲۳، جلد ۱)

ترجمہ : ”ائمہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام گزشتہ انبیاء و
اوصیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔“

بحار الانوار کتاب الامتہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

❖ (ان عندهم جمیع علوم الملائکۃ والانبیاء و انہم اعطوا ما اعطاه اللہ) ❖

❖ (الانبیاء علیہم السلام ، و ان کل امام بعلم جمیع علم الامام الذی) ❖

❖ (قبلہ ولا یبقی الارض بغیر عالم) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۱۵۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ان حضرات کو تمام ملائکہ و انبیاء کے علوم حاصل ہوتے ہیں اور ان کو وہ سب کچھ عطا ہوتا ہے جو اللہ انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے۔ اور ہر امام، اپنے سے پہلے امام کے جمیع علم پر عبور رکھتا ہے۔“

اس باب کی ۶۳ روایتوں میں سے ایک مختصر سی روایت:

۶۔ فس : أنى عن ابن أبي عمير عن ابن أذينة عن أبي عبد الله عليه السلام قال : وقال

أمير المؤمنين صلوات الله عليه : ألا إن العلم الذى هبط به آدم من السماء إلى الأرض وجميع ما فضلت به النبيون إلى خاتم النبيين في عترة خاتم النبيين (۱۶).

(بحار الانوار صفحہ ۱۲۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادق فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا: یاد رکھو، آدم علیہ السلام جو علم لے کر آسمان سے زمین پر اترے اور خاتم النبیین تک تمام انبیاء کو جس علم سے شرف بخشا گیا وہ سب خاتم النبیین کی عمرت کو منتقل ہو گیا۔“

چوتھا عقیدہ

ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اصول کافی کتاب الحج کے ایک باب کا عنوان ہے:

”ان الائمة يعلمون جميع العلوم التى خرجت الى الملائكة والانباء والمرسل“

ترجمہ: یعنی ائمہ ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو ملائکہ کو دیئے گئے۔ اور تمام انبیاء اور رسولوں کو اپنے اپنے وقت میں دیئے گئے۔“

بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

”انهم اعلم من الانبياء عليهم السلام“

(صفحہ ۱۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”یعنی ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“

اس دعویٰ کو موصوف نے ۱۳ روایات سے ثابت کیا ہے۔

بحار الانوار ”باب جامع فی صفات الامام و شرائط الامامتہ“ میں حضرت امیرؑ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے :

علم الانبياء في علمهم و سر الأوصياء في سرهم و عز الأولياء في عزهم كالقطرة في البحر والذرة في الفجر ، والسموات والأرض عند الامام كبدن من راحته يعرف ظاهرها من باطنها و يعلم برها من فاجرها و باطنها و باطنها ، لأن الله علم بيته علم ما كان و ما يكون و ورث ذلك السر الموصون الأوصياء المنجبون ، ومن أنكر ذلك فهو شفو ملعون بلعنه الله و بلعنه اللاعنون .

(بحار الانوار صفحہ ۱۷۳، جلد ۲۵)

ترجمہ : ”ان ائمہ کے علم کے مقابلہ میں انبیاء کے علم کو، ان کے سر (بجید) کے سامنے اوصیاء کے اسرار کو اور ان کے مرتبہ کے مقابل اولیاء کے مراتب کو وہی نسبت ہے جو سمندر سے قطرہ کو اور صحرا سے ایک ذرہ کو ہوتی ہے۔ آسمان و زمین امام کے نزدیک اس کے ہاتھ کی پتیلی کی طرح ہیں۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ، ان کے اچھے برے سے واقف اور ان کے خشک و تر کا عالم ہوتا ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”ما کان وما یکون“ کا علم عطا کر دیا اور یہ منتخب اوصیاء اس محفوظ راز (بجید) کے وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس بات کا انکار کیا وہ شقی و ملعون ہے اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اس پر لعنت ہو۔“

پانچواں عقیدہ

ائمہ ”ما کان وما یکون“ کا علم رکھتے ہیں، ان سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اصول کافی الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے :

”ان الائمة يعلمون علیہ ما کان وما یکون و اند لا یخفی

علیہم الشئ صلوات اللہ علیہم“ (صفحہ ۲۶، جلد ۱)

ترجمہ : یعنی ائمہ ”ما کان وما یکون“ کا علم رکھتے ہیں۔ اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے :

- ❖ (انہم علیہم السلام لایجب عنہم علم السماء والارض والجنة والنار) ❖
 ❖ (وانہ عرض علیہم ملکوت السماوات والارض و یعلمون علم ماکان) ❖
 ❖ (وما یكون الی يوم القيامة .) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۱۰۹ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ان سے آسمان وزمین اور جنت ودوزخ کا علم پوشیدہ نہیں ہوتا۔
 آسمان اور زمین کی پوری کائنات ان کے سامنے کردی گئی ہے۔ وہ ”ماکان
 وما یكون“ کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی ابتدا سے اب تک جو کچھ ہو چکا اور جو قیامت
 تک ہو گا وہ سب ان کو معلوم ہے۔“

اس باب کے تحت ۲۲ روایتیں درج کی ہیں، ایک روایت ملاحظہ فرمائیں :

۲۶ - مصباح الانوار باسناده إلى المفضل قال : دخلت علی الصادق عليه السلام ذات
 يوم فقال لی : یا مفضل هل عرفت غیا و علیاً ، ناطقة و الحسن و الحسن عليه السلام کہ
 معرفتہم ؟ قلت یا سیدی وماکنہ و معرفتہم ؟ قال : یا مفضل من عرفہم کہہ معرفتہم کان
 مؤمناً فی السموات الاعلی .

قال : قلت : عرفنی ذلک یا سیدی ، قال : یا مفضل تعلم انہم علموا ما خالق اللہ
 عز وجل و ندأ و برأہ ^(۱) و انہم کلمة التقوی و خز ان السماوات و الارض و الجبال
 و الرمال و البحار و علموا کم فی السماء من نجم و ملک و وزن الجبال و کیل ماء البحار
 و أنهارها و عبودها و ما تسقط من ورقة إلا علموها و لاجبة فی ظلمات الارض و لارطب
 ولا یابس إلا فی کتاب مبین و هو فی علمہم و قد علموا ذلک .

فقلت : یا سیدی قد علمت ذلک و أفرت بہ و آمنت ، قال : نعم یا مفضل .
 نعم یا مکرم ، نعم یا محبوب ، نعم یا طیب طبت و طابت لك الجنة و لكل مؤمن بها . ^(۱)
 (بحار الانوار صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”مفضل سے روایت ہے کہ ایک روز میں امام صادقؑ کی خدمت
 میں حاضر ہوا، تو مجھ سے پوچھا: اے مفضل! کیا تجھے محمدؐ علیؑ فاطمہؑ اور حسن و
 حسینؑ علیہم السلام کی معرفت کی گہرائی حاصل ہے؟ میں نے عرض کیا، یا
 سیدی! ان کی معرفت کی گہرائی کیا ہے؟ فرمایا: جس شخص کو ان کی معرفت کی

گہرائی حاصل ہو گئی وہی اعلیٰ پائے کا مومن شمار ہو گا۔
میں نے عرض کیا: یاسیدی! تو مجھے یہ چیز بتلا دیجئے۔ فرمایا: اے مفضل!
تو پھر جان لے کہ ان کو اللہ عز و جل کی ہر طرح کی پوری مخلوق کے بارے میں
علم حاصل ہے۔ یہ حضرات کلمۃ التقویٰ ہیں اور آسمانوں اور زمین،
پہاڑوں اور صحراؤں اور سمندروں کے خزانچی ہیں۔ ان کو یہ سب معلوم ہے
کہ آسمان میں کتنے ستارے ہیں، کتنے فرشتے ہیں، پہاڑ کتنے وزنی ہیں،
سمندروں، دریاؤں اور چشموں کے پانی کی کتنی مقدار ہے۔ جو بھی پتہ گرے
ہے ان کے علم میں ہوتا ہے۔ زمین کے اندھیروں میں کوئی ذرہ ایسا نہیں اور
نہ کوئی خشک و تر ایسا جو کتب مبین میں درج نہ ہو۔ اور ان کو یہ سب کچھ
معلوم ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا: یاسیدی! مجھے اب یہ سب معلوم ہو گیا، میں اس کا
اقرار کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ فرمایا: مبارک ہو تجھے اے مفضل،
مبارک ہو اے مکرم! مبارک ہو اے خوش بخت! مبارک ہو اے پاکیزہ
نفس! تجھے اور اس عقیدے پر ایمان لانے والے ہر شخص کو جنت مبارک
ہو۔

چھٹا عقیدہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور اسی طرح دوسرے ائمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے ساتھ علم میں برابر کے شریک تھے۔ وہ تمام علوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو عطا کئے گئے، وہ سب حضرت علیؑ کو اور دیگر ائمہ کو بھی دیئے گئے۔ اصول کافی کتاب
الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

”ان اللہ عز و جل لم یعلم نبیہ علماً الا امرہ ان یعلمہ
امیر المؤمنین علیہ السلام وانہ کان شریکہ فی العلم“
ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم بھی سکھایا اس
کے بارے میں آپ کو حکم دیا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کو بھی سکھا دیں۔
اور امیر المؤمنین علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر کے
شریک تھے۔“

اس میں حضرت صادقؑ سے نقل کیا ہے :

۱۔ علی بن ابراہیم ، عن ابیہ ، عن ابن ابی عمیر ، عن ابن اذینہ ، عن عبد اللہ ابن سلیمان ، عن حران بن أعین ، عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال : - - - - - لم یعلم اللہ تعالیٰ علیاً إلّا وأمره أن یعلمہ علیاً علیہ السلام

(اصول کافی صفحہ ۲۶۳ جلد ۱)

ترجمہ : ”نہیں سکھایا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم مگر آپ کو حکم دیا کہ یہ علم علی علیہ السلام کو بھی سکھادیں۔“
ایک دوسری روایت میں حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے :

۲۔ محمد بن یحییٰ ، عن محمد بن الحسن ، عن محمد بن عبد الحمید ، عن منصور بن یونس ، عن ابن اذینہ ، عن محمد بن مسلم قال : - - - - - فلم یعلم واللہ رسول اللہ ﷺ حرفاً مما علمہ اللہ عز وجل إلّا وقد علمہ علیاً ثم انتہی العلم إلینا . (ایضاً)

ترجمہ : ”اللہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف بھی جو سکھایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو سکھایا ، پھر وہ علم ہم تک پہنچا۔“

ساتواں عقیدہ

ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے۔
اصول کافی اور بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے :

﴿ انہم یعلمون متى يموتون و انه لا يقع ذلك الا باختيارهم ﴾
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۵ جلد ۲)

ترجمہ : ”اماموں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کب مر گئے؟ اور ان کی موت ان کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتی۔“

اس باب کی پہلی روایت :

۱۔ خص ، یزید : أحمد بن محمد ، ع۔ إمام بن أبي محمود عن بعض أصحابنا قال :

قلت للرضا عليه السلام : الامام يعلم إذا مات ؟ قال : نعم يعلم بالتعليم حتى يتقدم في الأمر
 قلت : علم أبو الحسن عليه السلام بالرطب والريحان المسمومين اللذين بعث إليه يعقبي بن
 خالد ؟ قال : نعم ، قلت : فأكله و هو يعلم ؟ قال : أساء لينفذ فيه الحكم ^(۱) .
 (بحار الانوار صفحہ ۲۸۵ ، جلد ۲۷)

ترجمہ : ”امام رضاؑ سے عرض کیا گیا کہ امام کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا
 ہے ؟ فرمایا ہاں ! اللہ کے بتانے سے جانتا ہے ، تاکہ اس کی پیشگی تیاری
 کرے۔ میں نے کہا ، کیا امام ابو الحسنؑ اس رطب و ریحان کو جانتے تھے جن
 میں زہر ملا کر یحییٰ بن خالد نے ان کے پاس بھیجا تھا۔ فرمایا ، ہاں ! میں نے کہا ،
 پھر امام نے جان بوجھ کر زہر کھایا (تو یہ تو خود کشی ہوئی) ؟ فرمایا ، اللہ نے ان
 پر بھول ڈال دی تھی تاکہ ان کے بارے میں اپنا حکم جاری فرمائے۔“

تیسری بحث کے چھٹے عقیدے کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک
 امام ، سو و نسیان سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں امام کی طرف نسیان کو
 منسوب کر دیا گیا تاکہ امام پر خود کشی کا الزام نہ لگے۔ بہر حال ”دروغ گو را حافظہ
 نباشد“ کا عذر موجود ہے۔

آٹھواں عقیدہ

اماموں کو ہر شخص کے ایمان و نفاق کی حقیقت معلوم ہے۔ ان کے پاس جنتیوں
 اور دوزخیوں کے نام ایک رجسٹر میں لکھے رہتے ہیں۔

بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے :

- ❖ (انہم علیہم السلام يعرفون الناس بحقیقة الایمان و بحقیقة النفاق)
 - ❖ (و عندهم کتاب فیہ اسماء اهل الجنة و اسماء شیعہہم و اعدائہم)
 - ❖ (و انه لا یزیلہم خبر مخبر عما یعلہون من احوالہم)
- (بحار الانوار صفحہ ۱۱۴ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ائمہ ، لوگوں کو حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق کے ساتھ پہچانتے
 ہیں اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے جس میں سارے جنتیوں کے نام ،

ان کے شیعوں کے نام اور ان کے مخالفین کے نام لکھے ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ کسی خبر دینے والے کی خبر ان کو اس علم سے نہیں بنتی جو لوگوں کے حالات کے بارے میں وہ رکھتے ہیں۔"

اس باب کی چالیس روایتوں میں سے ایک روایت، جو اصول کافی میں بھی موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن عبدالعزیز بن المهتدی، عن عبد اللہ بن جنذب، انہ کتب الیہ الرضا علیہ السلام:

وإن شیعتنا لمکتوبون بأسمائهم و أسماء آبائهم، أخذ الله علينا وعليهم الميثاق، يردون موردنا ويدخلون مدخلنا، ليس على ملة الاسلام غيرنا و غیر ہم۔ (بحار الانوار صفحہ ۱۲۳، جلد ۲۶، ۲۷) (اصول کافی صفحہ ۲۳۳، جلد ۱)

ترجمہ: "عبد اللہ بن جنذب سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ان کے نام اپنے مکتوب میں تحریر کیا کہ ہمارے شیعہ کے نام مع ولدیت لکھے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ہم سے اور ان سے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ ہمارے اور ان کے سوا کوئی ملت اسلام پر نہیں۔"

نواں عقیدہ:

امام، دلوں کے بھید تک جانتے ہیں، ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

بحار الانوار کے ایک باب کا عنوان ہے:

- ❖ (انہ لا یجب عنہم شیء من احوال شیعتہم و ماتحتاج الیہ الامۃ من جمیع)
- ❖ (العلوم، و انہم یعلمون ما یصیبہم من البلايا و یصرون علیہا ولو)
- ❖ (دعوا اللہ فی دفعہا لاجیبوا، و انہم یعلمون ما فی الضمائر و علم)
- ❖ (المنایا و البلايا و فصل الخطاب و الموالب)

(بحار الانوار صفحہ ۱۳۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: "ان سے شیعوں کے حالات میں سے اور جن علوم کی امت کو ضرورت ہے، ان میں سے کوئی چیز مخفی نہیں، جو مصائب ان کو پہنچتے ہیں، وہ

ان کو جانتے ہیں ان پر صبر کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کے ٹالنے کی دعا کرتے تو ان کی دعا قبول ہوتی، وہ لوگوں کے دلوں کے بھید جانتے ہیں، موتوں اور مصیبتوں کا علم رکھتے ہیں، ان کو فضل خطاب کا علم ہے اور وہ پیدائشوں کو جانتے ہیں۔“

اس باب کی باون روایتوں میں سے ایک روایت :

۱۶۔ بر : عبدالله بن عامر عن ابن امی بجران قال : كتب أبو الحسن الرضا عليه السلام رسالة و أقرأها قال : قال علي بن الحسين عليه السلام : إنَّ عَمَّا يُرْوَى أَنَّ أَمِينَ اللَّهِ فِي أَرْضِهِ ، فَلَمَّا قُبِضَ عَمَّا يُرْوَى كُنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَثَتِهِ فَحَنَّنَا اللَّهُ فِي أَرْضِهِ ، عِنْدَنَا عِلْمُ الْبَلَايَا وَالْمَنَابَا وَأَسَابِ الْعَرَبِ وَمَوْلِدِ الْإِسْلَامِ ، وَإِنَّا لَنَعْرِفُ الرَّجُلَ إِذَا رَأَيْنَاهُ بِحَقِيقَةِ الْإِيمَانِ وَحَقِيقَةِ النِّفَاقِ ، وَإِنَّا شَبَعْنَا لِمَكْتُوبِينَ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ أَخَذَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَعَلَيْهِمُ الْمِيثَاقَ بِرَدُونِ مَوْرَدِنَا وَبِدْخَانِ مَدْخَلِنَا .
(بحار الانوار صفحہ ۱۳۲ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ابن ابی بجران سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے ایک خط لکھا اور مجھے پڑھوایا۔ اس میں لکھا تھا کہ : علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین میں اللہ کے امین تھے۔ پھر جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھائے گئے تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے۔ چنانچہ زمین میں ہم اللہ کے امین ہیں، ہمیں مصائب و اموات کا بھی علم حاصل ہے اور انساب عرب و مولد اسلام کا بھی، ہم کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایمان و نفاق کی حقیقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیعہ کے نام مع ولایت لکھے ہوئے ہیں، اللہ نے ہم سے اور ہمارے شیعہ سے پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہمارے ہی ٹھکانے میں ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔“

دسواں عقیدہ

امام، تمام زبانیں اور دنیا بھر کی تمام بولیاں جانتے ہیں۔

بحار الانوار ایک باب کا عنوان ہے :

”انہم يعلمون جميع الا لسن واللغات و يتكلمون بها“

ترجمہ: ”امام دنیا کی ساری زبانیں اور ساری بولیاں جانتے ہیں اور تمام زبانوں میں گفتگو فرماتے ہیں۔“

اس سلسلہ کی ایک روایت:

۷ - مختص: ابن یزید عن ابن ابی عمیر عن بعض رجالہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: قال الحسن بن علی علیہ السلام: إن لله مدینتین: إحداهما بالشرق، والأخرى بالمغرب، عليهما سور من حديد، وعلى كل مدينة ألف باب مصرعين من ذهب، وفيها سبعون ألف لغة يتكلم كل لغة بخلاف لغة صاحبتها وأنا أعرف جميع اللغات وما فيهما وما بينهما، وما عليهما حجة غیری و غیر أخي الحسن علیہ السلام۔^(۱)

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۹۲، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ امام حسنؑ نے فرمایا: اللہ کے دو شہر ہیں۔ ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں۔ ان کے گرد لوہے کی فسیل ہے۔ ہر شہر کے دس لاکھ دروازے ہیں، جن کے کواڑ سونے کے ہیں۔ ہر شہر میں سات کروڑ زبانیں بولی جاتی ہیں جو ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ مجھے ان تمام زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے اور ان شہروں کے اندر اور ان کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، میں اس کو بھی جانتا ہوں۔ ان دونوں شہروں پر صرف مجھے اور میرے بھائی حسینؑ کو ہی ”حجت“ بنایا گیا ہے۔“

شیخ مفید کی ایک عبارت نقل کر کے علامہ باقر نجاشی لکھتے ہیں:

أقول: أما كونهم عالمن باللغات فلاخبار فيه فريضة من حدّ الثوائر و بانسمام الاخبار العامة لا يبقى فيه مجال شك، و أما علمهم بالصناعات فعمومات الاخبار المستفيضة دالة عليه، حيث ورد فيها أن الحجة لا يكون جامعاً في شيء يقول: لا أدري. مع ماورد أن عندهم علم ما كان و ما يكون و أن علوم جميع الأنبياء وصل إليهم، مع أن أكثر الصناعات منسوبة إلى الأنبياء عليهم السلام، و قد فسر تعليم الأسماء لآدم عليه السلام بما يشمل جميع الصناعات.

وبالجملة لا ينبغي للمتبع الشك في ذلك أيضاً.

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ یہ عقیدہ کہ ائمہ کو تمام زبانوں پر عبور حاصل تھا اس بارے میں روایات حد تو اکثر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اگر عامہ کی (یعنی اہل سنت کی) روایات کو بھی ان کے ساتھ ملا لیں تو اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ رہا یہ کہ ان کو صناعات کا بھی علم ہوتا ہے تو روایات مشہورہ و مستفیضہ کا عموم اس کی دلیل ہے۔ جیسا کہ یہ روایت کہ ”حجت“ کسی چیز سے ناواقف نہیں ہوتا کہ یوں کہے ”مجھے معلوم نہیں“ اسی طرح اس مضمون کی روایات کہ ان کو ماکان و مایکون کا علم حاصل تھا اور یہ کہ تمام انبیاء کے علوم بھی ان کے پاس تھے۔ جبکہ اکثر صناعات انبیاء علیہم السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی جو تعلیم دی گئی اس کی تفسیر اس طرح کی گئی جو تمام صنعتوں کو شامل ہے۔ الغرض غور و فکر کرنے والے کو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

گیارہواں عقیدہ

امام، پرندوں اور چرندوں کی بولیاں بھی جانتے ہیں۔
ایک باب کا عنوان ہے:

- ❖ ما یحبہم علیہم السلام من الدواب والطيور ❖
- ❖ (و ما کتب علی جناح الہمد من فضلہم) ❖
- ❖ (و انہم یعلمون منطق الطیور والبهائم) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۱ جلد ۲۷)

ترجمہ: ”چوپائے اور پرندے ان سے محبت رکھتے ہیں، بدبذ کے پروں پر ان کی فضیلت لکھی ہے اور وہ پرندوں اور بہائم کی بولیاں جانتے ہیں۔“

بارہواں عقیدہ

پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحہ میں اس کے بعد والے امام کو تمام علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔
اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ وقت ما يعلم الامام جميع علم الامام الذي كان قبله ﴾
 علیہم جمیعاً السلام

(صفحہ ۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”امام کو اس کے پہلے امام کے تمام علوم کس وقت حاصل ہوتے ہیں؟“

اس باب میں امام صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہے:

۲۔ محمدؑ، عن محمد بن الحسين، عن علي بن أسباط، عن الحكم بن مسكين، عن عبيد بن زرارة وجماعة معه قالوا: سمعنا أبا عبد الله عليه السلام يقول: يعرف الذي بعد الإمام علم من كان قبله في آخر دقيقة تبقى من روحه.
 (صفحہ ۷۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”جو شخص امام کے بعد امام بنتا ہے وہ اپنے سے پہلے امام کی زندگی کے آخری منٹ میں اس کے تمام علوم کو جان لیتا ہے۔“

اگرچہ ائمہ کے علوم کے بارے میں حضرات امامیہ کے دیگر عقائد بھی ہیں، مگر میں بارہ اماموں کے بابرکت عدد کی مناسبت سے فی الحال انہی بارہ عقائد کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

پانچویں بحث : ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے

حضرات امامیہ نے ائمہ کے علوم کے بہت سے ذرائع ذکر کئے ہیں۔ یہاں ان ذرائع کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے :

پہلا ذریعہ : کتاب و سنت

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب و سنت کے علوم حاصل کئے، لیکن حضرات امامیہ کے نزدیک حضرات ائمہ، قرآن و سنت کے علوم میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں جو ان کے سوا امت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ ان کی چند امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں :

اول : جیسا کہ جناب محمد جواد مغنیہ نے ”الشیعة فی المیزان“ میں لکھا ہے وہ الف سے تک قرآن و سنت کا علم محیط رکھتے ہیں۔ ہر آیت کی تزیل و تاویل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اور تقریر انہیں سورۃ فاتحہ کی طرح ہمہ وقت یاد رہتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی آیت کی تزیل و تاویل میں ان کا فہم چوک جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت ان کے حافظہ سے نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز صرف انہی حضرات کو حاصل ہے، اس لئے ائمہ کو اجتہاد و قیاس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور نہ ان کے کسی فتویٰ میں سہو و نسیان اور بھول چوک کا امکان ہے۔

دوم : امامیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم میں برابر کے شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی تھی کہ ان کو

من جانب اللہ جو بات بھی بتائی جائے وہ حضرت علیؑ کو ضرور بتائیں۔ ان کے علاوہ کسی کو بتانے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لئے علوم نبویؐ میں بہت سی باتیں صرف حضرت علیؑ کو معلوم تھیں، ان کے سوا دوسرا کوئی ان کو نہیں جانتا تھا۔ اور حضرت علیؑ کا پورا علم یکے بعد دیگرے ائمہ کو منتقل ہوتا رہا۔

سوم: قرآن و سنت سے متعلق ائمہ کے علوم اسی طرح قطعی و یقینی تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم قطعی تھے۔ اس لئے صرف انہی کا علم لائق اعتماد ہے، ان کے سوا کسی کا علم لائق اعتماد نہیں۔

یہاں اصول کافی کتاب الحج کے چند عنوانات ملاحظہ فرمائیے:

الف: ﴿اِنَّ لَمْ يَجْمَعْ الْوَرَّانُ كُلَّهُ اِلَّا الْاَلَمَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالْهَم﴾
﴿يَعْلَمُونَ عِلْمَهُ كُلَّهُ﴾

(اصول کافی..... صفحہ ۲۲۸ جلد ۱)

ترجمہ: ”پورے قرآن کو ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور ائمہ پورے قرآن کا علم رکھتے ہیں۔“

ب: ﴿اِنَّ اَهْلَ الذِّكْرِ الَّذِيْنَ اَمَرَ اللّٰهُ الْخَلْقَ بِوَالِهَمُ هُمُ الْاَلَمَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾
(اصول کافی..... صفحہ ۲۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم آیا ہے، ان سے مراد ائمہ ہیں۔“

ج: ﴿اَنْ مِنْ وَصَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ كِتَابِهِ بِاَمٍّ هُوَ الْاَلَمَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾
(اصول کافی..... صفحہ ۲۱۲ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن کو ”عالم“ کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔“

د: ﴿اِنَّ الرَّاٰخِیْنَ فِی الْعَالَمِ هُمُ الْاَلَمَةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ﴾
(اصول کافی..... صفحہ ۲۱۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”قرآن کریم میں جن کو راسخین کہا گیا ہے، وہ صرف ائمہ ہیں۔“

مختصر یہ کہ قرآن و سنت کا نزول صرف ائمہ کے لئے ہے، اور بس۔

دوسرا ذریعہ : کتب سابقہ

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے حامل تھے۔ ان کے پاس کتب سابقہ بھی موجود رہتی تھیں اور یہ حضرات ان کی تلاوت بھی فرماتے تھے۔ پس جس طرح ائمہ، کتاب و سنت کے علوم پر احاطہ کامل رکھتے تھے اسی طرح کتب سابقہ اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے علوم پر بھی ان کا علم محیط تھا۔ اور آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی حرف ان سے غائب نہیں تھا۔

تیسرا ذریعہ : روح القدس

اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ کی پانچ روحوں میں سے ایک کا نام ”روح القدس“ ہے۔ اسی روح القدس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حامل نبوت تھے۔ اور اس روح کی وجہ سے ائمہ پر چودہ طبق روشن رہتے ہیں، اور وہ عرش سے فرش تک اور فرش سے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں۔

چوتھا ذریعہ : روح اعظم

اس کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے کہ جبریل و میکائیل اور مائیکہ سے عظیم تر ایک مخلوق کا نام ”الروح“ ہے اور وہ ہمیشہ ائمہ کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی ”روح اعظم“ کے ذریعہ ائمہ کے علم و فہم کے تمام عقدے حل ہوتے ہیں۔

پانچواں ذریعہ : الصحیفۃ الجامعۃ

شیعہ روایات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں ایک صحیفہ الما کرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بولتے جاتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے۔ یہاں تک کہ ”ستر گز لمبی کتاب“ تیار ہو گئی۔ اس میں تمام حلال و حرام درج تھے۔ اور وہ تمام احکام بھی جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔ حتیٰ کہ خراش کا تاوان تک اس میں درج تھا۔ اس کو ”کتاب علی“ بھی کہا جاتا ہے، ”صحف علی“ بھی، ”الصحیفہ“ بھی اور الجامعہ“ بھی۔

چنانچہ اصول کافی ”باب فیہ ذکر الصحیفۃ و الحفر و الجامعۃ و مسح فاطمۃ علیہا السلام“ میں حضرت صادقؑ کے خاص محرم راز جناب ابو بصیر کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

”میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، یہاں کوئی اور تو نہیں جو میری بات سنتا ہو؟ امام نے وہ پردہ اٹھایا جو ان کے اور دوسرے گھر کے درمیان تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ اندر کوئی نہیں جو جی چاہے پوچھ سکتے ہو۔ میں نے کہا آپ کے شیعہ باتیں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو علم کا ایک باب سکھایا تھا جس سے ہزار باب کھلتے ہیں۔ فرمایا ایک نہیں! بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو ہزار باب سکھائے تھے کہ ہر باب سے ہزار باب کھلتے تھے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے۔ امام تھوڑی دیر زمین کر دیتے رہے، پھر فرمایا کہ یہ علم تو ہے لیکن کچھ ایسا علم نہیں۔“

پھر فرمایا :

قال : ثم قال : يا أبا عبد ! إن عندنا الجامعة وما يدرهم ما الجامعة ؟ قال : قلت : جعلت فداك وما الجامعة ؟ قال : صحيفة طواها سبعون ذراعاً بندا رسول الله ﷺ وإملائه ^(۱) من فلق فيه وخط عليّ بيمينه ، فيها كل حلال وحرام وكل شيء يحتاج الناس إليه حتى الأرش إلى الخدش

(اصول کافی..... صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ : ”اور ہمارے پاس جامعہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ پوچھنے پر فرمایا کہ یہ ایک صحیفہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی پیمائش سے ستر ہاتھ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زبان سے اہل کراتے تھے اور حضرت علیؑ لکھتے جاتے تھے۔ اس میں حلال و حرام کی تمام چیزیں ہیں اور وہ تمام چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آسکتی ہے، حتیٰ کہ خراش کا تاون بھی اس میں لکھا ہے۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے، فرمایا یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

چھٹا ذریعہ : علم جفر

مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ امام تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا :

ثم قال : وإن عندنا الجفر وما يندبهم ما الجفر؟ قال قلت : وما الجفر؟ قال : وعاء من آدم فيه علم النبيين والوصيين ، وعلم العلماء الذين مضوا من بني إسرائيل (اصول کافی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ : ”اور ہمارے پاس جفر بھی ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جفر کیا چیز ہے؟ یہ چمڑے کا ایک برتن یا تھیلہ ہے جس میں پہلے کے انبیاء اور اوصیاء کا علم ہے۔ اور بنو اسرائیل کے ان علماء کا علم ہے جو گزر چکے ہیں۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ علم تو یہ ہے۔ فرمایا، یہ علم تو ہے مگر کچھ ایسا علم نہیں۔

ساتواں ذریعہ : مصحف فاطمہ

اسی روایت میں آگے ہے کہ امام نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا :

قال : وإن عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام وما يندبهم ما مصحف فاطمة عليها السلام؟ قال : قلت : وما مصحف فاطمة عليها السلام؟ قال : مصحف فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرّات، والله ما فيه من قرآنكم حرف واحد، (اصول کافی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱)

ترجمہ : ”اور ہمارے پاس ”مصحف فاطمہ“ ہے اور لوگوں کو کیا خبر کہ ”مصحف فاطمہ“ کیا چیز ہے؟ میں نے پوچھا ”مصحف فاطمہ“ کیا چیز ہے؟ فرمایا، تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ بخدا! اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں۔“

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر کہا کہ واللہ! علم تو یہ ہے۔ فرمایا، یہ علم تو ہے، مگر کچھ ایسا علم نہیں۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس ”ما کان وما یکون“ کا علم ہے۔ میں نے کہا واللہ! علم تو یہ ہے، فرمایا، یہ علم تو ہے مگر

کچھ ایسا علم نہیں، میں نے کہا پھر علم کیا ہے؟ فرمایا، قیامت تک جتنے امور اور جتنی چیزیں یکے بعد دیگرے وقوع میں آتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا علم۔

مصحف فاطمہ کیا چیز ہے

مندرجہ بالا روایت میں مصحف فاطمہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام جعفر صادق ہی کا تفصیلی بیان ”اصول کافی“ کے اسی باب کی دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے! جناب ابوبصیر ہی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ (یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے) فرمایا کہ :

ترجمہ: ”اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو اس دنیا سے اٹھالیا اور آپؐ کی وفات ہو گئی تو فاطمہؑ کو ایسا رنج و غم ہوا، جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو اللہ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو ان کے غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں کیا کرے۔ فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ کو یہ بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تم کو اس فرشتہ کی آمد کا احساس ہو اور اس کی آواز سنو تو مجھ کو بتا دو تو (اس کی آمد پر) میں نے ان کو بتا دیا تو امیر المومنین نے ایسا کیا کہ جو کچھ فرشتے سے سننے اس کو لکھتے جاتے یہاں تک کہ انہوں نے اس سے ایک مصحف تیار کر لیا۔ (یہی مصحف فاطمہ ہے)۔“

(اصول کافی صفحہ ۲۳۰، جلد ۱)

آٹھواں ذریعہ : نور کا ستون

شیعی روایات کے مطابق امام کو نور کا ایک ستون عطا کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ امام اپنی جگہ بیٹھا پوری دنیا میں بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے :

❖ (ان الله تعالى يرفع للامام عموداً ينظر به الى اعمال العباد) ❖

(بحار الانوار صفحہ ۱۳۲ جلد ۲۲)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ امام کے لئے ایک ستون بلند کرتے ہیں جس کے ذریعہ

وہ بندوں کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔“

اس باب کی سولہ روایتوں میں سے امام باقرؑ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام، ماں کے پیٹ میں سب کچھ سنتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کندھے پر آیت ”و تمت کلمۃ ربک“ لکھی ہوتی ہے۔

نمّ یبعث أیضاً له عموداً من نور من تحت بطنان العرش إلى الأرض یری فیہ أعمال الخلائق کلّہا نمّ یشعب له عمود آخر من عند اللہ إلى أذن الامام کلّما احتاج إلى مزید افرغ فیہ إفرغاً. (۱)

(بحر الانوار صفحہ ۱۳۵ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”پھر اس کے لئے نور کا ایک ستون عرش کے نیچے سے فرش تک بلند کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ ساری مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کے لئے ایک اور ستون نکلتا ہے جس کا ایک سر اللہ تعالیٰ کے پاس اور دوسرا سر امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ امام کو جب کسی مزید چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس ستون کے ذریعہ منجانب اللہ امام کے کان میں ڈال دی جاتی ہے۔“

فائدہ: یہ آٹھواں ذریعہ امام باقرؑ کی تصریح کے مطابق دو حقیقت دو ذریعوں پر مشتمل ہے۔ ایک نور کا ستون، جس کے اندر سے امام کو تمام بندوں کے بلکہ تمام مخلوق کے اعمال اور ان کی تمام حرکات و سکنات نظر آتی ہیں، یہ تو گویا امام کے لئے نور کا خدائی ٹیلی ویژن ہے۔ جس کی اسکرین پر امام کو پوری کائنات نظر آتی ہے۔ اور دوسرا ذریعہ وہ نورانی عمود ہے جس کا ایک سر خدا کے پاس اور دوسرا امام کے کان کے پاس ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ نور کی ٹیلیفون لائن ہے جس کے ذریعہ ہمہ دم امام کا اللہ تعالیٰ سے مواصلاتی رابطہ رہتا ہے۔

نواں ذریعہ: فرشتوں سے بالمشافہ ملاقات

کبھی کبھی فرشتے ائمہ سے بالمشافہ ملاقات کرتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔ اصول کافی کتاب الحج میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ أن الائمة تدخل الملائكة یوتہم و تطا بسطہم و نایہم ﴾

﴿ بالاخبار علیہم السلام ﴾

(اصول کافی صفحہ ۳۹۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”فرشتے ائمہ کے گھروں میں آتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور ان کے پاس خبریں لاتے ہیں۔“
اس باب کی ایک روایت:

۴۔ محمد، عن عمار بن الحسن، عن محمد بن أسلم، عن علي بن أبي حمزة، عن أبي الحسن عليه السلام قال: سمعته يقول: ما من ملك يهبطه الله في أمر ما يهبطه إلا بدأ بالامام، فمرض ذلك عليه، وإن مختلف الملائكة من عند الله تبارك وتعالى إلى صاحب هذا الأمر.

(صفحہ ۳۹۳، جلد ۱۔ روایت نمبر ۴)

ترجمہ: ”امام ابوالحسنؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی کسی کام کے لئے بھیجتے ہیں وہ سیدھا سب سے پہلے امام کے پاس آتا ہے اور اس کام کو امام کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور فرشتوں کی آمد و رفت اللہ تعالیٰ کے پاس سے ”صاحب امر“ کی طرف ہوتی ہے۔“
بحر الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿ان الملائكة تاتيهم وتطافرشهم وانهم يرونهم﴾

﴿صلوات الله عليهم اجمعين﴾

(بحر الانوار صفحہ ۳۵۱ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”فرشتے ائمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ان کے بستروں کو روندتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں۔“

اس دعا کے ثبوت میں ۲۶ روایتیں پیش کی ہیں۔

دسواں ذریعہ: فرشتوں کی طرف سے الہام والقاء

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے، ”جملات علوم الائمہ“ یعنی ”ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتا ہے“ اس میں امام صادق کا ارشاد نقل کیا ہے:

۳۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن محمد بن الحسن، عن الفضل بن عمر قال: قلت لأبي الحسن عليه السلام: روينا، عن أبي عبد الله عليه السلام أنه قال: إن علمنا غابر ومزبور وفكت في القلوب ونقر في الأسماع فقال: أما الغابر فما تقدم من علمنا، وأما المزبور فما يأتينا، وأما النكت في القلوب فإلهام. أما النقر في الأسماع فأمر الملك.

(اصول کافی صفحہ ۲۶۳ جلد ۱)

ترجمہ: ”ہمارا علم کچھ تو وہ ہے جو گزر چکا، کچھ وہ ہے جو لکھا ہوا ہے، کچھ وہ ہے جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے اور کانوں میں القاء کیا جاتا ہے۔“ ”جو گزر چکا“ سے مراد وہ علم ہے جو پہلے حاصل ہو چکا۔ ”جو لکھا ہوا ہے“ سے مراد وہ علم ہے جو ہمارے پاس شب و روز آتا ہے۔ ”جو دلوں میں ڈالا جاتا ہے“ اس سے مراد الہام ہے۔ اور ”جو کانوں میں القاء کیا جاتا ہے، وہ فرشتے کا حکم کرنا ہے۔“

بحار الانوار ”کتاب الامتہ میں ایک باب کا عنوان ہے:

﴿جہات علومہم علیہم السلام و ما عندهم من الكتب و انه﴾

﴿ینقر فی آذانہم و ینکت فی قلوبہم﴾

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۸ جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ائمہ کو کن کن ذرائع سے علم حاصل ہوتے ہیں؟ اور ان کے

پاس کون کون سی کتابیں ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ ان کے کانوں میں آوازیں

آتی ہیں اور ان کے دلوں میں علوم القاء کئے جاتے ہیں۔“

اس باب میں حسب عادت ۱۴۹ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ جن میں ان مضامین

کو باصرار و تکرار دہرایا گیا ہے۔ نیز بحار الانوار ”کتاب تاریخ امیر المومنین“ میں ایک

باب کا عنوان ہے:

”ان الله ناجاه، صلوات الله عليه، وان الروح يقى اليه، وجبريل اسلاه“

(صفحہ ۱۵۱، جلد ۳۹)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ سے مناجاتیں کی، روح القدس آپ کو القاء کیا

کر تا تھا اور جبریل نے آپ کو الما کر لئی۔“

پھر اس مدعا کو ۱۹ روایات سے ثابت کیا ہے۔

گیارہواں ذریعہ: ہفتہ وار معراج

شیعی روایات کے مطابق ہر شب جمعہ میں ارواح ائمہ کو معراج ہوتی ہے، وہ

عرش تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بے شمار علوم عطا ہوتے ہیں۔ اصول کافی میں

ایک باب کا عنوان ہے، باب فی الائمة یزدا دون فی لیلۃ الجمعة یعنی

”ہر شب جمعہ کو ائمہ کے علوم میں اضافہ ہوتا ہے“ اور اس کے ذیل میں امام صادق سے

قال کیا ہے:

۱ - حدیثی احمد بن ادریس القمّی وحمّاد بن یحییٰ، عن الحسن بن علی الکوفی عن موسیٰ بن سعدان، عن عبد اللہ بن ایوب، عن أبی یحییٰ الصنعانی، عن أبی عبد اللہ علیہ السلام قال: قال لی: یا أبایحییٰ إن لنا فی لیالی الجمعة لشیئاً من الشان، قال قلت جعلت فداک وما ذاك الشان قال: یؤذن لأرداء الأنبیاء الموتی علیہم السلام وأرواح الأوصیاء الموتی وروح الوسیّ الذی بین ظہرائیکم، یمرج بها إلی السماء حتی توافی عرش ربّها، فنطوف به اسبوعاً وتصلّی عند کلّ قائمة من قوائم العرش رکعتین، ثمّ ترد إلی الأبدان الّتی كانت فیہا فنصبح الأنبیاء والأوصیاء قد ملؤا سروراً ویصبح الوسیّ الذی بین ظہرائیکم وقد زید فی علمہ مثل جمّ الغنیر.

(اصول کافی..... صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴ جلد ۱)

ترجمہ: ”ہمارے لئے جمعہ کی راتوں میں ایک عظیم شے ہوتی ہے۔ میں نے کہا، میں آپ پر فدا ہو جاؤں، وہ کیا شے ہے؟ فرمایا وفات یافتہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور اس طرح فوت شدہ وصیوں کی روحوں کو اور اس زندہ وصی کی روح کو، جو تہملے درمیان موجود ہوتا ہے، اجازت دی جاتی ہے، ان کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب عرش الہی تک پہنچ جاتی ہیں، وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ طواف کرتی ہیں، پھر عرش الہی کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی ہیں، پھر ان سب روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے، جن میں وہ پہلے تھیں، پھر یہ تمام نبی اور وصی اس حالت میں صبح کرتے ہیں کہ مسرت سے لہریز ہوتے ہیں اور وہ وصی جو تہملے درمیان ہے اس حل میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں مثل جم غفیر کے اضافہ ہو جاتا ہے۔“

بحر الانوار میں اسی مضمون کا عنوان ہے، ”باب انہم یزدادون..... وان ارواحہم تعرج الی السماء فی لیلة الجمعة“ اور اس مدعا کے ثبوت میں حسب عادت ۳۷ روایات نقل کی ہیں۔

بارہواں ذریعہ: شب قدر میں نازل ہونے والی کتاب

شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ پر ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور ”الروح“ لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ اصول

کافی ”کتب الحجہ“ میں ایک باب کا عنوان ہے :

باب فی شان انا انزلناہ فی لیلة القدر و تفسیرھا

اس میں امام باقرؑ سے روایت نقل کی ہے :

۷۔ وعن أبي جعفر عليه السلام قال : لقد خلق الله جلّ ذكره ليلة القدر أول ما خلق الدنيا ولقد خلق فيها أول نبي يكون ، وأول وصي يكون ، ولقد قضی أن يكون فی كل سنة ليلة يهبط فيها بتفسير الأمور إلى مثلها من السنة المقبلة ،
(اصول کافی صفحہ ۲۸۰)

ترجمہ: ”امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لیلة القدر کو پیدا کیا سب سے پہلے جب دنیا پیدا کی، اور اس میں سب سے پہلا نبی اور سب سے پہلا وصی پیدا کیا۔ اور یہ تحقیق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہر سال میں ایک ایسی رات ہو جس میں ان تمام احکام کی تفسیر نازل کی جائے جو آئندہ سال کی اس رات تک پیش آنے والے ہیں۔“

اور اصول کافی کتب التوحید ”باب البداء“ میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ :

”انہوں نے قرآن کریم کی آیت شریفہ ”یحموا اللہ ما یشاء ویثبت، وعندہ علم الکتاب“ کی تفسیر میں فرمایا کہ ”وہی چیز مثالی جلتی ہے جو پہلے ثابت ہو اور وہی چیز ثابت کی جلتی ہے جو پہلے نہ ہو۔“

(اصول کافی صفحہ ۱۳۶، جلد ۱۔ روایت نمبر ۲)

علامہ خلیل قزوینی ”صافی شرح کافی“ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے

ہیں :

”برائے ہر سال کتب علیحدہ است مراد کتابیست کہ در ان تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام است تا سہل دیگر، نازل شوند بآں کتب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمین، اللہ تعالیٰ باطل کند بآں کتب آنچه را کہ میخوابد از اعتقادات امام خلافت و اثبات می کند و رو آنچه کہ می خوابد از اعتقادات“
(صافی شرح کافی صفحہ ۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”ہر سال کے لئے ایک کتب علیحدہ ہے، اس سے مراد وہ کتب

ہے جس میں ان حوادث کی تفسیر ہوتی ہے جن کی حلیت امام کو دوسرے سال تک ہے۔ اس کتب کو لے کر فرشتے اور روح شب قدر میں امام زہن پر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتب کے ذریعے سے امام خلافت کے جن اعتقادات کو چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جن اعتقادات کو چاہتا ہے اس کتب میں قائم کرتا ہے۔

تیسرے ہواں ذریعہ: علم نجوم

ائمہ علم نجوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور ستروں کی تاثیر کے قائل تھے۔ روضہ کلنی میں ابو عبد اللہ مدائنی سے روایت ہے کہ امام صادق نے فرمایا:

۳۶۹- عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا ، عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ ، عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَمَلَانَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْمَدَائِنِيُّ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ : إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ نَجْمًا فِي الْفَلَكَ السَّابِعِ فَعَلَقَهُ مِنْ مَاءٍ بَارِدٍ وَسَمَّى النُّجُومَ السَّتَّةَ الْجَارِيَاتِ مِنْ مَاءٍ حَارٍّ وَهُوَ نَجْمُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْصِيَاءِ ، وَهُوَ نَجْمُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَمْرِ بِالْخُرُوجِ مِنَ الدُّنْيَا وَالزُّهْدِ فِيهَا وَيَأْمُرُ بِافْتِرَاشِ التُّرَابِ وَتَوَسُّدِ اللَّبَنِ وَلِبَاسِ الْخَشَنِ وَآكُلِ الْجَشَبِ (۲) وَمَا خَلَقَ اللَّهُ نَجْمًا أَقْرَبَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنْهُ .

(روضہ کلنی..... صفحہ ۲۵۷ جلد ۸)

ترجمہ: ”اللہ نے فلک ہفتم پر ایک ستارہ پیدا کیا ہے، اس ستارے کو ٹھنڈے پانی سے پیدا کیا ہے، اور اس کے سوا اور جو چھ ستارے پانی چھ آسمانوں کے ہیں، ان کو گرم پانی سے پیدا کیا ہے، اور وہی ٹھنڈے پانی کا ستارہ انبیاء اور اوصیاء کا ستارہ ہے اور وہی امیر المؤمنین علیہ السلام کا ستارہ ہے۔ حکم کرتا ہے دنیا سے نکل جانے اور اس کو چھوڑ دینے کا، اور حکم کرتا ہے خاک پر سونے اور اینٹوں سے تکیہ بنانے اور موٹا کپڑا پہننے اور بد مزہ طعام کھانے کا، اور نہیں پیدا کیا ہے اللہ نے کوئی ستارہ جو اس ستارہ سے زیادہ اللہ کا مقرب ہو۔“

ائمہ ستروں کی سعادت اور نحوست کے بھی قائل تھے۔ محمد بن حران اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا:

”مَنْ سَافَرَ أَوْ تَزَوَّجَ وَالْقَمَرُ فِي الْعَقْرِ فَلَمْ يَرِ الْحَسَنِيَّ

(روضہ کلنی..... صفحہ ۲۷۵، جلد ۸)

ترجمہ: ”جس نے سفر کیا یا نکاح کیا ایسے وقت میں کہ ”قمر در عقرب“ ہو، وہ

بھلائی نہ دیکھے گا۔“

ائمہ سے یہ بھی منقول ہے کہ علم نجوم کا ماہر ایک خاندان تو ہندوستان میں ہے اور ایک عرب میں۔ چنانچہ روضہ کلانی میں معلیٰ بن خنیس سے مروی ہے:

۵۰۷۔ غند بن یحییٰ، عن سلمۃ بن الخطاب؛ وعدۃ من اصحابنا، عن سهل بن زیاد (۱۷) جیمًا، عن علی بن حسان، عن علی بن عقیبۃ الزبایات، عن مملیٰ بن خنیس قال: سألت أبا عبد اللہ ؑ عن النجوم أحقُّ منی، فقال: نعم إنَّ الله عزَّ وجلَّ بعث المشتري إلى الأرض في صورة رجل فأخذ رجلًا من العجم فعلمه النجوم حتَّى ظنَّ أنه قد بلغ ثمَّ قال له: أنظر أبین المشتري، فقال: ما أراه في الفلك وما أدري أبین هو، قال: فنحنأه وأخذ يبدل رجل من الهند فعلمه حتَّى ظنَّ أنه قد بلغ وقال: انظر إلى المشتري أبین هو، فقال: إنَّ حسابی ليدلَّ علی أنَّك أنت المشتري، قال: وشقَّ شقَّه فمات وورث علمه أهله فالعلم هناك.

(روضہ کلانی صفحہ ۳۳۰ جلد ۸)

ترجمہ: ”میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ نجوم حق ہے؟ انہوں نے کہا میں حق ہے۔ اللہ نے مشتری ستارے کو آدمی کی صورت بنا کر زمین پر بھیجا تھا، اس نے غم کے ایک شخص کو شاگرد بنایا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری کو یہ مگن ہوا کہ یہ شخص نجوم سیکھ کر کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ بتا مشتری کہیں ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کو آسمان پر نہیں دیکھتا اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کہیں ہے؟ امام نے فرمایا کہ یہ سن کر مشتری نے اس کو جدا کر دیا۔ اور ہند کے ایک شخص کا ہاتھ پکڑا اور اس کو نجوم سکھایا، جب مشتری نے جان لیا کہ وہ اس فن میں کامل ہو گیا تو اس سے پوچھا کہ مشتری کو دیکھ کہ اس وقت کہیں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا حساب یہ بتاتا ہے کہ تو مشتری ہے۔ یہ سن کر مشتری نے ایک نعرہ ملا اور مر گیا۔ اس کے بعد اس ہندی نے جس نے علم سیکھ لیا تھا، اپنے خاندان کو اس علم کا وارث بنا دیا۔ پس یہ علم اسی ملک میں ہے۔“

اس کے بعد اسی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دوسری روایت

ہے کہ:

عن أبي عبد الله عليه السلام قال : سئل عن النجوم قال : ما يعلمها إلا أهل بيت من العرب وأهل بيت من الهند .
(روضہ کافی صفحہ ۳۳۱ جلد ۸)

ترجمہ : ”امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے نجوم کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ نجوم کو کوئی نہیں جانتا مگر ایک خاندان عرب کا اور ایک خاندان ہند کا۔“

مولانا احتشام الدین مراد آبادی نصیحة الشيعة میں لکھتے ہیں :

”امام نے جو یہ فرمایا کہ نجوم کا جاننے والا ایک خاندان عرب میں ہے اور ایک خاندان ہند میں، تو عرب کے خاندان سے تو انہوں نے اپنا خاندان مراد لیا اور ہند میں ہندوؤں کا خاندان جوتش میں مشہور ہے۔ مشہری فقط ایک ہندی کو سکھایا گیا تھا، شاید عرب میں کسی طرح ہند سے یہ فن پہنچا ہو گا۔“ قمر در عقرب ”کی نحوست کی بھی امام نے تصریح فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کا خواص نجوم پر بھی عمل تھا۔ نعوذ باللہ منہا۔“

علامہ مجلسی نے بحار الانوار ”کتاب تاریخ امیر المومنین“ کے باب ۹۳ میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ :

”امیر المومنین علیہ السلام تمام علوم مثلاً قرأت، تفسیر، فقہ، فرائض، روایت، کلام، نحو، خطابت، شعر، وعظ، فلسفہ، ہندسہ، علم نجوم، حساب، کیمیا، اور طب میں ساری دنیا کے امام تھے۔“ (دیکھئے صفحہ ۱۵۶ تا ۱۷۱، جلد ۴۰)

ائمہ علم نجوم کی بدولت سعد و خس اوقات کو بھی جانتے تھے اور دنوں کی نحوست کے بھی قائل تھے۔ چنانچہ ہرمینے کے آخری بدھ کو بطور خاص منحوس جانتے تھے۔ علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے باب دوم کی فصل پنجم میں لکھتے ہیں :

”بہ سند معتبر امام رضاؑ سے منقول ہے کہ ایک مرد شامی نے حضرت امیر المومنینؑ سے قول خدا ”یوم یفر المرء من اخیه“ (آیت ۳۲ سورۃ عبس پ ۳۰) کہ ”جس روز مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا۔“ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا کہ قاتیل ہے جو اپنے بھائی ہانبل

سے بھاگے گا۔ پھر روز چہد شنبہ کی نحوست کے بارے میں دریافت کیا۔
فرمایا کہ وہ آخر ماہ کا چہد شنبہ ہے جو تحت شعلہ میں واقع ہوتا ہے، اسی روز
قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔" (اُردو ترجمہ حیات القلوب ص ۱۳۱ ج ۱)

علامہ مجلسی نے بحار الانوار کتاب السماء و العالم، "ابواب الازمنہ
وانواعها وسعادتها ونحوستها" میں بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ائمہ کے نزدیک
سال کے کس مہینے کا کون سا دن اور کون سی گھڑی سعد اور غم ہے؟ اسی میں ہر مہینے
کے آخری بدھ کی نحوست حضرت امیر المومنینؑ سے بہت مفصل نقل کی ہے۔
(صفحہ ۴۱، جلد ۵۶) یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالحجہ کی ۲۶ تاریخ بڑی مبارک ہے۔ اس میں
روزہ رکھنے کا بڑا ثواب ہے کیونکہ اس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجوسی کے دست
جفا سے شہید ہوئے تھے:

ومن ذلك أن ابن إدريس - دہ - فی سرائره بعد ذکر فضيلة أيام ذي الحجة
وما وقع فيها قال: وفي اليوم السادس والعشرين منه سنة ثلاث وعشرين من الهجرة
لمن مر بن الخطاب، فبينما للإنسان أن يسوم هذه الأيام، فإن فيها فضلاً
كثيراً وثواباً جزيلاً
(بحار الانوار صفحہ ۷۲ ج ۳ ص ۵۵)

ترجمہ: "اور من جملہ اس کے یہ کہ ابن ادریس نے اپنی کتاب "سرائر"
میں ذوالحجہ کے ایام کی فضیلت اور اس ماہ کے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا
ہے کہ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) فحی ہوئے،
پس آدمی کو چاہئے کہ ان دنوں کا روزہ رکھے، کیونکہ ان میں بڑی فضیلت اور
بڑا ثواب ہے۔"

زہے سعادت! کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہادت کے لئے ایسا
بابرکت دن نصیب ہوا۔

عجائبات میں سے ہے کہ ائمہ، مجوسیوں کے مہینوں اور دنوں کی سعادت و
نحوست بھی بیان فرماتے تھے۔ اور معلیٰ بن خنیس کی روایت کے مطابق امام صادق نے

مجوسیوں کے ”نوروز“ کے بڑے فضائل بیان فرمائے۔

(بحار الانوار صفحہ ۹۲، جلد ۵۶)

ائمہ کے ان حیرت انگیز علمی کمالات اور ان کے وسیع علم کے ذرائع پر غور کیجئے، جن کا خلاصہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور پھر انصاف کیجئے کہ آپ کے آیت اللہ محمد جواد مغنیہ کا یہ کہنا کہ ائمہ کا علم قرآن و سنت تک محدود تھا اور یہ کہ ان کے علوم وہی نہیں بلکہ کسی تھے، کیا یہ ائمہ کے حق میں تقصیر بلکہ گستاخی نہیں؟ جناب مغنیہ صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بارہویں امام تو چار پانچ سال کی عمر میں ”لوازمات امامت“ کے ساتھ روپوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے کتاب و سنت کے علم کا اکتساب کس سے کیا تھا؟

چھٹی بحث : امامت، نیابت نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں :

”ہمدی کتب عقائد میں ”امام کی جو تعریف ہے وہ ”نائب نبی“ کی حیثیت میں ہے۔ ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے۔ لہذا لا یخفی علی اہل العلم۔“

اس کے بعد جناب نے علامہ نراقی کی ”کفایۃ الموحدین“، روز بہان کی ”کلمہ الطیب“، شیخ علی بحرانی کی ”منار الہدیٰ“ اور شیخ حلی کے رسالہ ”عقائد“ سے امامت کی تعریف نقل کر کے تحریر فرمایا ہے :

”غرضیکہ عقائد کی جتنی بھی کتابیں قدیم و جدید موجود ہیں، ان میں ”امام“

کو نائب رسول ہی کہا گیا ہے۔“

آنجناب کا یہ ارشاد سر آنکھوں پر کہ آپ کے عقائد کی کتابوں میں ”امام“ کو نائب نبی کہا گیا ہے اور یہ بھی صحیح کہ عقل سلیم کا فتویٰ یہ ہے کہ ”نائب منوب عنہ سے فروتر ہوتا ہے۔“ لیکن اس کا کیا علاج کہ امامیہ، عقل سلیم کے علی الرغم انبیاء کرام علیہم السلام پر ائمہ کی فضیلت کے قائل ہیں اور وہ ائمہ کی طرف منسوب کردہ جھوٹی سچی روایات کے مقابلہ میں نہ خدا اور رسول کی مانتے ہیں، نہ عقل کی سنتے ہیں۔ ان کے محدث اعظم جناب باقر مجلسی نے یہ فتویٰ ہی صادر فرما دیا کہ :

”امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری است“

”امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔“

(حیات القلوب صفحہ ۱۰، جلد ۳)

اور بحار الانوار کتاب الامتہ کے ایک باب کا عنوان ہے :

- ❖ (تفضيلهم عليهم السلام على الانبياء و على جميع الخلق و اخذ)
- ❖ (ميثاقهم عنهم و عن الملائكة و عن سائر الخلق، وان اولي)
- ❖ (العزم انما صاروا اولي العزم بحبهم صلوات الله عليهم)
- (بحار الانوار صفحہ ۲۶۷ جلد ۲۶)

”یعنی ۱۔“ ائمہ علیہم السلام تمام انبیاء سے اور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

۲۔ ائمہ کے بارے میں انبیاء کرام سے، ملائکہ سے اور ساری مخلوق سے عمد

لایا گیا۔ ۳۔ اولوالعزم انبیاء کرام صرف ائمہ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ

سے اولوالعزم بنے تھے۔“

اس باب میں روایات کا ڈھیر لگانے کے بعد ”عقائد صدوق“ کے حوالے سے

لکھتے ہیں :

۔ عد : يجب أن يعتقد أن الله عز وجل لم يخلق خلقاً أفضل من عهد عليه السلام والأنبياء عليهم السلام ، وأنهم أحب الخلق إلى الله عز وجل ، وأكرمهم وأولهم إقراراً به لما أخذ الله ميثاق النبيين في الذر ، وأن الله تعالى أعطى ^(۳) كل نبي على قدر معرفته بيئنا عليه السلام وسبقه إلى الإقرار به ، ويعتقد أن الله تعالى خلق جميع ما خلق ^(۱) له ولا أهل بيته عليهم السلام ، وأنه لولا هم ما خلق النساء ، ولا الأرض ولا الجنة ولا النار ولا آدم ولا حواء ولا الملائكة ولا شيئاً مما خلق ، صلوات الله عليهم أجمعين ^(۲) .

تاسکدونا بید : اعلم أن ما ذكره رحمه الله من فضل بيئنا وأئمتنا صلوات الله عليهم على جميع المخلوقات و كون أئمتنا عليهم السلام أفضل من سائر الأنبياء ، هو الذي لا يرتاب فيه من تتبع أخبارهم عليهم السلام على وجه الإذعان واليقين ، والأخبار في ذلك أكثر من أن تحصى ، وإتساعاً أوردنا في هذا الباب قليلاً منها ، وهي متفرقة في الأبواب لا سيما باب صفات الأنبياء وأسماؤهم عليهم السلام ، و باب أنهم عليهم السلام كلمة الله ، و باب بدو أنوارهم و باب أنهم أعلم من الأنبياء ، و أبواب فضائل أمير المؤمنين و فاطمة صلوات الله عليهما ، و عليه عمدة الامامية ، ولا يأتي ذلك إلا جاعل بالأخبار .

قال الشيخ المفيد رحمه الله في كتاب المقالات : قد قطع قوم من أهل الامامة بفضل الأنبياء من آل عهد عليهم السلام على سائر من تقدم من الرسل والأنبياء سوى بيئنا عهد عليهم السلام و أوجب فريق منهم لهم الفضل على جميع الأنبياء سوى أولي العزم منهم عليهم السلام وأبى

القولین فريق منهم آخر وقطعوا بفضل الانبياء كلهم على سائر الائمة عليهم السلام .
و هذا باب ليس للمقول في ايجابه والمنع منه مجال ، ولا على أحد الاقوال إجماع
وقد جاءت آثار عن النبي صلى الله عليه وآله في أمير المؤمنين عليه السلام وذريته من الائمة عليهم السلام
والأخبار عن الائمة الصادقين عليهم السلام أيضاً من بعد ، وفي القرآن مواضع تقوي
العزم على ما قاله الفريق الأول في هذا المعنى ، وأنا ناظر فيه والله أعظم من الضلال
الشيء ^(۱) .

(بحار الانوار صفحہ ۲۹۷ جلد ۲۶ روایت ۶۳)

ترجمہ: ”یہ عقیدہ لازم ہے کہ اللہ عز و جل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ یہ حضرات اللہ
عز و جل کے ہاں سب سے زیادہ محبوب و معزز ہیں اور عداوت میں یہی
حضرات اولین اقرار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جو کچھ عطا کیا وہ
اسی قدر عطا کیا جس قدر اس کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل
ہوئی۔ اور جس قدر اس نے آپ کا اقرار کرنے کی طرف سبقت کی اور یہ
اعتقاد بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے اہل بیت علیہم السلام کے سبب سے پیدا کیا۔ اور یہ کہ اگر یہ
حضرات نہ ہوتے تو نہ آسمان و زمین کا وجود ہوتا، نہ جنت و دوزخ کا، نہ آدم
و حوا کا اور نہ فرشتوں کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔“

تشریح مزید: معلوم ہو کہ مصدقؑ نے جو ذکر کیا ہے کہ ہمارے نبی اور ائمہ
صلوات اللہ علیہم تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ کہ ائمہ علیہم السلام،
تمام انبیاء سے افضل ہیں، یہ ایسا عقیدہ ہے کہ لزوم و یقین کے ساتھ اخبار کا
تتبع کرنے والا کوئی بھی شخص اس میں شک و شبہ کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس
بارے میں روایات شہ سے باہر ہیں۔ اس باب میں تو ہم نے تھوڑی سی
روایات ذکر کی ہیں، باقی دیگر ابواب میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر
”باب صفات الانبیاء واصنافہم علیہم السلام“، ”باب انہم
علیہم السلام کلمۃ اللہ“، ”باب بدۃ انوارہم“، ”باب انہم اعلم
من الانساء“، ”ابواب فضائل امیر المومنین و فاطمۃ صلوٰۃ اللہ علیہما“
وغیرہ میں۔ اسی عقیدہ پر المیہ کے مذہب کی بنیاد ہے بطور کوئی شخص اس

سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جو روایات سے جہل ہو۔

شیخ مفید کتب العقائد میں لکھتے ہیں کہ:

” (افضلیت ائمہ میں امامیہ کے تین گروہ ہو گئے) ایک گروہ قطعی طور پر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آل محمد میں سے ائمہ علیہم السلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا گزشتہ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک اولوالعزم انبیاء کے علاوہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اور امامیہ میں سے ایک گروہ ان دونوں باتوں کا انکار کر کے تمام انبیاء کی تمام ائمہ پر فضیلت کا قائل ہو گیا۔

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس کے اقرار و انکار میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ ان (تینوں) اقوال میں سے کسی ایک پر اجماع منعقد نہیں ہو سکا۔ البتہ امیر المومنین اور آپ کی اولاد میں ہونے والے ائمہ علیہم السلام کی فضیلت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور بعد میں ائمہ صادقین علیہم السلام کی مرویات اور قرآن کے ارشادات اس مسئلہ میں فریق اول کے قول کی تائید و توثیق کرتے ہیں۔ اور میں اس میں غور کر رہا ہوں۔ اللہ مجھے گمراہی سے بچائے۔ فقط۔“

دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما آیت اللہ العظمیٰ جناب روح اللہ الخمینی اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں الولایۃ التکوینیہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

”وان من ضروریات مذہبنا ان لا نمتنا مقاماً لا یبلغه ملک مقرب ولا نبی مرسل“ (الحکومت الاسلامیہ..... صفحہ ۵۲) ترجمہ: ”یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے کہ نہ کوئی مقرب ترین فرشتہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔“

شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی اور امام خمینی کی ان تصریحات کو پچشم عبرت ملاحظہ فرمائیے کہ شیعہ مذہب کے یہ اکابر و اساطین آئینہ انتخاب کے ذکر کردہ اصول، یعنی

”امام، نائب نبی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نائب منوب عنہ سے درجہ میں فروتر ہوتا ہے“ کی کیسی مٹی پلید کر رہے ہیں؟ وہ اپنے ائمہ کو تمام انبیاء کرام سے بالاتر سمجھتے ہیں اور ائمہ کی روایات کے مقابلہ میں آپ کی عقل کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔

شیعہ مذہب کے غالبانہ عقائد اور حضرات خلفائے راشدینؑ کی کرامت واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب نے حضرات ائمہ کی مدح و ستائش کی قصیدہ خوانی حضرات خلفائے راشدینؑ اور اکابر صحابہؓ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے شروع کی تھی، گویا اس قصیدہ خوانی کا منشاء ”حب علی“ نہیں، بغض معلویہ“ تھا۔ لیکن حضرات خلفائے راشدینؑ اور ائمہ اہل بیت کی کرامت دیکھئے کہ ”بازی بازی، باریش بابا ہم بازی“ کے مصداق شیعہ مذہب نے اس قصیدہ خوانی میں ایسا غلو کیا کہ ایمان بالانبیاء ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، اس غلو سے انبیاء کرام علیہم السلام کی صریح توہین و تحقیر لازم آئی اور اس پر ”مگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی“ کا مضمون صادق آیا۔

اکابر شیعہ کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اس نکتہ کی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ لیکن مناسب ہو گا کہ ان کے ”غلو کی وادی تہ“ میں بھٹکنے کا نظارہ کرنے کے لئے بطور نمونہ چند ایسی غالبانہ روایات ذکر کی جائیں جن کو شیعہ رواۃ و مصنفین نے خود تصنیف کر کے ائمہ طاہرین کے نام لگا دیا ہے اور صدوق، مفید اور مجلسی جیسے منادید شیعہ نے جن پر اپنے مندرجہ بالا عقائد کا محل تعمیر کیا ہے۔

پہلا غلو: ائمہ، انبیاء کرام سے افضل ہیں

اہل عقل جانتے ہیں کہ انسانی مراتب میں سب سے بلند و بالا مرتبہ رسالت و نبوت کا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نوع انسانی میں سب سے اکمل و افضل ہیں۔ لطف و عنایت اور قرب الہی کے جو مراتب عالیہ ان حضرات کو حاصل ہیں کوئی دوسرا ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ افضل ہو۔ لیکن امامیہ کا عقیدہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس سلسلہ میں جو

بہت سی روایات انہوں نے تصنیف کی ہیں ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیے :

الف : محمد بن علی بن الشاہ عن امی حامد عن أحمد بن خالد الخالدي عن محمد بن أحمد بن صالح التميمي عن أبيه عن محمد بن حاتم القطان عن حماد بن عمرو بن جعفر بن محمد عن أبيه عن جده عن علي بن أبي طالب عليه السلام عن النبي ﷺ أنه قال في وصيته له : يا علي إن الله عز وجل أشرف ^(۱) علي الدنيا فاختر لي منها على رجال العالمين ، ثم اطلع الثانية فاختر لي رجال العالمين بعدي ، ثم اطلع الثالثة فاختر الأئمة من ولدك على رجال العالمين بعدي ، ثم اطلع الرابعة فاختر فاطمة على ساء العالمين ^(۲) .

(بحر الانوار صفحہ ۲۶۰ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام جعفر صادق اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علی ! اللہ عز وجل نے روئے زمین پر نگاہ دوڑائی تو اس میں مجھے تمام کائنات کے انسانوں میں جن لیا۔ پھر دوبارہ نگاہ دوڑائی تو میرے بعد تمام کائنات کے انسانوں میں سے تجھے منتخب کر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تیسرے بعد تیری اولاد میں سے ائمہ کو تمام جنوں کے انسانوں میں سے منتخب کر لیا۔ پھر چوتھی مرتبہ نگاہ دوڑائی تو تمام جنوں کی عورتوں میں سے فاطمہ کو چن لیا۔“

ب : مناقب محمد بن أحمد بن شاذان القمي عن أبي معاوية عن الأعمش عن أبي دائل عن جده قال : قال رسول الله ﷺ : قال قال لي جبرئيل عليه السلام : يا محمد علي خير البشر من أبي فقد كفر .

(بحر الانوار صفحہ ۳۰۶ جلد ۲۶)

ترجمہ : ”مناقب قمی میں عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے بتایا ہے کہ اے محمد ! علی خیر البشر ہیں۔ جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے۔“

ج : و باسناده عن الرضا عن آباءہ عليهم السلام قال : قال رسول الله ﷺ لعلي بن أبي طالب عليه السلام : يا علي أنت خير البشر لا بشك فيه إلا كافر (ايضاً)

ترجمہ: "امام رضا کی اپنے آہم علیم السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! آپ خیر البشر ہیں۔ اس میں کفر کے سوا کوئی شک نہیں کر سکتا۔"

د: - وعن أس عن عائشة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: علي بن أبي طالب خير البشر من أبي قحط. (ایضاً)

ترجمہ: "حضرت انسؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ علی بن ابی طالب خیر البشر ہے۔ جس نے اس سے انکار کیا وہ کفر ہو گیا۔"

۴: - ومنه فلاحاً من الكتب المذكور بحلف الاسناد عن أمير المؤمنين عليه السلام قال رسول الله ﷺ: أنا سيد الأولين والأخمين، وأنت يا علي سيد الخلائق بعدي، أولنا كآخرنا وآخرنا كأولنا. (بحر الانوار..... صفحہ ۳۱۹ جلد ۲)

ترجمہ..... "امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اولین و آخرین کا سرور ہوں۔ اور میرے بعد اے علی! تو ہی سید الخلائق ہے۔ اہل پہلا اہل و پہلے کی مانند ہے۔ اور اہل اچھلا اہل و پہلے کی مانند ہے۔"

ز: - ومنه فلاحاً من كتاب الحسن بن كيش عن أبي بندر رضوان الله عليه قال: نظر النبي ﷺ إلى علي عليه السلام فقال: هذا خير الأولين وخير الآخرين من أهل السماوات وأهل الأرضين، هذا سيد الصديقين وسيد الوصيين (۱) الخبر. ترجمہ: "ابو زر رضوان اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: یہ شخصیت آسمانوں اور زمینوں کے اولین و آخرین میں سے سب سے افضل ہے۔ اور یہ تمام صدیقین اور اوصیاء کے سرور ہیں۔"

ح: - ومنه قال: روى عن الصادق عليه السلام أنه قال: علمنا واحداً وفضلنا واحداً ولعن شيء واحد. (۱) (بحر الانوار..... صفحہ ۳۱۹، ۳۱۷ جلد ۲)

ترجمہ: ”امام جعفر صادق سے روایت ہے فرمایا: ہذا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کا) علم یکساں ہے۔ اور ہمدی فضیلت ایک ہے اور (درحقیقت) ہم ایک ہی کچھ ہیں۔“

دوسرا غلو: ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں

شیعہ کا یہ عقیدہ اوپر بت تفصیل سے گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک انبیاء کرام کا علم ائمہ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو قطب کو دریا سے اور ذرہ کو صحرا سے ہوتی ہے۔ اس باب میں ان کی تصنیف کردہ روایات جو ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں حد شمار سے باہر ہیں۔ جن میں سے چند روایات اوپر گزر چکی ہیں۔ یہاں علامہ باقر مجلسی کی بحوالہ الانوار کتاب الامامت ”باب انہم اعلم من الانبیاء علیہم السلام“ (یعنی ائمہ، انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں) کی تین روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

الف: - یروى: علی بن محمد بن سعید عن حداد بن سلیمان ^(۱) عن عبيد الله بن محمد البامی عن مسلم بن الحجاج عن یونس عن الحسن بن علوان عن ابي عبد الله عليه السلام قال: ان الله خلق ^(۲) اولی العزم من الرسل و فضلهم بالعلم و اودنا علمهم و فضلنا عليهم في علمهم ، و علم رسول الله صلى الله عليه و آله ما لم يعلموا ، و علمنا علم الرسول و علمهم . ^(۳)

(بحوالہ الانوار صفحہ ۱۹۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام صادق“ نے فرمایا: اللہ نے اولوالعزم انبیاء و رسل کو پیدا فرمایا اور ان کو علم عطا کر کے فضیلت بخشی۔ اور ان کے علم کا ہمیں وارث ٹھہرایا اور علم میں ہمیں ان پر فضیلت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم عطا کیا جو اولوالعزم رسول کو بھی نہ دیا تھا۔ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء اولوالعزم کا سدا علم عطا کر دیا۔“

ب: - یروى: إسماعیل بن شعيب عن حلی بن إسماعیل عن بعض رجاله قال: قال أبو عبد الله عليه السلام لرجل: تمسّون النجاد و تدعون الشهر الأعظم ^(۱) . فقال الرجل: ما معنى بهذا يا بن رسول الله؟ فقال: علم النبي صلى الله عليه و آله علم النبيين بأسره ، و أوحى الله

إلى عبد الله بن مسعود فجملة عند عند علي عليه السلام .

فقال له الرجل : فإني أعلم أو بعض الأنبياء ؟ فنظر أبو عبد الله عليه السلام إلى بعض أصحابه فقال : إن الله يفتح مسامع من يشاء ، أقول له : إن رسول الله ﷺ جعل ذلك كله عند علي عليه السلام فيقول : علي عليه السلام أعلم أو بعض الأنبياء (۴) .
(بحار الأنوار صفحہ ۱۹۵، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام صادقؑ نے ایک شخص کو تنبیہ فرمایا : (تعجب ہے) تم لوگ علم کے لئے پتھر کو چوستے ہو مگر بے پایاں دریا سے گریز کرتے ہو۔ اس شخص نے پوچھا : اے ابن رسول اللہ! اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا : نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کا مجموعی علم، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا، پھر وہ محمدؐ نے علی علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔

وہ شخص (حیرت کے ساتھ) آپ سے پوچھنے لگا کہ پھر علیؑ کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا؟ امامؑ نے (اپنے گرد بیٹھے ہوئے) اپنے بعض اصحاب کی طرف دیکھا اور (تعجب کے انداز میں) فرمایا، اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے کان کھول دیتا ہے، میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کے تمام علوم علی علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور یہ پوچھتا ہے کہ ”علی علیہ السلام کا علم زیادہ تھا یا بعض انبیاء کا۔“

ج :۔ یرو : عبد بن الحسين عن أحمد بن بشير (۶) عن كثير عن أبي عمران قال : قال أبو جعفر عليه السلام : لقد سأل موسى العالم مسألة لم يكن عنده جوابها ولقد سئل العالم موسى مسألة لم يكن عنده جوابها ولو كنت بينهما لأحبرت كل واحد منهما بجواب مسئلته ولأنتهما عن مسألة لا يكون عندهما جوابها (۷) .
(بحار الأنوار صفحہ ۱۹۵، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام باقر علیہ السلام نے فرمایا، موسیٰ نے ایک عالم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا اس سے جواب نہ بن پڑا۔ پھر اس عالم نے موسیٰ سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا ان سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اگر ان دونوں کے پاس میں موجود ہوتا تو دونوں کے اپنے اپنے مسئلے کا جواب دے دیتا۔ پھر ان دونوں سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا کہ ان دونوں سے جواب نہ بن پڑتا۔“

تیسرا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر ساری مخلوق کی تخلیق ائمہ کی خاطر ہوئی

شیعہ مؤلفین نے اس مضمون کی روایات بھی ائمہ اطہر کی طرف بڑی فیاضی سے منسوب کی ہیں کہ ائمہ ہی باعث تخلیق کائنات ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو نہ انبیاء کرام علیہم السلام کو وجود ملتا نہ کسی اور مخلوق کو۔ گویا ائمہ کی تخلیق ہی مقصود بالذات ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کا وجود محض طفیلی ہے۔ نعوذ باللہ۔ امامیہ کا یہ عقیدہ ”اعتقادات صدوق“ کے حوالہ سے اوپر نقل کر چکا ہوں۔ یہاں اس مضمون کی دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ک، ن، ع: الحسن بن محمد بن سعید الهاشمی عن فرات بن ابراہیم عن محمد بن أحمد الهمدانی عن العباس بن عبد اللہ البخاری عن محمد بن القاسم بن ابراہیم عن الهروری عن الرضا عن آبائه عن أمير المؤمنين علیہ السلام قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ما خلق الله عز وجل خلقاً أفضل مني ولا أكرم عليه مني.

قال علی علیہ السلام: قلت: يا رسول الله فأت أفضل أو جبرئيل؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم: يا علي إن الله تبارك وتعالى فضل ألباء المرسلين على ملائكته المقربين، وفضلني على جميع النبيين والمرسلين، والفضل بعدي لك يا علي وللأئمة من بعدي، وإن الملائكة لخدمنا وخدام محبتنا، يا علي الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا بولايتنا.

يا علي لولا نحن ما خلق ^(۱) آدم ولا حواء ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الأرض.

(بحر الانوار..... صفحہ ۳۳۵، جلد ۲)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین علیہ السلام نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ عز و جل نے مجھ سے افضل و اکرم کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ افضل ہیں یا جبریل؟ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے علی! اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیاء مرسلین کو اپنے ملائکہ مقربین سے افضل بنایا ہے اور مجھے تمام انبیاء مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے اور میرے بعد یہ فضیلت، اے علی! تیرے لئے

اور تیرے بعد ائمہ کو حاصل ہوگی۔ ملائکہ ہمارے اور ہمارے محبین کے خادم ہیں۔ اے علی! عرش اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد کے فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کے لئے استغفار میں مصروف رہتے ہیں۔

اے علی! اگر ہم نہ ہوتے تو نہ آدم و حوا پیدا ہوتے، نہ جنت و دوزخ بنائے جاتے اور نہ آسمان اور زمین وجود میں آتے۔

۲۔ کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان من کتاب السید الجلیل حسن بن کبش باسناده إلى المفید رفعه إلى محمد بن الحنفیة قال : قال أمير المؤمنين عليه السلام : سمعت رسول الله ﷺ يقول : - - - - - وأنا سيد الأنبياء وأنت سيد الأوصياء ، وأنا وأنت من شجرة واحدة لولا أن لم يخلق الله الجنة ولا النار ولا الأنبياء ولا الملائكة .
(بحار الانوار صفحہ ۳۴۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا..... میں انبیاء کا سردار ہوں اور آپ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میں اور آپ ایک ہی نرخت سے ہیں، اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نہ جنت و دوزخ پیدا کرتا اور نہ انبیاء و ملائکہ کو۔“

چوتھا غلو: انبیاء کرام علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد لیا گیا

حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت کا اولاد آدمؑ سے عہد لیا جاتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا تو قرآن کریم میں منصوص ہے۔ لیکن امامیہ نے ”ولایت کا درجہ نبوت سے بلند“ کرنے کے لئے اس مضمون کی بے شمار روایتیں تصنیف کر کے ائمہ سے منسوب کر دیں کہ عہد الست میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی ربوبیت کا عہد لیا، وہاں انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام سے بارہ اماموں کی امامت کا عہد بھی لیا۔ نفوذ باللہ۔ اس مضمون کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

الف: جعفر بن محمد الأودی معنعنا عن جابر الجعفی قال: قلت لأبي جعفر عليه السلام: بنتی سَمیَ أمير المؤمنين؟ (۱) قال: قال لی: أو ما نقرأ القرآن؟ قال:

قلت : بلی قال : فافراً قلت : وما أفراً قال : اقرأ : « واذ أخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذرّبتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألت (۱۲) بریتکم ، فقال لی : هبه إلی أبش ؟ وعهد رسولی وعلیّ أمير المؤمنين ، فتمّ سمّاء یا جابر أمير المؤمنين (۱۳) .
(بحار الانوار صفحہ ۲۷۸ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : ” جابر جعفی کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ ”امیر المؤمنین“ کا لقب (علیؑ) کیلئے کب تجویز کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا ، کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے کہا ، پڑھتا ہوں۔ فرمایا ، تو پڑھ ، میں نے پوچھا کیا پڑھوں؟ فرمایا : یہ پڑھ (ترجمہ) ”اور جب نکلا تیرے رب نے بنی آدم کی چٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔“

پھر فرمایا ، اسی میں یہ بھی شامل تھا کہ محمد میرے رسول ہوں گے اور علی امیر المؤمنین۔ تو اے جابر! یوں (علیؑ کے لئے) امیر المؤمنین کا لقب تجویز کیا۔“

ب : : أحمد بن محمد عن الحسن بن موسى عن علي بن حسان عن عبد الرحمن بن كثير عن أبي عبد الله عليه السلام في قوله عز وجل : « واذ أخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذرّبتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألت بریتکم ، (۱۱) قال : أخرج الله من ظهر آدم ذرّبتہ إلی يوم القيامة كالندف فرقمهم نفسه ، ولولا ذلك لم يعرف أحد ربّه ، و قال : ألت بریتکم ؟ قالوا : بلی ، و أنّ عهداً رسول الله و علیّ أمير المؤمنين (۱۲)

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۰ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام صادقؑ نے ارشاد باری تعالیٰ (ترجمہ) ”اور جب نکلا تیرے رب نے بنی آدم کی چٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب“ کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیٹھ سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو ننھی چوٹیوں کی صورت میں نکلا اور انہیں اپنی ذات کی معرفت عطا کی۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے رب کو نہ پہچانتا ، اور پوچھنا ”کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔“ (بیک زبان) بولے ، ہاں۔ ”اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور علی ان کے وصی ہیں۔“

حج : ابن یزید عن ابن محبوب عن عبد بن الفضیل عن اُمی الحسن رضی اللہ عنہ قال :
ولایة علیؑ مکتوبة فی جمیع صحف الانبیاء ، و لن یبعث الله نبیاً إلا بنبوۃ عبد و
وصیہ ^(۱) علیؑ صلوات الله علیہما ^(۲) .

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام ابوالحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ، تمام آسمانی صحیفوں
میں ”ولایت علیؑ“ (پر ایمان کا حکم) درج ہے۔ اور اللہ نے کسی نبی کو
مبعوث نہیں فرمایا مگر محمد کی نبوت اور آپ کے وصی علیؑ صلوات اللہ علیہما
کے ساتھ۔“

پانچواں غلو : انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت اقرار ولایت کی وجہ سے ملی
اس مضمون کی بھی بہت سی روایات تصنیف کی گئی ہیں کہ کسی نبی کو نبوت اس
وقت تک نہیں ملی جب تک اس نے ائمہ کی ولایت کا اقرار نہیں کیا۔ اس سلسلے کی چند
روایات ملاحظہ فرمائیے :

الف : أحمد بن محمد عن علی بن الحکم عن ابن عمیرۃ عن الحضرمی عن
حذیفۃ بن اسید قال : قال رسول الله ﷺ : ما تکملت النبوة لنبی فی الاظلة حتی
عرضت علیہ ولایتی و ولایة اهل بیتی و مثلوا له فانفروا و بطلعتهم و ولائهم ^(۱) .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”حذیفہ بن اسید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا : عالم ارواح میں کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں دی گئی جب
تک اس کے سامنے میری اور میرے لہل بیت کی ولایت پیش نہیں کی گئی۔
اور یہ ائمہ ان کے سامنے پیش نہیں کئے گئے، پس انہوں نے ان کی ولایت و
طاعت کا اقرار کیا، تب ان کو نبوت ملی۔“

(ب) : السندی بن محمد عن یونس بن یعقوب عن عبد الاعلی قال : قال
ابو عبد الله رضی اللہ عنہ : ما بنی علی نبی قط إلا بمعرفة حقنا و بنخلنا علی من رانا ^(۲) .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امام صادق نے فرمایا کہ کسی نبی کو اس وقت تک نبوت نہیں ملی
جب تک اس نے ہمارے حق (ولایت و امامت) کا اقرار نہیں کر لیا اور دیگر

سب لوگوں پر ہماری فضیلت کو تسلیم نہیں کر لیا۔“

ج : عہد بن عباسی عن عہد بن سلمان عن یونس بن یعقوب عن اُمی
 بصیر عن اُمی عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال : ما من نبیؐ بنبیؑ ولا من رسولؐ اُرسل الا مولاتنا و
 نفضلنا علی من سواہا . (۶)

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”ابو بصیر نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا کہ اس وقت تک
 کسی نبی کو نہ نبی بنایا گیا نہ کسی رسول کو رسول، جب تک کہ اس نے ہماری
 ولایت اور سب پر فضیلت کا اقرار نہیں کر لیا۔“

د : ابن یزید عن یحییٰ بن المبارک عن ابن جبلة عن حمید بن شعیب عن
 جابر قال : قال أبو جعفر رضی اللہ عنہ : ولایتنا ولایة اللہ الّٰہی لم یبعث نبیاً قطّ الاّ بها (۷) .
 (بحار الانوار صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”جابر نے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ : ہماری ولایت
 در حقیقت ولایت اللہ ہے، اس کا اقرار کئے بغیر کسی نبی کو بھی نہیں مبعوث کیا
 گیا۔“

چھٹا غلو : اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت
 ائمہ کا اقرار لیا

اس مضمون کی بھی متعدد روایات ائمہ کے نام لگائی گئی ہیں کہ روز میثاق میں اللہ
 تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اور دیگر مخلوق سے طوعاً و کرہاً ولایت ائمہ کا اقرار لیا،
 جس نے اقرار ولایت کیا وہ سعید ہوا اور جس نے اقرار ولایت نہ کیا وہ شقی ہوا۔ اس سلسلہ
 کی دو روایتیں ملاحظہ ہوں :

الف : أحمد بن محمد عن العباس عن ابن المغيرة عن اُمی حفص عن اُمی حارون
 المبدی عن اُمی سمید الخدری قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ يقول (۷) :
 یا علیؑ ما بعث اللہ نبیاً الاّ وقد دعاه إلى ولایتک طائفاً أو کلہما (۸)

(بحار الانوار صفحہ ۲۸۰، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: اے علی! اللہ نے ہر نبی کو مبعوث کرنے سے پہلے طوعاً و کرہاً تیری ولایت کا اس سے اقرار کرایا۔“

ب: المفید عن المظفر بن محمد عن محمد بن أحمد بن أبي الثلج عن محمد بن موسى الأشعري عن محمد بن عبد الله البداري عن أبيه عن ابن محبوب عن أبي زكريا الموصلي عن جابر عن أبي جعفر عن أبيه عن جده عليه السلام إن رسول الله ﷺ قال لعلي عليه السلام: أنت الذي احتج الله بك في ابتدائه الخلق حيث أقامهم أشباحاً فقال لهم: ألسن بربكم؟ قالوا: بلى، قال: قالوا: قالوا: بلى، قال: وعلى أمير المؤمنين، فأبى الخلق جميعاً إلا استكباراً وعتواً عن ولايتك إلا نفر قليل، وهم أقل الأتقين وهم أصحاب اليمين. (۲)

(بحار الانوار صفحہ ۲۷۲، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام باقر علیہ السلام اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم وہ ہستی ہو جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے وقت سے ”حجت“ بنایا۔ وہ اس طرح کہ ان کو اجسام مثالی میں ظاہر کیا اور ان سے فرمایا: کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ بولے، ہاں ہے۔ پھر پوچھا: محمد میرے رسول ہیں؟ بولے، ہاں ہیں۔ پھر (اقرار لینا چاہا اور) کہا علی امیر المؤمنین ہوں گے؟ مگر ایک مختصر گروہ کے سوا تمام مخلوق نے تکبر و حسد کی بنا پر تیری ولایت سے انکار کر دیا۔ یہ ولایت علی کا اقرار کرنے والے بہت تھوڑے سے لوگ تھے اور یہی اصحاب الیمین ہوں گے۔“

ج: اور علامہ مجلسی نے مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے امام زین العابدین کی روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالت نبوت میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کا ابا و استکبار جاری رہا، جس کی سزائیں ان کو بطن مامی میں قید کیا گیا: ملاحظہ فرمائیے۔

۱۰۔ قب: الثمالی قال: دخل عبدالله بن عمر علی زین العابدین عليه السلام و قال: یا ابن الحسین أنت الذي تقول: إن يونس بن متى إنما لقي من الحوت ما لقي لا أنه

عرضت علیہ ولایۃ جدی فتوقف عندها ؛ قال : بلی ثکلتک أُمّک ، قال : فارنی آية ذلك إن کنت من الصادقین ، ^(۲) فأمر بشدّ عینہ بمعصاة وعیني بمعصاة ، ثم أمر بعد ساعة بفتح أعیننا ، فإذا نحن علی شاطئ البحر تضرب أمواجه ، فقال ابن عمر : یاسیدی دمی فی رقبتيک ، الله الله فی نفسي ، فقال : هیدوا ریه ان کنت من الصادقین . ^(۱)

ثم قال : یا أیتها الحوت ، قال : فأطلع الحوت رأسه من البحر مثل الجبل العظيم وهو يقول : لبیک لبیک یا ولی الله ، فقال : من أنت ؟ قال : أنا حوت یونس یا سیدی ، قال : أنبئنا بالخبر ، قال : یاسیدی إن الله تعالی لم یبعث نبیاً من آدم إلی أن صار جدک محمد إلا وقد عرض علیہ ولایتکم أهل البیت ، فمن قبلها من الأنبیاء سلم و تخلّص ، ومن توقف عنها وتمنّع من حملها ^(۳) لقي مالهی آدم علی من المعصية ، و مالهی نوح علی من الغرق ، و مالهی إبراهیم علی من النار ، و مالهی یوسف علی من الجب ، و مالهی ایوب علی من البلاء ، و مالهی داود علی من الخطیئة إلی أن بعث الله یونس علی من الغرق ، فأوحی الله إلیه : أن یا یونس تولّ أمير المؤمنین علیاً و الأئمة الراشدين من صلبه فی کلام له ، قال : فكيف أتولّی من لم أره ولم أعرفه ، وذهب مفتظلاً ، ^(۱) فأوحی الله تعالی إلی أن التعمی یونس ولا توهنی له عظماً ، فمکث فی بطنی أربعین صباحاً یطوف معی البحار فی ظلمات ثلاث ، ینادی : إله لا إله إلا أنت سبحانک إني کنت من الظالمین ، قد قبلت ولایة علی ابن أمی طالب و الأئمة الراشدين من ولده ، فلما أن آمن بولايتکم أمرني ربی ففدنته علی ساحل البحر ، فقال زین العابدین علی : ارجع أیتها الحوت إلی و کرک ؛ و استوی الماء . ^(۲)

(بخار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ روایت نمبر ۱۵)

ترجمہ..... ”ثمالی کتاب ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس بن متی (علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں اس بنا پر ڈالا گیا کہ ان کے سامنے میرے دادا امیر المومنین کی ولایت پیش کی گئی تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں توقف کیا؟ امام نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا ہے۔ تیری ماں تجھ کو گم کرے یعنی تو مر جائے عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو پانی راست گفتاری کی کوئی علامت دکھاؤ، امام نے حکم دیا کہ میری اور عبداللہ بن عمر کی آنکھوں پر ایک پٹی باندھ دی جائے، تھوڑی دیر بعد حکم دیا

کہ آنکھیں کھول دو، جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک دریا کے کنارے پر ہیں جس کی موجیں ٹھاٹھیں مارتی ہیں، یہ منظر دیکھ کر ابن عمر نے کہا کہ اے سید! میرا خون آپ کی گردن پر ہے، (یعنی دریا کی موجیں مجھے بہا لے جائیں گی) امام نے فرمایا کہ ڈرو نہیں۔ میں ابھی تم کو اپنی راست گفتاری کی علامت دکھاتا ہوں۔

پھر امام نے فرمایا، اے مچھلی! امام کا بکھارنا تھا کہ ایک مچھلی نے فوراً دریا سے سر نکالا، جو پہاڑ جیسی تھی، اور وہ کہہ رہی تھی لبیک! لبیک!! اے ولی خدا! امام نے فرمایا، تو کون ہے؟ کہنے لگی، اے سید! میں وہی مچھلی ہوں جس نے یونس کو نگلا تھا، فرمایا، ہمیں بتاؤ کہ یونس علیہ السلام کا کیا قصہ ہوا تھا؟ کہنے لگی، اے سید! اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے دادا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک، مگر اس پر تم اہل بیت کی ولایت پیش کی، جس نے اس کو قبول کیا وہ سالم رہا، اور جس نے اس میں توقف کیا، اور اس الامت کے اٹھانے سے انکار کیا اس کی وہی ابتلا پیش آیا جو آدم علیہ السلام کو گناہ کی وجہ سے پیش آیا، اور جو نوح علیہ السلام کو غرق سے پیش آیا، اور جو ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے پیش آیا، اور جو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے سے پیش آیا، اور جو ایوب علیہ السلام کو بیماری میں مبتلا ہونے سے پیش آیا، اور جو داؤد علیہ السلام کو غلطی سے پیش آیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اے یونس! امیر المؤمنین علی اور ان کی نسل کے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کرو! کچھ اور کلام بھی وحی فرمایا، یونس علیہ السلام نے کہا کہ میں ان لوگوں کی ولایت کو کیسے قبول کروں جن کو میں نے دیکھا نہیں، اور ان کو پہچانتا نہیں۔ اور غصہ ہو کر دریا کے کنارے چلے گئے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ یونس کو نکل جا، اور ان کی ہڈیوں کو گزند نہ پہنچانا۔ پس وہ میرے پیٹ میں چالیس روز رہے، میں ان کو دریاؤں میں اور تین تاریکیوں میں لئے پھرتی رہی۔ وہ برابر پکار رہے تھے کہ ”لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین (کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے) میں نے

امیر المؤمنین علی کی اور ان کی اولاد سے ائمہ راشدین کی ولایت کو قبول کیا۔ " پس جب یونس علیہ السلام تہمدی ولایت پر ایمان لے آئے تو میرے پروردگار نے مجھ کو حکم دیا تو میں نے ان کو دریا کے ساحل پر ڈال دیا، جب مچھلی نے یہ قصہ سنایا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ اپنے آشیانے میں واپس چلی جا، اور پانی کو موجوں سے سکون ہو گیا۔

و: اور حضرت امیر المؤمنین کی ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کو زمین میں دھنسا یا گیا۔ یہاں تک کہ ان کو (نعوذ باللہ) قارون کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اور جب قارون سے عذاب ہٹایا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو عبرت ہوئی اور انہوں نے ولایت کا اقرار کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی۔

وقد سأل بعض اليهود أمير المؤمنين عليه السلام عن سجن طاف أقطار الأرض بصاحبه ؛ فقال : يا يهودي أما السجن الذي طاف أقطار الأرض بصاحبه فإِنَّهُ الحوت الذي حبس يونس في بطنه ، فدخل في بحر القلزم ، ثم خرج إلى بحر مصر ، ثم دخل إلى بحر طبرستان ، ثم خرج في دجلة الفجوة ، ^(۱) قال : ثم مررت به تحت الأرض حتى لحقت بقارون ، وكان قارون هلك في أيام موسى عليه السلام ، وذكر الله به ملكاً يدخل في الأرض كل يوم قائمًا رجل ، وكان يونس في بطن الحوت يسبح الله ويستغفره ، فسمع قارون صوته فقال للملك الموكل به : أنظرني فإنني أسمع كلام آدمي ، فأوحى الله إلى الملك الموكل به : أنظره ، ثم قال قارون : من أنت ؟ قال يونس : أنا المذبذب الخاطيء يونس بن متى قال : فما فعل الشديد الغضب ^(۲) ؟ فموسى بن عمران ؟ قال : هيهات هلك ، قال : فما فعل الرؤوف الرحيم على قومه هارون بن عمران ؟ قال : هلك ، قال : فما فعلت كلثم بنت عمران التي كانت سميت لي ؟ قال : هيهات ما بقي من آل عمران أحد ، فقال قارون : وا أسفاه على آل عمران ، فشكر الله له ذلك ، فأمر الله الملك الموكل به أن يرفع عنه العذاب أيام الدنيا فرفع عنه ، فلما رأى يونس ذلك نادى في الظلمات : « أن لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين » فاستجاب الله له وأمر الحوت فلفظه على ساحل البحر

ترجمہ..... ”ایک یہودی نے امیر المومنین علیہ السلام سے اس جیل خانے کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چہرہ سو چکر کاٹا رہا کہ وہ کونسا جیل خانہ تھا آپ نے فرمایا اے یہودی! وہ جیل خانہ جو اپنے ساتھی کو لئے ہوئے زمین کے چہرہ سو چکر کاٹا رہا وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں قید کر رکھا تھا، پس وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر بحر قلزم میں داخل ہوئی، پھر بحر مصر کی طرف نکلی، پھر طبرستان کے سمندر میں داخل ہوئی، پھر دجلہ الفورہ کی طرف نکلی، امیر المومنین نے فرمایا پھر وہ مچھلی یونس علیہ السلام کو لے کر زمین کے نیچے گئی، یہاں تک کہ قادون سے جا ملی، اور قادون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہلاک ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا جو اس کو روزانہ قد آدم کی مقدار زمین میں دھنسا دیتا رہا، یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح اور استغفار کرتے رہے، پس قادون نے ان کی آواز کو سن لیا اور مقرر کردہ فرشتہ سے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں ایک آدمی کا کلام سن رہا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو وحی کی کہ اس کو مہلت دے دو چنانچہ فرشتے نے اس کو مہلت دے دی، قادون نے پوچھا آپ کون ہیں؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا میں گنہگار یونس بن متی ہوں، قادون نے پوچھا موسیٰ بن عمران کا کیا بنا جو بہت غصہ کیا کرتے تھے اللہ کے لئے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ تو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں، قادون نے پوچھا ہارون بن عمران کا کیا بنا جو اپنی قوم پر بہت شفیق اور نرم تھے؟ یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ بھی فوت ہو چکے ہیں، قادون نے پوچھا کلثم بنت عمران کا کیا بنا جو میرے ساتھ منسوب کی گئی تھی؟ (میری منگیتر تھی) یونس علیہ السلام نے فرمایا مدت ہوئی کہ آل عمران میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، قادون نے کہا ہائے افسوس آل عمران پر، پس اللہ تعالیٰ نے قادون کے اظہار افسوس کو قبول کر لیا، پس اللہ تعالیٰ نے مقررہ فرشتے کو حکم دیا کہ دنیا کی زندگی تک اس سے عذاب اٹھا دیا جائے، پس فرشتے نے اس سے عذاب اٹھا دیا، جب یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اندھیروں ہی میں پکارا ”کوئی حاکم نہیں تیرے سوا! تو بے عیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے“ پس اللہ تعالیٰ نے

ان کی دعا قبول کر لی اور مچلی کو حکم دیا تو مچلی نے آپ کو ساحل سمندر پر لا ڈالا۔“

یہاں جو بات لائق عبرت ہے وہ یہ کہ ان روایات کے مطابق یونس علیہ السلام کا ابا و استکبار (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بڑھ گیا، کیونکہ شیطان نے ابا و استکبار کے ساتھ جھوٹ کو جمع نہیں کیا تھا۔ مگر ان روایات کے مطابق جب یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کہ ”میں ان لوگوں کی ولایت کا اقرار کیسے کروں جن کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں“ تو یہ بات قطعاً غلط اور جھوٹ تھی۔ کیونکہ روز میثاق میں جب انبیاء کرام علیہم السلام سے ولایت ائمہ کا اقرار لیا گیا ہو گا تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ضرور دیکھا اور پہچانا ہو گا۔ پھر امامیہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بھی ولایت ائمہ کا اعلان موجود تھا، اور حضرت یونس علیہ السلام توریت ضرور پڑھتے ہوں گے۔ پھر اس کے کیا معنی؟ کہ میں ائمہ کو جانتا پہچانتا نہیں ہوں۔

ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جتنے ابتلاء من جانب اللہ پیش آئے۔ جن کی طرف امام زین العابدین کی روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ سب عقیدہ امامت میں شک و تردد کی نحوست تھی۔ نعوذ باللہ من ہذہ الہفوات۔

ساتواں غلو: انبیاء کرام، ائمہ کے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے

شیعہ کے گیارہویں امام حسن عسکریؑ کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ اور ہمارے نشان قدم کی پیروی کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان: روی آتہ وجد بخط مولانا ابی محمد المکریؑ: أورد الله من قوم حذفوا محکمات الكتاب وسوا الله رب الأرباب والنبیؐ وسافی الکون فی موافق^(۱) الحساب، ولطی والطائفة الکبریٰ وبعیم دار الثواب فنحن السام الأعظم، وفینا النبوة والولاية والکرم، ونحن منار الهدی والعرو.

الروثی ، و الانبیاء کانوا یقتبسون من أنوارنا ، ویقتفون آثارنا .

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۳، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس قوم سے جس نے قرآن کے حکمت کو مٹا ڈالا۔ جنہوں نے اللہ رب الارباب کو بھلا دیا، جنہوں نے اس کے نبی کو جو یوم حساب میں سلق کوثر ہوں گے، بھلا دیا۔ جو قیامت، دوزخ اور دار ثواب کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ ہم بلند چوٹی کے صاحبِ عظمت لوگ ہیں۔ ہمیں میں نبوت و ولایت و کرامت ہے، ہم ہدایت کا مینار ہیں اور عرہ و ثقیل ہیں۔ تمام انبیاء کرام ہمارے نور سے روشنی حاصل کرتے تھے اور ہمارے نقش قدم کی پیروی کرتے تھے۔“

آٹھواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ تمام انبیاء کرام سے آگے ہوں گے اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے فضائل و مناقب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ما یقتد منی إلا أحمد
وإن جمیع الرسل والملائکة والروح خلفنا ، وإن رسول اللہ ﷺ لیدعی فیمنطق
و ادعی فاسطق علی حد منطقی .

(بحار الانوار صفحہ ۳۱۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”مجھ سے آگے صرف احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، تمام رسل، ملائکہ اور روح القدس ہمارے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا تو آپؐ بات کریں گے اور مجھے بھی پکارا جائے گا تو میں بھی اتنی ہی بات کروں گا۔“

نواں غلو: قیامت کے دن حضرت علیؑ کی کرسی عرش الہی کے دائیں جانب اور انبیاء کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی اس مضمون کی بھی روایت تصنیف کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حضرت علیؑ

رضی اللہ عنہ کی کرسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عرش الہی کے دائیں جانب ہوگی اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی کرسیاں بائیں جانب ہوں گی :

۱۱۹۔ کتاب المحتضر للحسن بن سلیمان مما رواہ من الأربعین رواية سعد الاربلی^{*} یرفعہ إلی سلمان الفارسی^{*} رضی اللہ عنہ قال : کنا عند رسول اللہ ﷺ إذ جاء أعرابی^{*}

الخامسة أن جبرئیل ﷺ قال : إذا کان يوم القيامة نصب لك^(۶) منبر عن بعین العرش والنبیون کلهم عن يسار العرش و بین بدیدہ^(۷)

(۷) فی المصدر : والنبیون کلهم عن يسارہم ، ونصب لعلی^{*} ﷺ کرسی إلی جانبک^(۸) اکراماً لہ

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۲۸-۱۲۹، جلد ۲۷)

ترجمہ: ”حسن بن سلیمان نے کتب المحتضر میں اربعین کی روایت سے سعد اربلی کے واسطے سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے، سلمان کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے اتنے میں ایک اعرابی آیا (طویل روایت ہے جس میں حضرت علیؑ کے فضائل مذکور ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا) پانچویں بات جبرئیل علیہ السلام نے یہ فرمائی: قیامت کے روز آپؐ کی کرسی عرش کے دائیں جانب لٹکائی جائے گی اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام عرش کے بائیں جانب (کی کرسیوں پر) ہوں گے۔ (اصل کتب میں یہ الفاظ ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت علیؑ کے بائیں جانب ہوں گے..... حاشیہ) اور علیؑ علیہ السلام کی کرسی ان کے اکرام کی بنا پر آپؐ کے پہلو میں لٹکائی جائے گی۔“

دسواں غلو: انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے طفیل قبول ہوتیں علامہ مجلسی کی بحار الانوار کی کتب الامامت میں ایک باب کا عنوان ہے :

❖ ان دعاء الانبیاء استجیب بالنسول والاستفعا بہم صلوات اللہ ❖

❖ علیہم اجمعین ❖

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۱۹، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں اماموں کے وسیلہ اور سفارش کی بنا پر ہی قبول ہوئیں۔“

اس سلسلہ کی بہت سی روایات میں سے دو روایتیں:

الف: ص: بالاسناد إلى الصادق عن النفاث عن ابن عقدة عن علي بن الحسن بن فضال عن أبيه عن الرضا عليه السلام قال: لما أشرق نوح عليه السلام على الفرق دعا الله بحقنا فدفع الله عنه الفرق، ولما رمى إبراهيم في النار دعا الله بحقنا فجعل الله النار عليه برداً وسلاماً.

و إن موسى عليه السلام لما ضرب طريقاً في البحر، دعا الله بحقنا فجعله يساً (۱)
و إن عيسى عليه السلام لما أراد اليهود قتله، دعا الله بحقنا فنجسني من القتل فرفعه (۲)
إليه. (۳)

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۲۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام ڈوبنے لگے تو اللہ کو ہمارے وسیلہ سے پکارا۔ اللہ نے ان کو ڈوبنے سے بچالیا۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے (بھی) اللہ کو ہمارے حق کا واسطہ دیا تو اللہ نے ان پر آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر سے راستہ لینے کے لئے اس پر عصا مارا تو (بھی) اللہ سے ہمارے وسیلہ سے دعا کی لہذا اللہ نے اس کو خشک کر دیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہود نے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ہمارے ہی وسیلہ سے اللہ کو پکارا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو بچالیا اور اپنی طرف اٹھالیا۔“

ب: - مختص: أبو الفرج عن سهل (۶) عن رجل عن ابن جبلة عن أبي المفرا عن موسى بن جعفر عليه السلام قال: سمعته يقول: بنا غفرلآدم و بنا ابنلي أيتوب و بنا افتقد بمقوب و بنا حبس يوسف و بنا دفع البلاء و بنا أضاءت الشمس نحن مكتوبون على عرش ربنا

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۵۷، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے ہی وسیلہ سے آدم کو معافی ملی۔ اور ہمارے ہی سبب سے ایوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے، یعقوب علیہ السلام کو صدمہ فراق برداشت کرنا پڑا۔

اور یوسف علیہ السلام زندانی ٹھہرے۔ اور ہمارے ہی وسیلہ سے ان کے مصائب دور ہوئے۔ سورج ہمارے ہی طفیل روشن ہوتا ہے اور ہمارے اسمائے گرامی ہمارے رب کے عرش پر کندہ ہیں۔“

گیارہواں غلو: حضرت آدم علیہ السلام کو اماموں کے مرتبہ پر حسد ہوا، اس لئے ان کو سزا ملی اور اولوالعزم انبیاء کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا گیا اس مضمون کی دل آزار روایات کثرت سے ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ائمہ کی مرتبہ شناسی میں تامل ہوا، اس لئے ان کا نام اولوالعزم انبیاء کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ ارشاد خداوندی ولم نجد له عزماً کا یہی مطلب ہے، نیز یہ کہ جس شجرہ ممنوعہ سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ ”شجرہ حسد“ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ خبردار! ائمہ کے مرتبہ پر حسد نہ کرنا، لیکن وہ اس ہدایت خداوندی کو بھول گئے اور ائمہ کے مرتبہ پر حسد کیا، جس کی وجہ سے ان پر عتاب نازل ہوا۔ نعوذ باللہ۔

اس مضمون کی بے شمار روایتوں میں سے چند:

الف: - ہر: أحمد بن محمد عن علي بن الحكم عن مفضل بن صالح عن جابر عن أبي جعفر عليه السلام في قول الله عز وجل: "و لقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزماً" (۵)، قال: عهد إليه في عهد و الأئمة من بعده فترك ولم يكن له عزم أنهم هكذا (۶) و إنما سمي أولو العزم أولو العزم لأنهم عهد إليهم في عهد و الأوصياء من بعده و المهدي و سيرته فأجمع عزمهم أن ذلك كذلك و الاقرار به (۷)

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۷۸، جلد ۳۶۔ صفحہ ۱۷۳، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”جابر جعفی نے امام باقرؑ سے ارشاد خداوندی ”و لقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزماً“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم علیہ السلام سے محمد اور ائمہ علیہم السلام (کی تصدیق) کا عہد لیا گیا۔ انہوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ اور ان کے اس مقام کا اعتراف و اقرار نہ کیا۔ اولوالعزم انبیاء کو ”اولوالعزم“ کا امتیازی لقب

اسی وقت ملا جبکہ تمام انبیاء سے محمدؐ اور آپ کے بعد اوصیاء اور مہدی اور مہدی کی سیرت پر اقرار لیا تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے ان (ائمہ) کے اس حق کا اقرار کیا۔

امام رضاؑ سے ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے کہ :

ب : **إِنَّ آدَمَ لَمَّا أَكْرَمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ذَكَرَهُ بِإِسْجَادٍ مَلَائِكَتَهُ لَهُ وَبَادْخَالِهِ الْجَنَّةِ** قال في نفسه : **هَلْ خَلَقَ اللَّهُ بَشَرًا أَفْضَلَ مِنِّي ؟** فعلم الله عز وجل ما وقع في نفسه فناداه : **ارفع رأسك يا آدم فانظر إلى ساق عرشي ، فرفع آدم رأسه فنظر إلى ساق العرش فوجد عليه مكتوباً : لا إله إلا الله ، محمد رسول الله ، علي بن أبي طالب أمير المؤمنين ، وزوجته فاطمة سيدة نساء العالمين ، والحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة .**

فقال آدم ﷺ : يا رب من هؤلاء ؟ فقال عز وجل : **من ذريتك (۱)** وهم خير منك و من جميع خلقي ولولا هم ما خلقتك و لا خلقت الجنة و النار و لا السماء و الأرض فابناك أن تنظر إليهم بين الحسد فأخرجك عن جواري .

فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ بَيْنَ الْحَسَدِ وَ تَمَنَّى مَنَزَلَتَهُمْ فَتَسَلَّطَ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ حَتَّى أَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِي لَهَا فِيهَا نَسَمَةٌ عَلَى حَوَاءَ لِنَظَرِهَا إِلَى فَاطِمَةَ **عَلَيْهَا السَّلَامُ** بَيْنَ الْحَسَدِ حَتَّى أَكَلَتْ مِنَ الشَّجَرَةِ كَمَا أَكَلَ آدَمُ فَأَخْرَجَهُمَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ جَنَّتِهِ وَأَهْبَطَهُمَا عَنْ جَوَارِ إِلَى الْأَرْضِ . (۲)

(بحار الانوار صفحہ ۲۷۳، جلد ۲۶ - صفحہ ۱۶۵، جلد ۱۱)

ترجمہ : ”امام رضا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے سجدہ کروا کے اور جنت میں رہنے کی اجازت دے کر آدم علیہ السلام کو خصوصی اکرام سے نوازا تو ان کے جی میں یہ سوال ابھرا کہ ”کیا اللہ نے مجھ سے افضل کسی بشر کو پیدا فرمایا ہو گا؟“ اللہ عز وجل ان کے جی کے وسوسہ پر مطلع ہوئے، ان کو فرمایا : اے آدم ! ذرا اپنا سراٹھا اور میرے عرش

کے پائے کی طرف دیکھ۔ انہوں نے اپنا سراٹھایا اور عرش کے پایے کی جانب نگاہ کی تو اس پر تحریر تھا، ”لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی بن ابی طالب امیر المؤمنین، ان کی بیوی فاطمہ سیدۃ نساء العالمین اور حسن و حسین نو جوانان جنت کے سردار۔“

آدم علیہ السلام نے پوچھا: اے رب یہ کون حضرات ہیں؟ رب العزت نے فرمایا: یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے لیکن تجھ سے اور میری تمام مخلوق سے بہتر اور بلند مرتبہ ہیں۔ اور یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو اور نہ آسمان و زمین کو وجود میں لاتا۔ دیکھ! ان کو حسد کی نظر سے نہ دیکھنا ورنہ اپنے قرب سے تجھے نکل باہر کروں گا۔

مگر آدم نے نظر حسد سے ان کو دیکھا اور ان کے مقام کی تمنا کی۔ تو شیطان ان پر مسلط ہو گیا، یہاں تک کہ وہ ”شجرہ ممنوعہ“ کو کھانے کے مرتکب ہوئے۔ اور حواء پر بھی شیطان مسلط ہوا، کیونکہ اس نے فاطمہ علیہا السلام کو نگاہ حسد سے دیکھا تھا جس کے نتیجہ میں اس نے بھی آدم کی طرح ”شجرہ ممنوعہ“ کو کھالیا۔ لہذا اللہ عز و جل نے ان دونوں کو جنت سے نکل دیا اور اپنے قرب سے زمین پر اتار دیا۔“

ج: مع: العجلی عن ابن زکریا القطان عن ابن حبیب عن ابن بھلول عن اُمیہ عن عہد بن سنان عن المفضل قال: قال أبو عبد اللہ علیہ السلام: **إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى خَلَقَ الْأَرْوَاحَ قَبْلَ الْأَجْسَادِ بِأَلْفِي عَامٍ، فَجَعَلَ أَعْلَاهَا وَأَشْرَفَهَا أَرْوَاحَ عَهْدٍ وَعَلَى وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَالْأَنْثَمَةَ بَعْدَهُمْ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ**

فلما أسكن الله عز وجل آدم وزوجته الجنة قال لهما: **«كَلَامُنْهَا رَغْدًا حَيْثُ شِئْتُمْ»** وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ، يَعْنِي شَجَرَةَ الْحَنْطَةِ **«فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ»** ^(۱) فَنَظَرَ إِلَى مَنْزِلَةِ عَهْدٍ وَعَلَى وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَالْأَنْثَمَةَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَوَجَدَاهَا أَشْرَفَ مَنَازِلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَقَالَا: **يَا رَبَّنَا لِمَنْ هَذِهِ الْمَنْزِلَةُ؟**

فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ: **أَرْفَعَارُؤُوسُكُمْآ إِلَى سَاقِ عَرْشِي، فَرَفَعَارُؤُوسَهُمَا فَوَجَدَا ^(۲) اسْمَ مُحَمَّدٍ وَعَلَى وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَالْأَنْثَمَةَ بَعْدَهُمْ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مَكْتُوبَةً عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ بِنُورٍ مِنَ الْجَبَّارِ جَلَّ جَلَالُهُ.**

فَقَالَا: **يَا رَبَّنَا مَا أَكْرَمَ أَهْلَ هَذِهِ الْمَنْزِلَةِ عَلَيْكَ وَمَا أَحَبَّهُمْ إِلَيْكَ وَمَا أَشْرَفَهُمْ لَدَيْكَ؟** فَقَالَ اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ: **لَوْلَا مَا خَلَقْتُكُمْ، هُوَ لَا خَزَنَةَ عَلَمِي وَأُمْنَانِي عَلَى سَرِّي، إِيَّاكُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَيْهِمْ بَعَيْنِ الْحَسَدِ وَتَمْنِيَا مَنْزِلَتِهِمْ عِنْدِي وَمَحْكَمٍ مِنْ كَرَامَتِي فَتَدْخُلُوا بِذَلِكَ فِي لَهْيِي وَعَسَائِي فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ**

یا آدم و یا حوا لا تنظرا إلی أنوار^(۳) و حججی بین الحسد فأُعطیکما عن
جواری ، و أحلّ بکما هوایی ، فذلّما بفرور ، ^(۱) و حلّما علی تمنی
منزلهم فنظرا إلیهم بین الحسد ^(۲) فخذلا
(بحار الانوار صفحہ ۳۲۰-۳۲۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”محمد بن سنان نے مفضل سے روایت کیا کہ امام صادقؑ نے فرمایا
کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجہام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کو پیدا
فرمایا۔ ان میں سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کی ارواح
کو دیگر تمام ارواح پر اعلیٰ و اشرف قرار دیا.....

پھر جب اللہ عز و جل نے آدم اور ان کی زوجہ کو جنت میں رہنے کی
اجازت دی تو ان سے فرمایا: ”کھڑا اس میں سے جو چاہو، جہاں کہیں سے
چاہو، اور پاس مت جلا اس درخت کے (یعنی گندم کے درخت کے) ورنہ
تم ہو جھوٹے ظالم۔“ انہوں نے محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے
مرتبوں کو دیکھا تو وہ تمام اہل جنت سے اعلیٰ و اشرف نظر آئے تو کہنے لگے،
اے رب ہمارے، یہ مقام کن حضرات کو ملا ہے؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اپنا سر اٹھا کر میرے عرش کے پائے کی جانب
نظر کرو۔ چنانچہ انہوں نے اوپر دیکھا تو وہاں عرش کے پائے پر محمد، علی،
فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کے بعد کے تمام ائمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے اسماء
گرامی اللہ جل جلالہ کے نور کی روشنی سے لکھے ہوئے دیکھے۔

ان دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! اس مقام کے لوگوں کو
تیرے ہاں یہ اکرام، اور تیری یہ محبت اور تیرے دربار میں ان کو یہ شرف و
فضیلت کس بنا پر حاصل ہوا؟

اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم دونوں کو بھی پیدا نہ
کرتا۔ یہ میرے علم کے محافظ ہیں، میرے بھید کے امین ہیں، ان کو حسد کی
نظر سے دیکھنے اور میرے ہاں ان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کی تمنا اپنے لئے کرنے
سے سخت پرہیز کرنا ورنہ تم دونوں میری حکم عدولی کے مرتکب ہو کر نافرمان
نہرو گے اور ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے.....

اے آدم اور اے حوا! تم دونوں میرے انوار اور میری محبتوں کو نظرِ حسد سے ہرگز نہ دیکھنا ورنہ تمہیں اپنے قرب سے نکل کر دلتوں میں گرا دوں گا ”پھر شیطان نے مائل کر لیا ان کو فریب سے۔“ ان دونوں کو ان حضرات کے مقام کی تمنا پر اکسایا، چنانچہ انہوں نے ان کو نگاہِ حسد سے دیکھا لہذا دونوں کو رسوائی اٹھانا پڑی۔“

د: - شی: عن عبدالرحمن بن كثير، عن أبي عبدالله عليه السلام قال: إن الله تبارك وتعالى عرض على آدم في الميثاق ذنبتَه، فمرَّ به النبي صلى الله عليه وآله وهو متكئ على علي عليه السلام، وفاطمة صلوات الله عليها تتلوها، والحسن والحسين عليهما السلام يتلون فاطمة، قال الله: يا آدم إيتاك أن تنظر إليه بحسد أبطئك من جوارِي، فلما أسكنه الله الجنة مثل له النبي وعلي وفاطمة والحسن والحسين صلوات الله عليهم فنظر إليهم بحسد ثم عرض عليه الولاية فأنكرها فرمته الجنة بأوراقها، فلما تاب إلى الله من حسده وأقر بالولاية ودعا بحق الخمسة: عهد وعلي وفاطمة والحسن والحسين صلوات الله عليهم غفر الله له، وذلك قوله: «فتلقى آدم من ربه كلمات، الآية» (۱۲)

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۷، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”عبدالرحمن بن کثیر سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ”مِثاق“ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی تمام اولاد کو پیش کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، آپ علی علیہ السلام کا سہارا لئے کھڑے تھے اور ان دونوں کے پیچھے فاطمہ صلوات اللہ علیہا تھیں اور ان کے پیچھے حسن و حسین علیہم السلام تھے۔ اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان پر حسد کرنے سے بچنا ورنہ اپنے قرب سے گرا دوں گا۔ پھر جب اللہ نے ان کو جنت میں ٹھکانا دیا تو ان کے سامنے نبی، علی، فاطمہ، اور حسن و حسین کی شبیہ لائی گئی تو آدم علیہ السلام نے ان کو نظرِ حسد سے دیکھا۔ پھر آدم کو ان کی ولایت کے اقرار کا حکم ہوا مگر اس نے انکار کر دیا تو اس کے نتیجے میں جنت کے پتے اس پر پھینکے گئے۔ پھر اس کے بعد جب اللہ سے ان پر حسد کی معافی مانگی اور ولایت کا اقرار کر لیا اور ان پانچوں یعنی محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین صلوات اللہ علیہم کے حق کو تسلیم کر لیا تو اللہ نے

اس کو معاف کر دیا۔ اسی کی طرف اس ارشاد باری ”فستقلی آدم من
ربدہ کلمات“ میں اشارہ کیا گیا ہے۔“

۸ - شی : عن موسى بن محمد بن علي ، عن أخيه أبي الحسن الثالث عليه السلام قال :
الشجرة التي نهى الله آدم وزوجته أن يأكلا منها شجرة الحسد ، عهد إليهما أن لا ينظرا
إلى من فضل الله عليه وعلى خلائقه بعين الحسد ، ولم يجد الله له عزماً . (۱۰)

(بحار الانوار صفحہ ۱۸۷ ، جلد ۱۱)

ترجمہ : ”موسیٰ بن محمد بن علی اپنے بھائی ابوالحسن ثالث علیہ السلام سے
روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : اللہ نے آدم اور ان کی زوجہ کو جس
درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ حسد کا شجر تھا۔ اللہ نے ان دونوں
سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی مخلوق میں سے جس کو اللہ نے خاص فضیلت بخشی ہے
اس پر حسد نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ نے ان کو عہد کا پختہ نہ پایا۔“

نہ : - الحسين بن محمد ، عن أحمد بن إسحاق ، عن بكر بن محمد ، عن أبي بصير
قال : قال أبو عبد الله عليه السلام : أصول الكفر ثلاثة : الحرص ، والاستكبار ، والحسد ، فأما
الحرص فان آدم عليه السلام حين نهى عن الشجرة ، حمله الحرص على أن أكل منها وأما
الاستكبار فابليس حيث أمر بالسجود لآدم فأبى ، وأما الحسد فابن آدم حيث قتل
أحدهما صاحبه (۱۱) .

(اصول کافی صفحہ ۲۸۹ ، جلد ۲)

ترجمہ : ”ابو بصیر سے روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا : کفر کی
تین بنیادیں ہیں۔ حرص ، تکبر اور حسد۔ حرص تو اس طرح کہ آدم علیہ
السلام کو جب ”شجرہ منوعہ“ (درخت جس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا
تھا) سے منع کر دیا گیا تو حرص نے ہی اسے کھانے کی انکیخت کی۔ اور تکبر
ہی کی بنا پر ابلیس نے حکم خداوندی کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار
کیا۔ اور حسد کی بنیاد پر آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر ڈالا
تھا۔“

اہل عقل جانتے ہیں کہ حسد و کبر ابلیس کا مرض ہے۔ جس نے اس کو ہمیشہ کے
لئے ملعون اور راندہ درگاہ کر دیا۔ شیعہ راویوں نے حسد و کبر اور حرص تینوں اصول کفر

کو سیدنا ابو البشر علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے گویا ان کو (نعوذ باللہ) ابلیس سے بھی بڑھا دیا، پھر حکم خداوندی سے سرتابی کرنا بھی کفرِ محمود ہے، شیعہ راویوں نے اس کو بھی بلا تکلف حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

بارہواں غلو: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے نبوت، پھر خلعت، پھر امامت دی گئی

”امامت کا رتبہ نبوت سے بالاتر ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کی بھی متعدد روایات تصنیف کی گئیں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو پہلے نبوت عطا کی گئی، پھر خلعت کا مرتبہ عطا کیا گیا، اس کے بعد تیسرے مرتبہ میں امامت عطا کی گئی۔ اس سلسلہ کی ایک روایت:

”إن الامامة خص الله عز وجل بها إبراهيم الخليل عليه السلام بعد النبوة والخلة مرتبة ثالثة وفضيلة شرفه بها وأشاد بها“ (۱۰) ذكره فقال عز وجل: ”وإني جاعلك للناس“
(بحار الانوار..... صفحہ ۱۲۱، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و خلعت عطا کرنے کے بعد تیسرے مرتبہ پر امامت کی فضیلت سے مشرف کیا۔ اسی کی طرف ارشاد باری تعالیٰ ”انی جاعلک للناس اماماً“ میں اشارہ کیا گیا ہے۔“

تیسرہواں غلو: حضرت کلیم اللہ کو ”حُلَّہُ اصطفیٰ“ اماموں کی ولایت کی وجہ سے پہنایا گیا

امام حسن عسکری کی طرف منسوب کیا گیا کہ انہوں نے ایک رقعہ میں تحریر

فرمایا:

”فالكليم البس حلة الا صطفاء لما عهدنا منذ الوفا“

(بحار الانوار صفحہ ۲۶۵، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”پس کلیم اللہ کو ”حُلَّہُ اصطفیٰ“ اس وقت پہنایا گیا جب ہم نے ان سے وفا پائی۔“

چودھواں غلو: اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر ائمہ کی طاعت واجب ہوتی

حدیث شریف میں ایک قصہ کے ضمن میں یہ ارشاد نبویؐ وارد ہے:

”لو کان موسیٰ حیا لما وسعه إلا اتباعی“۔

ترجمہ: ”یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔“

اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا گیا کہ:

قال الحسن بن سلیمان: فعلی هذا لو کان موسیٰ علیہ السلام فی زمن محمد ﷺ لما وسعه إلا اتباعه، و کان من ائمتہ، و وجب علیہ طاعة وصیہ امیر المؤمنین و الاوصیاء من بعدہ ﷺ۔

(بحار الانوار..... صفحہ ۳۱۶، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”یہاں سے ثابت ہوا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ان کو آپؐ کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور وہ آپؐ کے امتی ہوتے۔ اور ان پر آپؐ کے وصی امیر المؤمنین اور ان کے بعد دوسرے اوصیاء علیہم السلام کی اطاعت بھی واجب ہوتی۔“

پندرہواں غلو: حضرت ایوب علیہ السلام نے حضرت علیؑ کی امامت میں شک کیا، اس لئے بیماری میں مبتلا ہوئے

شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی کی کتاب ”مسائل البلدان“ میں پوری سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہما کا ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ”ولایت علیؑ“ میں شک کیا تھا۔ روایت کا درج ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے:

قال امیر المؤمنین علیہ السلام: اُتدري ما فصة أئوب وسبب تغیر نعمۃ اللہ علیہ؟ قال: اللہ أعلم و أنت با امیر المؤمنین، قال: لما کان عند الابعات للنطق^(۱)

شكاً اَيُّوبَ فِي مَلِكِي^(۴) فَقَالَ : هَذَا خُطْبَ جَلِيلٍ وَ أَمْرٍ جَسِيمٍ ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : يَا أَيُّوبَ إِنَّكَ فِي صُورَةِ أَقْمَتِهِ أَنَا ، إِنِّي ابْتَلَيْتُكَ بِآلِبَاءِ فُوجِبَتْ لَهُ وَ صَفَحْتُ عَنْهُ بِالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ بِأَمْرَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْتَ تَقُولُ : خُطْبَ جَلِيلٍ وَ أَمْرٍ جَسِيمٍ ، فَوَعْدِي لَا ذِيْقَنُكَ مِنْ عَذَابِي أَوْ تَتُوبُ إِلَيَّ بِالطَّاعَةِ لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ .

نَمَّ أَدْرَكَهُ السَّعَادَةُ بِمِ ، بِعَنَى أَنَّهُ تَابَ وَ أَذْعَنَ بِالطَّاعَةِ لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ عَلَى نَدْبَتِهِ الطَّيِّبِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ .^(۵)
(بحار الانوار صفحہ ۲۹۳ ، جلد ۲۶)

ترجمہ : ”امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا : کیا تجھے معلوم ہے کہ قصہ ایوب کیسے پیش آیا اور ان سے اللہ کی نعمتیں چھیننے کا کیا سبب بنا؟ سلمان نے کہا : اے امیر المؤمنین ! اللہ جانتا ہے یا آپ کو معلوم ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے (میری امامت ان کے سامنے پیش کر کے) ان سے اقرار لیا تو ایوب کو میری امامت میں شک ہوا اور کہنے لگے یہ تو بڑی بات ہے اور بڑا بھاری معاملہ ہے۔ اللہ عز و جل نے فرمایا کہ اے ایوب ! تو اس شخصیت میں شک کرتا ہے جس کو میں نے خود مقرر کیا ہے؟ اسی بنا پر تو میں نے آدم کو ابتلا میں ڈالا، پھر امیر المؤمنین کی امارت تسلیم کر لینے کے صلہ میں اس پر عنایات کیں اور اس کو معاف کر دیا۔ اور تو کہتا ہے کہ یہ بڑی بات اور بھاری معاملہ ہے؟ مجھے اپنی عزت کی قسم ! میں تجھے اپنا عذاب چکھا کر رہوں گا یہاں تک کہ تو توبہ تائب ہو کر امیر المؤمنین کی اطاعت کا اقرار نہ کر لے۔

پھر میرے طفیل ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی یعنی انہوں نے توبہ کی اور امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کی پاکیزہ اولاد علیہم السلام کی اطاعت کا اقرار کر لیا۔“

سولہواں غلو : حضرت یونس علیہ السلام نے ولایت علیؑ سے انکار کیا تو مچھلی کے پیٹ میں قید کئے گئے

اس مضمون کی روایات ص ۱۵۰ سے ص ۱۵۵ پر گزر چکی ہیں، مزید دو روایتیں ملاحظہ فرمائیے :-

الف : - محمد بن أحمد معننا عن جعفر بن محمد عن أبيه عن آبائه^(۶) قال :

قال رسول الله ﷺ : إن الله تعالى عرض ولاية علي بن أبي طالب عليه السلام على أهل السماوات وأهل الأرض فقبلوها ما خلا يونس بن متى فعاقبه الله وحبه في بطن الحوت لا نكارة ولاية أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام حتى قبلها .
(بحار الانوار صفحہ ۳۳۳ - ۳۳۴ ، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”ابام جعفر صادق“ اپنے باپ دادا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کی تو یونس بن متی کے سوا سب نے اسے قبول کر لیا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ نے یونس کو بطور سزا مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی ولایت کا انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قبول کیا تب ان کو رہائی ملی۔“

ب: - یو: ابن معروف عن سعدان عن صباح المزني عن العارث بن حصيرة عن جبة العربي قال: قال أمير المؤمنين عليه السلام: إن الله عرض ولايتي على أهل السماوات وعلى أهل الأرض فبها من أقر وأنكرها من أنكر ، أنكرها يونس فحبسه الله في بطن الحوت حتى أقر بها (۱۱) .
(بحار الانوار صفحہ ۲۸۲ ، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اللہ نے میری ولایت کو آسمان والوں اور زمین والوں پر پیش کیا۔ جس نے اقرار کرنا تھا تسلیم کر لیا اور جس کو انکار کرنا تھا، منکر ہوا۔ یونس نے بھی انکار کر دیا تھا، تو نتیجتاً اللہ نے اسے مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا، یہاں تک کہ اس نے بھی تسلیم کر لیا۔“

پہلے گزر چکا ہے کہ ولایت ائمہ میں شک و انکار کفر ہے۔ گویا حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہم السلام یغوث و یثوث تھے۔ پہلے کفر میں مبتلا ہوئے پھر اس سے تائب ہوئے۔

ستر ہواں غلو: حسبِ علیؑ اتنی بڑی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا

شیعہ مومنین کو گناہوں کی کھلی چھٹی دینے کے لئے یہ روایت بھی تصنیف کی گئی ہے کہ حب علیؑ کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں اور بغض علیؑ کے ساتھ کوئی نیکی مفید نہیں۔ روایت کا متن یہ ہے :

أبو تراب في الحقائق والخوازمي في الأربعين بإسنادهما عن أنس ، والديلمی في الفردوس عن معاذ ، وجماعة عن ابن عمر قال النبي ﷺ : حب علي بن أبي طالب حسنة لا تضر معها سيئة ، وبغضه سيئة لا تنفع معها حسنة .
(بحار الانوار صفحہ ۲۵۶ ، جلد ۳۹)

ترجمہ : ”انسؓ معاذؓ اور ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”حب علیؑ“ ایسی نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں۔ اور ”بغض علیؑ“ ایسا گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ بخش نہیں۔“

وقال ابن عباس : كان يهودي يحب علياً حباً شديداً ، فمات ولم يسلم ، قال ابن عباس : فيقول الجبار تبارك وتعالى : أمتا جنتي فليس له فيها نصيب ، ولكن يا نار لا تهديده - أي لا تزعجيه - .
فضائل أحمد و فردوس الديلمي : قال عمر بن الخطاب : قال النبي ﷺ : حب عليؑ براءة من النار . وأنشد :

حب عليؑ جنة للورى ❧ احطط به يارب أوزاري
لو أن ذمباً نوى حبه ❧ حصن في النار من النار

(بحار الانوار صفحہ ۲۵۸ ، جلد ۳۹)

ترجمہ : ”ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت علیؑ کے ساتھ شدید محبت رکھتا تھا۔ وہ اسلام لائے بغیر مر گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری جنت میں تو اس کا حصہ نہیں۔ لیکن اے دوزخ! تو اس کو کچھ نہ کہنا۔“
فضائل احمد و فردوس دیلمی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”حب علیؑ“ دوزخ سے

آزادی کا پروانہ ہے اور آپ نے دو شعر پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)
 ترجمہ: ”علیٰ کی محبت مخلوق کے لئے جنت ہے، اے میرے رب! اس کے
 ذریعہ میرے بوجھوں کو ہٹا دیجئے۔
 اگر کوئی کافر ”حب علی“ کی نیت کر لے تو وہ دوزخ میں دوزخ سے محفوظ
 رہے۔“

مرجہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ لیکن غلامہ
 مجلسی کی مندرجہ بالا تصریح کے مطابق ”حب علی“ کے بعد کفر بھی مضر نہیں اور نقل بالا
 سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”حب علی“ سے پُر دامن تھے۔

اٹھارواں غلو: ازواج مطہرات کی طلاق علیؑ کے سپرد تھی
 علامہ مجلسی نے حسن بن سلیمان کی ”کتاب المحقر“ کے حوالے سے ایک مرفوع
 روایت نقل کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

ألا وإني قد جمعت أمر إسمائي بيده ،
 (بحار الانوار صفحہ ۶۶، جلد ۲۶)

ترجمہ: ”سنو! اور بے شک میں نے اپنی بیویوں کا معاملہ علیؑ کے ہاتھ میں
 دے دیا ہے۔“

اس روایت کی تصنیف کے مقاصد اور مضمرات اہل فہم و دانش سے مخفی نہیں۔

انیسواں غلو: کربلا کی تخلیق کعبہ شریف سے پہلے ہوئی

علامہ مجلسی نے کتاب السماء والعالم کے ”باب حدوث العالم و بدء خلقه“
 میں ابو سعید عباد العصفری کی کتاب کے حوالے سے امام باقرؑ کی روایت نقل کی
 ہے:

۱۴۷ - ومنه : عن مرد ، عن أبيه ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : خلق الله أرض
 كربلاء قبل أن يخلق أرض الكعبة بأربعة وعشرين ألف عام ، وقد سماها وبارك عليها

فما زالت قبل خلق الله الخلق مقدسة مباركة ، ولا تزال كذلك حتى يجعلها الله
أفضل أرض في الجنة ، و أفضل منزل ومسكن يسكن الله فيه أوليائه في الجنة .

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۲، جلد ۵۴، روایت نمبر ۱۴)

ترجمہ: ”امام باقرؑ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی زمین کو پیدا کرنے سے
چوبیس ہزار سال پہلے کر بلا کی زمین کو پیدا کیا۔ اور اسے مقدس بنایا اور اس کو
بابرکت بنایا۔ پس یہ مخلوق کی تخلیق کے پہلے سے مقدس و بابرکت چلی آتی
ہے۔ اور ہمیشہ ایسی ہی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سب
سے افضل زمین بنائیں گے۔ اور یہ جنت میں سب سے افضل مکان اور مسکن
ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ٹھہرائیں گے۔“

یہ چند عالیانہ عقائد ”نقل کفر کفر نباشد“ کے طور پر عجلت میں نقل کئے گئے
ہیں۔ اگر مزید تفتیش کی جائے تو اس کی بیسیوں مثالیں اور بھی ملیں گی۔ اور یہ عقائد ان
پڑھ جاہلوں کے نہیں، بلکہ شیعہ مذہب کے اکابر و ضنادید کے ہیں، جنہوں نے ان
روایات کو بطور استناد اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور ان پر سرخیاں جمائی ہیں۔ جیسا کہ
اسی بحث کے شروع میں علامہ باقر مجلسی کے باب کی سرخی نقل کر چکا ہوں کہ ائمہ، انبیاء
کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ کہ ”امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔“

ساتویں بحث : امامت میں الوہیت کی جھلکیاں

شیعہ راویوں کی مبالغہ آرائیوں اور غلو پسندیوں سے صرف یہی نہیں کہ نبوت و رسالت کا مقام رفیع مجروح ہوا، بلکہ ائمہ کی شان میں غالبانہ قصیدہ خوانی کرتے ہوئے انہوں نے بارگاہِ صمدیت کے ادب و احترام کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضراتِ امامیہ بڑی شدت کے ساتھ ائمہ سے صفات الوہیت کی نفی کیا کرتے ہیں اور جو فرقے ان حضرات کی الوہیت کے قائل ہیں، ان سے سخت بیزاری کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مبالغہ آرائی کا مزاج پختہ تر ہو چکا ہے اس لئے ان بزرگوں کو ”مانوق البشر“ ثابت کرنے میں وہ بھی کسی غالی سے پیچھے نہیں۔

علامہ مجلسی کا یہ فقرہ اوپر گزر چکا ہے کہ :

”امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے۔“
اور آیت اللہ خمینی کا یہ فقرہ بھی گزر چکا ہے کہ :

”یہ عقیدہ ہمارے مذہب کے ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کے مقام اور مرتبہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔“
(الحکومت الاسلامیہ صفحہ ۲۵)

علامہ مجلسی اور علامہ خمینی اس عقیدے کے اظہار پر اس لئے مجبور تھے کہ شیعہ راویوں کے مطابق امام معصوم کی تعلیم یہی تھی۔ چنانچہ روضہ کافی میں امام صادقؑ کا شیعوں کے نام ایک طویل خط نقل کیا ہے، اس کا ایک فقرہ ملاحظہ فرمائیے :

”ان فضلمہ لایبلغنہ ملک مقرب ولا نبی مرسل“
(روضہ کافی صفحہ ۱۰، جلد ۸)

ترجمہ: ان کے درجہ کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نبی مرسل۔

اس سے قطع نظر کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کیسی توہین و تنقیص ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے بالاتر مرتبہ تو خدا کا ہے، تو کیا ائمہ، خدائی کے مرتبہ میں بھی کچھ عمل دخل رکھتے ہیں؟ حضرات امامیہ کی روایت سے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ زمین اللہ کی ہے یا ائمہ کی؟

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾

(الأعراف: ۱۲۸)

ترجمہ: ”بے شک زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کر دے جس کو چاہے۔

اپنے بندوں میں۔“

اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے: ان الارض كلها للإمام عليه السلام
”یعنی زمین ساری امام کی ملکیت ہے۔“ مطلب یہ کہ زمین امام کی جاگیر ہے جس کو
چاہے دے، جس سے چاہے لے۔

چنانچہ اسی باب میں ابو بصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے

پوچھا:

أما على الإمام زكاة؟ فقال: أحلت يا أبا عبد أما علمت أن الدنيا والآخرة
للإمام يضعها حيث يشاء. ويدفعها إلى من يشاء. جائز له ذلك من الله. إن الإمام
يا أبا عبد لا يبیت ليلة أبداً والله في عتقه حق يسأله عنه.

(اصول کافی ... صفحہ ۴۰۹، جلد ۱)

ترجمہ: ”کیا امام پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ اے ابو محمد! تو نے عمل بات
کئی، تجھے معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت امام کی ملکیت ہے۔ جہاں چاہے رکھے

اور جس کو چاہے دے، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا پروانہ حاصل ہے۔ اے ابو محمد! امام ایک رات بھی ایسی حالت میں نہیں گزارتا کہ اس کی گردن پر اللہ کا حق ہو، جس کے بدلے میں وہ اس سے سوال کرے۔“

۲۔ جلانا اور مارنا

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ﴾

ترجمہ: ”میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“
تو نمرود نے کہا:

﴿اَنَا اُحْیِیْ وَ اُمِیْتُ﴾ (البقرة: ۲۵۸)

ترجمہ: ”میں جلاتا اور مارتا ہوں۔“

اب دیکھئے یہی نمرودی فقرہ شیعہ راویوں نے حضرت امیرؑ سے منسوب کر دیا:

و اَنَا اُحْیِیْ وَ اَنَا اُمِیْتُ^(۱) وَاَنَا حَیٌّ لَا اَمُوْتُ .

(بحار الانوار صفحہ ۳۴۷، جلد ۳۹)

ترجمہ: ”میں جلاتا ہوں، میں مارتا ہوں، میں حی لا یموت ہوں۔“

۳۔ اول و آخر، ظاہر و باطن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی شان میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾

(الحمد ۳)

ترجمہ: ”وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔“

اور شیعہ راویوں نے حضرت امیرؑ سے نقل کیا ہے:

أنا الأول، وأنا الآخر، وأنا الباطن، وأنا الظاهر،
وأنا بكل شئ عليم. (بحار الأنوار ۳۴۷ ج ۳۹)
ترجمہ: ”میں ہی اول ہوں، میں ہی آخر ہوں، میں ہی باطن ہوں، میں ہی
ظاہر ہوں اور میں ہر چیز کو جانتا ہوں۔“

۴۔ سینوں کے بھید جاننا

قرآن کریم میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:
﴿وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾
ترجمہ: ”یعنی اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔“
اوپر گزر چکا ہے کہ امامیہ کے نزدیک ائمہ سینوں کے بھید جانتے ہیں۔

۵۔ روز جزا کا مالک

سورۃ فاتحہ میں فرمایا: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

ترجمہ: ”مالک روز جزا کا۔“

شیعہ راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روز جزا کا مالک ثابت کرنے کے
لئے بہت سی روایات تصنیف کر لیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے:

۵۴۔ قال: وروى البرقي في كتاب الآيات عن أبي عبد الله عليه السلام أن رسول
الله ﷺ قال لا مير المؤمنين عليه السلام: يا علي أنت دينان هذه الأمة، والمتولي
حسابهم^(۱)، وأنت ركن الله الأعظم يوم القيامة، ألا وإن المقاب إليك، والحساب
عليك، والصراط صراطك، والميزان ميزانك، والموقف موقفك.

(بحار الأنوار..... صفحہ ۲۷۲، جلد ۲۳)

ترجمہ: ”حضرت صادق“ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے فرمایا: اے علی! تم ہی اس امت کو بدل
دینے والے ہو، ان کا حساب تمہارے ہی سپرد ہے، تم قیامت کے دن اللہ
کے رکن اعظم ہو گے۔ سنو! بے شک تیری طرف ہی لوگوں کا لوٹنا ہو گا، اور

تیرے ذمہ ہی لوگوں کا حساب ہوگا، پل صراط تمہارا ہوگا، میزان عدالت تمہاری ہوگی، اور قیامت کا موقف تمہارا ہوگا۔“

۶۔ تقسیم الجنة والنار

بہت سی روایات میں حضرت امیرؓ کا لقب ”قسیم الجنة والنار“ آیا ہے۔ یعنی جنت و دوزخ کی تقسیم ان کے سپرد ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار ”کتاب تاریخ امیر المومنین“ میں اس پر مستقل باب باندھا ہے:

”انه عليه السلام قسيم الجنة والنار“

(بحار الانوار..... صفحہ ۱۹۳، جلد ۳۹)

۷۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر تکوینی حکومت

اگرچہ حضرات امامیہ ان تمام امور کی تاویلات فرماتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرات ائمہ کو خدا بنانے کی اچھی خاصی کوشش کی ہے۔ انہی سے متاثر ہو کر دور حاضر کے سب سے بڑے شیعہ رہنما جناب آیت اللہ خمینی نے اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں ”الولاية التكوينية“ کے زیر عنوان تحریر فرمایا:

”فإن للإمام مقاما محمودا ودرجة سامية وخلافة

تكوينية تخضع لولايتها وسيطرتها جميع ذرات

الكون“۔ (صفحہ ۵۲)

ترجمہ: ”امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل

ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرگرم اور

زیر فرمان ہوتا ہے۔“

خلاصہ یہ کہ ائمہ کو ”چشم بد دور“ اچھی خاصی خدائی حاصل ہے۔ ایک طرف

ائمہ کی شان میں اس غلو کی ”شواشوری“ دیکھئے اور دوسری طرف تقیہ کی ”بے تمکینی“

ملاحظہ فرمائیے کہ تمام تر اقتدار و اختیار کے باوجود ائمہ، مدۃ العمر نقاب تقیہ میں روپوش

رہے۔ ان اللہ وانالہ راجعون۔

آٹھویں بحث: کیا عقیدہ امامت دین و ملت کی حفاظت کا ذریعہ بنا؟

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”عقیدہ ختم نبوت بر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ عقیدہ (یعنی عقیدہ امامت) مزوج ہو کر حفظ دین سے متعلق ہوتا ہے۔۔۔ امام کا

منصب اقامت دین اور حفظ ملت ہے۔“

ختم نبوت پر آپ حضرات کا جیسا کچھ ایمان ہے اس کی حقیقت تو اوپر معلوم ہو چکی، رہا آپ حضرات کا یہ کہنا کہ عقیدہ امامت حفظ دین کا ضامن ہے اور یہ کہ دین و ملت کی حفاظت امام کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اول تو یہ دونوں مقدمے غلط ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ گیارہ صدیوں سے آپ کا امام غیر حاضر ہے، مگر بفضل خداوندی اللہ تعالیٰ کا دین جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی حفاظت امام پر موقوف نہیں کیونکہ اگر آج کے دور شرور و فتن میں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہِ زلمہ سے چودہ سو سال کا بعد ہو چکا ہے، باوجود اس کے اللہ کا دین محفوظ رہ سکتا ہے اور بحمد اللہ محفوظ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد آپ کے اصطلاحی ”امام“ کے بغیر دین محفوظ نہ رہتا۔

اگر فرض کیجئے کہ امام کی ضرورت حفظ دین ہی کے لئے ہے تو میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ آپ حضرات نے اماموں کے انتخاب میں غلطی کی، جن بزرگوں کو آپ نے ”امام“ بنایا، اصول شیعہ کے مطابق ان کے ذریعہ دین کی حفاظت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ عقیدہ امامت دین و ملت کی تخریب اور بیخ کنی کا سبب بنا۔ البتہ اہلسنت جن کو ”امام“ (یعنی خلفاء) مانتے ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی ایسی حفاظت ہوئی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس لئے میں ان دونوں نکتوں کو الگ الگ بحثوں

میں ذکر کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ شیعہ، جن اکابر کو ”امام“ کہتے ہیں خود شیعہ اصول کے مطابق ان سے دین و ملت کی حفاظت نہیں ہو سکی، یا یوں کہئے کہ شیعوں کا عقیدہ امامت خود انہی کے مسلمہ اصولوں کے مطابق حفظ دین و ملت کا ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔ اور دوسری بحث یہ کہ بحمد اللہ اہل سنت کے خلفائے راشدینؓ سے اللہ تعالیٰ نے حفظ ملت و اقامت دین کا کام لیا۔

شیعہ کے نزدیک ابو الائمہؓ سے بھی دین و ملت کی حفاظت نہ ہو سکی شیعوں کے امام ثانی سے امام غائب تک گیارہ اماموں کے قصہ کو تو چھوڑیئے، شیعہ اصول کے مطابق ان کے امام اول ابو الائمہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی دین و ملت کی حفاظت نہ کر سکے اور ان کی امامت کا عقیدہ بے مقصد ہی رہا۔ یقین نہ آئے تو ”روضہ کافی“ کی روایت نمبر ۲۱۰ چشم عبرت ملاحظہ فرمائیے جس میں امیر المومنین کا طویل خطبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

قد عملك الولاية قبلي اعمالا خالفوا فيها

رسول الله ﷺ متعمدين لخلافه ، ناقضين لمهده منيرين لسته ولو حملت الناس على تركها وحوّلنها إلى مواضعها و إلى ما كانت في عهد رسول الله ﷺ لتفرق عني جندي حتى أبقى وحدي أو قليل من شيعتي الذين عرفوا فضلي و فرض إمامتي من كتاب الله عز وجل و سنة رسول الله ﷺ ، (روضہ کافی صفحہ ۵۹، جلد ۸)

ترجمہ: ”مجھ سے پہلے کے حکمرانوں نے ایسے بہت اعمال کئے جن میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آپ کے عہد کو توڑ ڈالا اور آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔ اب اگر میں لوگوں کو ان کے چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہوں اور ان کو بدل کر اسی بیخ پر لانا چاہوں جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے تو (مجھے خوف ہے کہ) میری ہی فوج یقیناً مجھ کو چھوڑ دے گی اور میں تمہارے جاؤں گا یا تھوڑے بہت میرے وہ شیعہ میرے ساتھ رہ جائیں گے جن پر میری فضیلت اور کتاب و سنت سے میری امامت کی فرضیت کی حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔“

اس کے بعد حضرت امیرؒ نے ان سنگین بدعات کا ذکر کرتے ہوئے، جو راوی کے بقول حضرات شیخین نے ایجاد کی تھیں، یہ فرمایا کہ اگر میں ان امور کی اصلاح کر دوں تو لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں گے اور پھر فرمایا:

والله لقد أمرت الناس أن لا يجتمعوا في شهر رمضان إلا في

فريضة وأعلمتهم أن اجتماعهم في النوافل بدعة فتأدى بعض أهل عسكري ممن يقاتل معي: يا أهل الإسلام غيبت سنة عمرينها ناعن الصلاة في شهر رمضان تطاوعاً ولقد خفت أن يثوروا في ناحية جانب عسكري^(۱) ما لقيت من هذه الأمة من الفرقة وطاعة أئمة الصلاة والدعاة إلى النار.....

(روزہ کافی..... صفحہ ۶۲-۶۳، جلد ۸)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ رمضان میں فرض کے علاوہ کوئی نماز باجماعت ادا نہ کیا کریں (یعنی تراویح کی نماز نہ پڑھیں) اور ان کو یہ بتلایا کہ نوافل کا باجماعت ادا کرنا بدعت ہے تو میرے ہی لشکر میں ایسے لوگ جو میری معیت میں قتال کرتے ہیں، چلا اٹھے کہ اے اہل اسلام! سنت عمرؓ کو تبدیل کیا جا رہا ہے، یہ شخص ہمیں رمضان میں نفلی نماز (یعنی تراویح) پڑھنے سے روکنا چاہتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ میرے لشکر کے ایک حصہ کو ہی میرے مقتل کھڑا کر دیں گے۔ میں نے ان لوگوں کو بت ہی فرقہ باز، ائمہ ضلالت کے پیروکار اور جہنم کی جانب دعوت دینے والے پایا“.....

یہ خطبہ بلاشبہ آل سبکی تصنیف ہے، جس میں خلفائے ثلاثہؓ سے زیادہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ”جو بلج“ ہے۔ چنانچہ اس خطبہ سے چند امور بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔
 اول: حضرت امیرؒ ان سنگین بدعات کی اصلاح نہ تو خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں کر سکے اور نہ خود اپنے دور خلافت میں، گویا دین و ملت کی حفاظت کا انتظام ان سے رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ ہو سکا، لہذا اس روایت کی رو سے ان کی امامت حفظ دین و ملت کا سبب نہ ہوئی، بلکہ (نعوذ باللہ) تخریب دین و ملت کا سبب ہوئی۔

دوم: حضرات ثلاثہؒ نے جو کام کئے وہ تو ان کاموں کو اپنے اجتہاد کے مطابق ٹھیک ہی سمجھ کر کرتے ہوں گے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ان سے اجتہاد میں چوک ہو گئی، لیکن (نعوذ باللہ) حضرت امیرؒ دین کی اس تحریف و تغیر کو جانتے بوجھتے برداشت کرتے رہے، اس لئے اس تحریف دین کا وبال بھی معاذ اللہ حضرت امیرؒ کی گردن پر رہا۔ فردوع کافی کتاب الجہاد باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں روایت ہے:

۷۔ علی بن ابراہیم، عن اُمّہ، عن علی بن اُسباط، عن اُمّی اسحاق الخراسانی، عن بعض رجالہ قال: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰی اِلٰی داوُدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنْتَی فَنَفَرْتَ ذَبِکَ وَجَمَلْتَ عَلٰی ذَبِکَ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فَقَالَ: کَیْفَ یَا رَبِّ وَ اَنْتَ لَا تَظْلِمُ! قَالَ: اِنَّہُمْ لَمْ یَمَاجِلُوکَ بِالْمَنَکَرَةِ (۱)۔
(فردوع کافی..... صفحہ ۵۸، جلد ۵)

ترجمہ: ”اللہ عزوجل نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تیرا ”گناہ“ تو معاف کر دیا لیکن تیرے ”گناہ“ کا وبال بنی اسرائیل پر ڈال دیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے رب! یہ کیسے ہو گیا، آپ تو ظلم نہیں فرماتے؟ فرمایا: اس لئے کہ انہوں نے تجھے برائی سے باز رکھنے کا فورا اہتمام نہیں کیا۔“

سوم: اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنینؒ اپنی حکومت کی بقا کو دین و ملت کی حفاظت سے مقدم سمجھتے تھے۔ اہل عقل کا مسلہ اصول ہے کہ بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ حضرت امیرؒ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں ان کا لشکر ان کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے، خلفاء ثلاثہؒ کے دور کی ”بدعات“ کو (جن میں روایت کے مطابق حرام کو حلال کر دیا گیا تھا) جوں کا توں باقی رکھا۔ معاذ اللہ دین و ملت کی تحریف و تغیر کو تو گوارا کیا مگر اپنی حکومت کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا۔ گویا رواوی کے بقول دین و ملت کو اپنی چند روزہ حکومت پر قربان کر دیا۔ سوچئے کہ اس سے بدتر حضرت امیرؒ کی مذمت کیا ہو سکتی ہے؟ تو بہ! استغفر اللہ! اس روایت کے مطابق گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معیار بھی نعوذ باللہ۔ آج کے سیاسی لیڈروں سے کچھ بلند نہیں تھا، جن کو اپنی حکومت کا تحفظ ترویج شریعت، نفاذ اسلام اور اصلاح بدعات سے بڑھ کر عزیز ہوتا ہے۔

چہلدم: حضرت امیر المومنینؑ بالاجملع ”یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ“ کا مصداق تھے۔ کیونکہ جنگ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”کل میں جھنڈا ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں“ لیکن صحیفہ ہلالی کی یہ روایت کہتی ہے کہ نہیں! بلکہ حضرت امیر (نعموز باللہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغوض اور بے دین تھے، کیونکہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں سیکڑوں حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا گیا۔ مگر حضرت امیرؑ اس سے مس نہ ہوئے، اور ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص عند اللہ مغوض اور بے دین ہوتا ہے۔ چنانچہ ”فروع کافی“ کے مذکورہ بالا باب میں ہے:

۱۵۔ وبهذا الإسناد قال: قال النبي ﷺ: **إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَنْضِلُ الْمُؤْمِنَ الضَّعِيفَ الَّذِي لَا دِينَ لَهُ، قَبْلَ لَهُ: وَمَا الْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا دِينَ لَهُ؟** قال: **الَّذِي لَا يَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ.** (فروع کافی..... صفحہ ۵۹، جلد ۵)

ترجمہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ایسے مومن ضعیف سے بغض رکھتا ہے، جس کا کہ کوئی دین ہی نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ ایسا مومن جس کا کوئی دین ہی نہ ہو، کون ہو گا؟ فرمایا: جو ”نہی عن المنکر“ کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔“

پنجم: اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر المومنینؑ ان گھناؤنی بدعات کو (جو اس روایت میں خلفاء ثلاثہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں) برداشت کر کے امت کی ہلاکت کا سبب بنے۔ چنانچہ فروع کافی کے محولہ بالا باب میں خود حضرت امیرؑ کا خطبہ منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا امت کی ہلاکت کا موجب ہے:

ابن حجد ، عن ابي حزة ، عن يحيى بن فضيل ، عن حسن قال : خطب امير المؤمنين عليه السلام فحمد الله وانثني عليه وقال : اما بعد فانه انما هلك من كان قبلكم حيث ماعملوا من المعاصي ولم ينههم الربانيون والاحبار عن ذلك وانهم لما تملأوا في المعاصي ولم ينههم الربانيون والاحبار عن ذلك نزلت بهم العقوبات فامر بالمعروف وانهوا عن المنكر واعلموا ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لم يربا اجلا ولم يعطوا رزقا ،

(فروع كلنی صفحہ ۵۷، جلد ۵)

ترجمہ : ” حضرت حسنؑ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین خطبہ دے رہے تھے، اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا : تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاکت میں ڈال دیئے گئے کہ جب وہ معاصی میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء و احبار نے بھی ان کو اس سے منع نہ کیا۔ لہذا جب وہ معاصی میں حد سے بڑھ گئے اور علماء و احبار نے بھی ان کو باز رکھنے کی کوشش نہ کی تو ان پر پے در پے عذاب نازل ہونا شروع ہو گئے۔ اس لئے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو۔ یاد رکھو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ تو تمہیں موت سے ہمکنار کر دیں گے اور نہ تمہارے رزق کو تم سے روک دیں گے۔ “

ششم : اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرات شیخینؑ کیسی مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے۔ اور صدر اول کے مسلمانوں (حضرات صحابہؓ و تابعینؓ) کے دلوں میں ان کی کیسی والہانہ محبت راسخ تھی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت امیرؑ کے اس خطبہ کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر بیس پچیس برس گزر چکے ہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قریباً پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے دلوں پر ان کی محبت کا ایسا گہرا نقش ثبت تھا کہ حضرت امیرؑ جیسی محبوب و محبب شخصیت کے کہنے پر بھی وہ شیخینؑ کی سنت سے ایک انچ ادھر ادھر ہونے کے لئے تیار نہیں، کیوں نہ ہو، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے الفاظ ان کے کان میں گونج رہے تھے :

«علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی

تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ .

ترجمہ: ”لازم پکڑو میری سنت کو، اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت کو،

اس کو مضبوط تھام لو اور دانتوں کی کچلیوں سے پکڑ لو۔“

کسی زندہ شخص سے قرب و تعلق تو مادی نفع و نقصان کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن جن حضرات کی وفات کو پندرہ بیس سال گزر چکے ہوں، ان کے بعد حکومتوں پر حکومتیں بدل گئی ہوں اور ان کے عزیز و اقارب میں کوئی شخص کسی خطہ کا بھی حاکم نہ رہا ہو، ظاہر ہے کہ ان سے نہ کسی مادی نفع کی توقع ہو سکتی ہے اور نہ کسی دنیوی ضرر کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود شیخینؓ کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ شیفٹگی اور ان کے رگ و ریشہ میں ان حضرات کی محبت کا پیوست ہونا شیخینؓ کی اعلیٰ ترین کرامت ہے، جو ان حضرات کے کمال اخلاص و للہیت اور غایت قرب عند اللہ کی واضح شہادت اور بین دلیل ہے۔

آل سب نے حضرت خلفائے ثلاثہؓ کو نعوذ باللہ غاصب و ظالم اور جابر و جائر ثابت کرنے کے لئے یہ خطبہ امیر المومنینؓ کے نام سے تصنیف کیا تھا، لیکن حضرت خلفائے راشدینؓ کی اور خود حضرت امیرؓ کی کرامت کا کرشمہ دیکھئے کہ خود اسی خطبہ نے حضرت شیخینؓ کی محبوبیت و حقانیت اور اخلاص و للہیت کا ایسا زندہ جاوید ثبوت فراہم کر دیا جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ گویا حضرت شیخینؓ کو یہ کہنے کا بجا طور پر حق ہے کہ:

ع ”ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما“

اور حضرت امیرؓ کی مزعومہ امامت کو (جس کا موجد عبد اللہ بن سبا تھا) خود اسی خطبہ نے حرف غلط ثابت کر دیا۔ و کفی اللہ المومنین القتال۔

خلاصہ یہ کہ حضرات خلفاء راشدینؓ کو بدنام کرنے کے لئے سبائی کمیٹی کے ممبروں نے پہلے ولایت علیؓ اور ولایت ائمہ کا عقیدہ تصنیف کیا، اور پھر دھڑا دھڑائے نام سے جعلی روایات کے طومار تصنیف ہونے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ ان روایات کے انبار لگا دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دین حق کو کیسا محفوظ رکھا! حضرات خلفاء راشدینؓ کو بدنام کرنے کے لئے جتنی شدت کے ساتھ روایاتی پروپیگنڈہ

کیا گیا، ان حضرات کی حقانیت و للہیت اتنی ہی زیادہ چمکی، اور یہ ہتھیار الٹا ”ولایت علی“ کے عقیدہ پر چل گیا۔ کیونکہ شیعہ روایات نے ثابت کر دیا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی امامت سے دین و ملت کو ایک ذرہ بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان کے سامنے اللہ کے دین میں تحریف ہوتی رہی، خوفناک قسم کی بدعتیں جاری ہوتی رہیں، حضرت امیرؑ تحریف دین اور تخریب ملت کا یہ سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے، لیکن ان کی رگ حمیت کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی اور انہیں کلمہ حق کہنے کی کبھی توفیق نہ ہوئی، بلکہ ہمیشہ نقاب تقیہ میں روپوش رہے۔ غضب یہ کہ اپنے دور خلافت میں بھی ایک ذرہ اصلاح نہ کر سکے، بلکہ حکومت و شجاعت کے باوصف ”ردائے تقیہ بردوش“ رہے۔ یہاں تک کہ برسر منبر فضیلت شیخینؑ کے خطبے پڑھتے رہے۔

«أفضل هذه الأمة بعد نبیہا أبو بکر ثم عمر» .

ترجمہ: ”اس امت میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر، عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔“

کیا کوئی مسلمان حضرت علیؑ کے بارے میں اس کا تصور بھی کر سکتا ہے؟
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے:

”و اگر تقیہ باوجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بقتال جمع اہل ارض جائز باشد می توان گفت کہ بایمجدہ کہ بایشیخین بدی بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین می نمود، پس کلام ”خیرالاتہ“ متحقق است و خلاف او تقیہ۔“

و می توان گفت کہ اظہار اسلام و نماز پنج گانہ خواندن واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ مسلمین بود، و شک نیست کہ تفرق قوم بترک اسلام اشد بود از تفرق بسبب انکار شیخین، پس امن از اسلام او بر خاست، چہ جائے امامت، و ایں ہمہ بقبا حاتم می کشد کہ بیچ مسلمانی خیال آن نمی تواند کرد۔“ (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۸۲، جلد ۱)

ترجمہ: ”اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ شیخینؒ سے بدگمان تھے، حضرت علیؑ ان سے تہمتی میں تقیہ کر کے شیخینؒ کا انکار کر دیتے تھے۔ لہذا انہوں نے جو مجمع عام میں ”خیر الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر“ فرمایا، یہ کلام صحیح ہے اور اس کے خلاف جو تہمتی میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اپنے کو مسلمان کہنا اور بیچ وقتہ نماز پڑھنا اور روزِ خ سے ڈر ظاہر کرنا۔ نعوذ باللہ۔ یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے۔ اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی، اتنی نفرت شیخینؒ کے انکار سے نہ تھی۔ لہذا ان کے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے۔ پس امامت تو کجا؟ حضرت علیؑ کے اسلام کا بھی یقین نہ رہا۔ اور یہ نتائج مذہب شیعہ کے ایسے برے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں لاسکتا۔“

مکرر عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ ساری گفتگو اس تصویر پر ہے جو شیعہ روایات نے حضرت امیرؑ کی تیار کی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدینؒ کے مثالب و مطاعن کے یہ سارے طوابع سہلی کمیٹی کی ایجاد و اختراع ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد امجاد، جن کے نام پر یہ سارا طوابع تصنیف کیا گیا ہے، ان کا دامن سہلی راویوں کے اس تصنیف کردہ طوابع سے یکسر پاک ہے۔ حضرت علیؑ خلیفہ راشد تھے، اور وہ اپنے پیشرو خلفائے راشدینؒ کے ساتھ شیر و شکر تھے، اسی طرح بعد کے اکابر بھی اہلسنت کے پیشوا و مقتدا تھے، اسی بنا پر اس ناکارہ نے عرض کیا تھا کہ شیعہ اصول پر حضرت علیؑ کی امامت سے دین و ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس لئے اگر آنجناب کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ ”امام کا منصب اقامت دین و حفظ ملت ہے“ تو یقین کرنا چاہئے کہ شیعہ اصول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعوں کے اصطلاحی امام نہیں تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

دوسرے ائمہ کی امامت

ابوالائمہؒ کی امامت کا حل تو آپ سن چکے، اس کے بعد دیگر ائمہ کی امامت کے بارے میں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ تاہم کسی طویل بحث کے بغیر مختصراً ایک حکمت پیش کرتا ہوں :

آنجناب نے اپنے گرامی نامہ میں امامت کی جو تعریفیں نقل کی ہیں ان میں امامت کی تعریف ”ریاست عامہ“ کے ساتھ کی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ”امام وہ ہے جو نبیائے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کا رئیس عام ہو۔“ اور ریاست عامہ کے حصول کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ اول یہ کہ مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کسی شخصیت کو اپنا رئیس عام مقرر کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں۔ دوم یہ کہ کوئی شخص جبر و طاقت سے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط ہو جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہؓ کے دور میں مسلمانوں کے رئیس عام نہیں تھے، البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ارباب حل و عقد نے ان کو اپنا رئیس منتخب کر لیا اور وہ مسلمانوں کے ”امام“ بن گئے۔ اس دور میں اہلسنت بھی ان کو خلیفہ برحق اور ”امام“ مانتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک اپنے والد گرامی قدر کے جانشین رہے، بلاشبہ اس زمانے میں وہ بھی ”امام“ تھے، اور ان کی خلافت، خلافت راشدہ کا تمہ تھی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ اس طرح ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی :

”إن ابني هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين“ .

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۹، بروایت صحیح بخاری)

ترجمہ : ”میرا یہ بیٹا سرور ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دیں گے۔“

خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد ان کی ”ریاست عامہ“ ختم ہو گئی۔ لہذا وہ بھی امام نہ رہے۔ ان کے علاوہ باقی جن اکابر کو آپ ”امام“ کہتے ہیں ان کو ”ریاست عامہ“ حاصل ہی نہیں ہوئی کہ ان کو ”امام“ کہنا صحیح ہو، جب آپ خود مانتے ہیں کہ ”امامت“ ریاست عامہ کو کہتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان حضرات کو ریاست عامہ کبھی حاصل نہیں ہوئی تو خود سوچئے کہ ان کو ”امام“ کہنا کیا خود آپ ہی کے اصول اور قاعدے سے غلط نہ ہوا؟ اب آنجناب کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو از روئے انصاف یہ تسلیم کر لیجئے کہ یہ حضرات، خود شیعہ اصول اور قاعدے کے مطابق ”امام“ نہیں تھے، یہ نہیں تو پھر امامت کی تعریف بدل دیجئے اور کوئی ایسی تعریف کیجئے جو ان ”بزرگوں“ پر صادق آئے۔ اور اعلان کر دیجئے کہ آپ کے بزرگوں نے ”امامت“ کی جو تعریف کی ہے وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ تعریف تو ہمارے کسی ایک ”امام“ پر بھی صادق نہیں آتی۔ ایک طرف امامت کی تعریف ”ریاست عامہ“ کے ساتھ کرنا، اور دوسری طرف ایسے بزرگوں کو ”امام“ کہنا، جن کو کبھی ریاست عامہ حاصل نہیں ہوئی، اس کی مثل تو بچوں کے کھیل کی سی ہوئی۔ بچے کھیل کھیلا کرتے ہیں تو اپنے میں سے کسی کا نام ”بادشاہ“ رکھ لیتے ہیں، کسی کو ”وزیر“ بنا لیتے ہیں، کسی کو ”کووال“ نامزد کر دیتے ہیں اور کسی کو ”چور“ فرض کر لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ نہ ان کا بادشاہ، بادشاہ ہے نہ وزیر، وزیر۔ محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

اگر آپ حضرات بھی ایسے بزرگوں کا نام ”امام“ رکھ لیتے ہیں جن کو عالم وجود میں ”ریاست عامہ“ تو کیا حاصل ہوتی، کبھی ایک چھوٹے سے گاؤں پر بھی ان کی حکومت نہیں رہی تو یہ واقعتاً ”امامت“ نہ ہوئی، بلکہ بچوں کا کھیل ہوا۔

﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾

ترجمہ: ”نہیں ہیں یہ مگر نام، جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند۔“

اور جب خود آپ حضرات ہی کے اصول اور قاعدے سے ان اکابر کا ”امام“ ہونا غلط ہوا تو یہ کہنا بھی حرف غلط ٹھہرا کہ ان اماموں کا منصب اقامت دین اور حفظ ملت تھا..... ہاں! یہ بھی ”بچوں کا ایک کھیل“ ہو تو اس میں گفتگو نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ مسلمات کی رُو سے ان کا مزعومہ عقیدہ امامت، اقامت دین اور حفظ ملت کا سبب کبھی نہیں بنا۔ یا تو یہ تحریف دین اور تخریب ملت کا ذریعہ بنا، یا پھر محض بچوں کا کھیل۔

نویں بحث: خلافت راشدہ واقعی اقامت دین کا ذریعہ ثلث ہوئی

اگر آجنگاہ کا یہ اصول صحیح ہے کہ ”امامت، حفظ دین کا ذریعہ ہے“ اور یہ کہ ”امام کا منصب اقامت دین و حفظ ملت ہے“ تو میں بعد ادب عرض کروں گا کہ اقامت دین و حفظ دین کا عظیم الشان کام اہل تشیع کے نظریہ امامت سے نہیں بلکہ اہلسنت کے ”نظریہ خلافت“ سے ہوا اور اہل سنت کے ”خلفاء راشدین“ نے اقامت دین و حفظ ملت کا وہ شاندار کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان کا یہ کارنامہ جریدہ عالم پر ایسا ثبت ہے کہ مومن تو مومن، کسی کافر کو بھی اس سے مجال انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آجنگاہ کو عقل و انصاف کی نعمت خدا داد سے بہرہ ور فرمایا ہے، اس لئے میں یہ گزارش کرنے میں حق بجانب ہوں کہ اس ناکارہ کی معروضات کو عقل و انصاف کی میزان میں تول کر دیکھئے، دل کو لگیں تو داد انصاف دیجئے ورنہ ”لکم دینکم ولی دین“ و فرمودہ خداوندی ہے۔

مقصود سے پہلے چند تمہیدی نکات پیش کرنا ضروری ہے:

۱: امامت کے معنی

لغت میں امامت کے معنی مقتداہیت و پیشوائی کے ہیں اور جس کی اقتداء کی جائے اس کو ”امام“ کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی، ”مفردات القرآن“ میں لکھتے ہیں:

”الإمام المؤتم به إنسانا، كان يقتدى بقوله وفعله،

أو كتابا أو غير ذلك، محققا كان أو مبطلا وجمعه

أئمة“ . (المفردات في غريب القرآن صفحہ ۲۳)

ترجمہ: ”امام جس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے، خواہ انسان ہو کہ اس کے قول و فعل کی اقتدا کی جائے یا کتاب ہو، یا اس کے سوا۔ خواہ وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔“

عموماً امام کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

اول: امام بہ معنی خلیفہ برحق

کسی قوم کے ”سربراہ اور رئیس عام“ کو بھی ”امام“ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ”امام“ کا لفظ ہر جگہ اس کے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، ”امام“ بہ معنی رئیس قوم قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس کے بجائے ”خلیفہ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ”امام عادل“ اور ”ائمہ جور“ کے الفاظ حدیث میں بکثرت وارد ہیں۔ الغرض ”امام“ کے ایک معنی ”خلیفہ برحق“ کے ہیں اور یہاں یہی معنی زیر بحث ہیں۔

دوم: امام بہ معنی دینی مقتدا و پیشوا

جو شخص ریاست و اقتدار تو نہیں رکھتا لیکن دینی علوم کی کسی شلخ میں مہارت بصیرت رکھتا ہو، لوگ اس کے علم و فہم اور ماہرانہ بصیرت پر اعتماد کرتے ہوں اور وہ اپنے فن میں لوگوں کا مرجع اور مقتدا ہو اس کو اس فن کا ”امام“ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ میر امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، حدیث میں امام بخاریؒ، و امام مسلمؒ، عقائد میں امام ابو الحسن اشعریؒ، اور امام ابو منصور ماتریدیؒ، علم کلام میں امام رازیؒ، و امام غزالیؒ، قرأت میں امام بایقؒ، اور امام عاصمؒ، یہاں تک کہ نحو و عربیت میں خلیل اور سیبویہ کو امام مانا جاتا ہے۔ آیت شریفہ: واجعلنا للمتقین اماماً (الفرقان: ۷۴) (اور بنا ہم کو متقیوں کا امام) میں امام کے یہی معنی مراد ہیں۔

حضرات شیعہ جن اکابر کو امام کہتے ہیں اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے اور حقیقت اہلسنت کے امام ہیں۔ خصوصاً شغل باطن، اصلاح و تزکیہ اور تصوف و سلوک

میں ان کی امامت مسلمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف و سلوک کے بیشتر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتے ہیں، الغرض یہ اکابر دراصل اہلسنت کے امام و مقتدا اور دینی پیشوا ہیں۔ اہل تشیع ان کی اصطلاحی امامت کا غلط دعویٰ کرتے ہیں جس سے ان اکابر کا دامن یکسر بری ہے۔

سوم : امام بہ معنی صاحب اقتدار

جن حکمرانوں کو ریاست و اقتدار حاصل ہو اور زمین میں ان کے احکام نافذ ہوں، لیکن دینی پیشوائی کا ایسا مقام ان کو حاصل نہ ہو کہ وہ خلفائے راشدینؓ کی طرح مرجع ہر خاص و عام ہوں، مجازاً ان کو بھی خلیفہ یا امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور دین مثلاً جماد، تقسیم غنائم، اقامت جمعہ و اعیاد وغیرہ میں وہ فی الجملہ پیشوائی رکھتے ہیں۔ ”امام“ کے یہ دوسرے اور تیسرے معنی ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

امامت کے ان تین معنوں کو الگ الگ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے درمیان امتیاز نہ کرنے سے بسا اوقات خلط بحث ہو جاتا ہے۔

۲ : امام بہ معنی خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

چونکہ دین و ملت کے بہت سے احکام اجتماعی ہیں اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعیت کسی امام اور رئیس عام کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے لئے کسی امیر اور رئیس عام کو منتخب کریں۔ نبج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کا نعرہ تحکیم لاحکم الا للہ سنا تو فرمایا:

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : كَلِمَةُ حَقٍّ بَرَّأُ بِهَا بَاطِلٌ ! نَعَمْ إِنَّهُ لَا حُكْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ، وَلَكِنْ هَؤُلَاءِ يَمْتَوِلُونَ : لَا إِمْرَةَ إِلَّا لِلَّهِ . وَإِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَنْفَعُ فِي أَمْرِئِهِ الْمُؤْمِنُ ، وَيَسْتَنْبِغُ فِيهَا الْكَافِرُ . وَيَنْفَعُ اللَّهُ فِيهَا الْأَجَلَ ، وَيُجَنِّعُ بِهِ الْفَقِيرَ . وَيُقَاتِلُ بِهِ الْعَدُوَّ ، وَتَأْمَنُ بِهِ

السُّبُلُ ، وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْفُقَرَاءِ ، حَتَّى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ . وَيُسْتَرَاخَ
مِنْ فَاجِرٍ . (نوح البلاغہ صفحہ ۸۲، خطبہ ۴۰)

ترجمہ: ”کلمہ حق ہے مگر مراد باطل ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہے، لیکن یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت (عکرائی) تو صرف اللہ کی ہے حالانکہ لوگوں کے لئے کسی امیر کا ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد، اچھا ہو یا برا، تاکہ اس کے زیر حکومت مومن اپنے دین پر عمل پیرا ہو اور کافر متبع حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ اس میں لوگوں کی دنیوی میعاد پوری فرمائیں۔ اس کی سرکردگی میں اموال بے مزاج ہوں، دشمنوں سے جہاد کیا جائے، راستے محفوظ ہو جائیں، قوی سے ضعیف کا حق دلایا جائے، (ہر طرف ایسا امن و امان قائم ہو جائے کہ) شریف آدمی سکھ چین کی زندگی گزارے اور فسادپوں کے شر کا کسی کو خوف نہ رہے۔“

اس خطبہ میں حضرتؑ کے الفاظ ”لا بد للناس من امیر بر او فاجر“ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر کا انتخاب مسلمانوں کی صوابدید پر ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ”بر او فاجر“ کے الفاظ لغو اور بے معنی ہوں گے۔ جس طرح شریعت نے ”امام نماز“ کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں اگر مسلمان، ان شرائط کے حامل کو ”امام“ بنائیں گے تو ماہور ہوں گے اور اگر ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بہر حال یہ ذمہ داری انہی پر ہے کہ وہ حامل شرائط کو امام بناتے ہیں یا نہیں۔ نماز کی امامت ”امامت صغریٰ“ اور خلافت ”امامت کبریٰ“ کہلاتی ہے۔ اس لئے جو حکم امامت صغریٰ کا ہے وہی امامت کبریٰ یعنی خلافت کا سمجھنا چاہئے۔

۳: خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کی بیعت سے ہوتا ہے

اوپر معلوم ہو چکا کہ امامت و خلافت کے معنی ریاست عامہ کے ہیں۔ کسی قوم کا رئیس و سربراہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ارباب حل و عقد اپنا رئیس و امام اور خلیفہ تسلیم کر لیں۔ لہذا خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کی بیعت پر موقوف ہے۔ کسی شخص کو امام اور

خلیفہ بنانے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ارباب حل و عقد اس کو اپنا امام تسلیم کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو جائے۔ البتہ اہل حل و عقد کی بیعت کے بعد پھر کسی کو رد و قبول کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ ، وَأَعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ فِيهِ . فَإِنْ شَغَبَ ^(۱) شَاغِبٌ اسْتُعِيبَ ^(۲) ، فَإِنْ أَبَى فَوَيْلٌ . وَلَعَنَرِي ، لَئِنْ كَانَتْ الْإِمَامَةُ لَا تَنْفَعِدُ حَتَّى يَخْضَرَهَا عَامَةُ النَّاسِ . فَمَا إِلَى ذَلِكَ سَبِيلٌ ، وَلَكِنْ أَهْلُهَا يَحْكُمُونَ عَلَى مَنْ غَابَ عَنْهَا . ثُمَّ لَبَسَ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَرْجِعَ ، وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَخْتَارَ .
(نہج البلاغہ صفحہ ۲۳۷-۲۳۸)

ترجمہ: ”اے لوگو! اس امر خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہی شخص ہے جو اس معاملہ میں سب سے مضبوط ہو۔ اور اللہ کے احکام کو زیادہ جانتا ہو۔ ایسے خلیفہ کے تقرر کے بعد اگر کوئی شور و شغب کرے تو اس کو فہمائش کی جائے اور اگر اس کے باوجود انکار کرے تو اس سے قتل کیا جائے۔ مجھے قسم ہے! اگر امامت اسی طرح منعقد ہوا کرتی کہ ہر ہر فرد حاضر ہو تو یہ ناممکن الوقوع ہے بلکہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اہل حل و عقد جس کو بھی رئیس مقرر کر لیں وہ امام قرار پائے گا پھر نہ تو وہ شخص جو موجود تھا، وہ اس سے سرتابی کر سکتا ہے اور نہ اس شخص کو، جو انتخاب خلیفہ کے وقت موجود نہیں تھا، اس کے رد و قبول کا اختیار حاصل رہتا ہے۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

إِنَّهُ بَابِعَنِي الْقَوْمُ الَّذِينَ بَابِعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلَى مَا بَابِعُوهُمْ عَلَيْهِ . فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَخْتَارَ . وَلَا لِلْغَائِبِ أَنْ يَرُدَّ . وَإِنَّا الشُّرَى لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ . فَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَوَّاهُ إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ لِلَّهِ رِضَى . فَإِنْ جَرَجَ عَنْ أَمْرِهِمْ خَارِجٌ يَطْعَنُ أَوْ يَذَعُ

رَدُّوهُ إِلَىٰ مَا خَرَجَ مِنْهُ ، فَإِنْ أُنْبِئَ قَاتَلُوهُ عَلَىٰ أَنْبَاعِهِ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ،
وَوَلَّاهُ اللَّهُ مَا نَوَىٰ .

(نسخ البلاغہ صفحہ ۳۶۶-۳۶۷)

ترجمہ: ”مجھ سے ان حضرات نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابو بکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) سے بیعت کی تھی۔ لہذا اب نہ شہد کو (قبول و عدم قبول کا) اختیار رہا اور نہ عائب اس کو مسترد کر سکتا ہے۔ انتخاب خلیفہ کے لئے مشورے کا حق صرف مہاجرین و انصار ہی کو حاصل ہے جس شخص پر یہ حضرات متفق ہو جائیں اور اسے ”امام“ مقرر کر لیں، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ”امام“ ہوگا۔ پھر اگر کوئی شخص ”طعن“ یا ”بدعت“ کی بنا پر ان کے فیصلے سے انحراف کرتا ہے تو یہ حضرات اس کو اس چیز کی طرف واپس لائیں گے جس سے وہ انحراف کر رہا ہے اور اگر وہ اس کے باوجود آمادۂ اطاعت نہیں ہوگا تو یہ حضرات اس سے قتل کریں گے، کیونکہ وہ ”المومنین“ کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیا ہے۔ اور جس طرف اس نے منہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف دھکیل دیں گے۔“

اس نامہ کرامت شامہ کا بغور مطالعہ کیجئے۔ اس میں مہاجرین و انصار کو ارباب حل و عقد قرار دیا گیا ہے۔ ان کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب فرمایا ہے۔ اور اس سے انحراف کرنے والوں کو ”متع غیر سبیل المومنین“ فرمایا ہے۔

۴: امام اول حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ نہیں

اہلسنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام اول اور خلیفہ بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم علی الترتیب امام برحق اور خلیفہ راشد تھے۔ کیونکہ اہل حل و عقد مہاجرین و انصارؓ نے علی الترتیب انہی چاروں کو اپنا خلیفہ و امام منتخب کیا تھا۔ خلافت بلا فصل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منصب تھا، اس لئے ان کو ”امیر المومنین“ نہیں بلکہ ”خلیفہ رسول اللہؐ“ کہا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ ان کو خلیفہ بلا فصل تسلیم کیا اور ان کی موجودگی میں اپنی خلافت کو ”قبل از وقت“ قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبج البلاغہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیعت خلافت کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ، شَقُّوا أَمْوَاجَ الْفَيْتَنِ بِسُفْنِ النَّجَاةِ ، وَغَرَّجُوا عَنْ طَرِيقِ
السَّنَاقِرَةِ ، وَصَمُّوا نَيْبَانَ السَّفَاخِرَةِ . أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحِ ، أَوْ
اسْتَلَمَ فَنَارَاحَ . هَذَا مَاءُ آجِنٍ ^(۱۳۳) . وَلَقَمْتُهُ بَنَفْسٍ بِهَا أَكْبَلُهَا . وَمُخْنِنِي
الشَّمْرَةَ لِغَيْرِ وَقْتٍ إِبْنَاعِيهَا ^(۱۳۴) . كَالزَّرَّارِ بِغَيْرِ أَرْصَدٍ .
(نبج البلاغہ صفحہ ۵۲)

ترجمہ: ”اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ، منافرت کے راستے چھوڑ دو، مفارقت کے تاج کو اتار پھینکو۔ کامیاب رہا وہ شخص جو قوت بازو سے اٹھایا جھکڑے سے کندہ کش رہ کر اس نے لوگوں کو بد امنی سے راحت دی، یہ بد خلافت کوئی پھولوں کی بیج نہیں بلکہ بد مزہ پانی ہے اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلے میں انک کر رہ جائے۔ پکے سے پہلے پھل توڑنے والا ایسا ہے کہ دوسرے کی زمین میں کاشت کرے۔“

آخری جملہ بتاتا ہے کہ آپ خلیفہ بلا فصل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے اور اس وقت اپنی خلافت کو قبل از وقت سمجھتے تھے۔

خلفائے راشدینؓ مسلمانوں کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے موعود خلفاء تھے

ان تمہیدی مقدمات کے بعد گزارش ہے کہ یہ چاروں حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں، جو افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ”خیر امت“ کے منتخب امام اور اللہ تعالیٰ کے

موعود خلیفہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت سے پہلے ان کے استخلاف فی الارض کی پیش گوئی فرمائی اور اس پیش گوئی میں ان کی اقامت دین اور حفظ ملت کے اوصاف کو بطور خاص ذکر فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ان پیش گوئیوں کے ظہور کا وقت آیا تو حضرات مہاجرین و انصارؓ کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ ان خلفاء اربعہؓ کو اپنا امام اور خلیفہ بنائیں تاکہ ان کے ذریعہ موعود پیش گوئیاں پوری ہوں اور اقامت دین و حفظ ملت کا عظیم الشان کارنامہ پردہ غیب سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو۔

قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بہت ہیں مگر خلفاء اربعہؓ کے بابرکت عدد کی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کی چار پیش گوئیوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :

پہلی پیش گوئی: مظلوم مہاجرین کو تمکین فی الارض نصیب ہوگی اور وہ اقامت دین کا فریضہ انجام دیں گے

سورۃ الحج کی آیت تمکین میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلَّهِ
عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

(الحج..... ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔

اس آیت کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اس سے اوپر کی آیات میں فرمایا تھا کہ جن مظلوم مہاجروں کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا ان کو اذن جہاد دیا جا رہا ہے۔ چونکہ وہ دین خداوندی کے ناصر و مددگار ہیں اس لئے لامحالہ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و مدد فرمائیں گے۔ اس آیت میں بطور پیش گوئی ان مظلوم مہاجرین کی شان بیان فرمائی گئی کہ، ”اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں، (جو اذن جہاد کی علت غائیہ، قدرت

خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ اور نصرت الہی کا ایک شمرہ و نتیجہ ہے) تو یہ حضرات زمین میں ارکان اسلام کو قائم کریں گے، نیکیوں کے پھیلانے اور بدیوں کے مٹانے کا اہتمام بلوغ فرمائیں گے۔ ”اور آخر میں فرمایا، واللہ عاقبۃ الامور“ اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام سارے کاموں کا۔ ”مطلب یہ کہ مہاجرین کی یہ مٹھی بھر جماعت جو بے بسی و بے چارگی کے عالم میں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی، اور جن کے گرد و پیش خطرات کے ایسے بادل منڈلا رہے ہیں کہ گویا ان کو زمین سے اچک لیا جائے گا ان کے بارے میں یہ پیش گوئی بظاہر عجیب و غریب معلوم ہوگی۔ لیکن دیکھتے رہو ایک وقت آئے گا کہ اسی جماعت کو تمکین فی الارض کی دولت سے سرفراز کیا جائے گا۔ ایسی کمزور جماعت کو تمکین فی الارض عطا کر دینا حق تعالیٰ کے لطف و کرم، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔

یہ آیت شریفہ دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ مہاجرین کو زمین میں اقتدار (تمکین فی الارض) عطا کیا جائے گا، دوم یہ کہ ان کے دور اقتدار میں ان سے جو پیرزادہ طور پذیر ہوگی وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس وعدہ الہی کے مطابق مہاجرین اولین میں ان چار اکابر کو، جنہیں خلفاء راشدین کہا جاتا ہے، اقتدار عطا کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی حضرات اس آیت شریفہ کے وعدہ کا مصداق تھے اور انہی کے حق میں مندرجہ بالا پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور ان حضرات نے اقامت دین کا فریضہ انجام دیا۔

دوسری پیش گوئی: اہل ایمان سے استخلاف کا وعدہ

سورہ نور کی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَلِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ
خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾ (النور: ۵۵)۔

ترجمہ: ”وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو، اور جمادے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔ میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو، اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔“

جو حضرات نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور جن سے لفظ ”منکم“ کے ساتھ خطاب کیا جا رہا ہے، ان سے اس آیت شریفہ میں چار وعدے فرمائے گئے ہیں: پہلا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت میں سے کچھ لوگوں کو خلیفہ بنائیں گے، جن کی بدولت اہل ایمان کی پوری جماعت کو استخلاف فی الارض نصیب ہو گا۔ کما قال تعالیٰ، وجعلکم ملوکاً۔ ان خلفاء کی خلافت، خلافت موعودہ اور عطیہ الہی ہوگی اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نامزد کردہ موعود خلفاء ہوں گے۔ چونکہ وعدۃ الہیہ کے خلاف ممکن نہیں لہذا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو بہر حال بروئے کار لائیں گے اور اس کے تکوینی انتظامات فرمائیں گے۔

دوسرا وعدہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دور خلافت میں اپنے پسندیدہ دین کو ایسا متمکن اور جاگزین بنا دیں گے کہ وہ رہتی دنیا تک قائم و مستحکم رہے گا۔ آئندہ کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ اس کی تیغ و بن کو ہلا سکے۔ ان ربانی خلفاء کے ہاتھوں جو کچھ ظہور پذیر ہو گا وہ وعدۃ الہیہ کا مظہر اور حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین ہو گا، توفیق الہی ان کی دستگیری فرمائے گی اور قدرت خداوندی اظہارِ دین کے لئے ان خلفاء کو اپنا آلہ کار بنائے گی۔

تیسرا وعدہ: یہ کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ یعنی آج جو خطرے کے بادل ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں، جب اس وعدہ الہیہ کے ظہور کا وقت آئے گا تو یہ سارا خوف و ہراس جاتا رہے گا۔ دنیا کی جبروتی و طاغوتی طاقتیں ان سے لرزہ بر اندام ہوں گی مگر ان کو کسی قوم سے خوف و خطر نہیں ہو گا۔

چوتھا وعدہ : یہ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے ہوں گے، ان کے شب و روز عبادت الہی میں گزریں گے، کفر و شرک اور فتنہ و فساد کی جڑ اکھاڑ پھینکیں گے، ان چار وعدوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

یعنی ان حضرات کا استخلاف حق تعالیٰ شانہ کا عظیم الشان انعام ہے۔ جو لوگ اس جلیل القدر نعمت کی ناندیری و ناشکری کریں گے وہ قطعاً فاسق اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان ٹھہریں گے۔

نزل آیت کے وقت تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قرعہ فال کس کس کے نام نکلتا ہے؟ خلافتِ الہیہ موعودہ کا تاج کن کن خوش بختوں کے سر پر سجایا جاتا ہے؟ کون کون خلیفہ ربانی ہوں گے؟ اور ان کی خلافت کی کیا ترتیب ہوگی؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب یہ وعدہ الہی منصبہ شہود پر جلوہ گر ہوا تب معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہ عظیم الشان وعدے انہی چار اکابر سے متعلق تھے جن کو خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔

گزشتہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہو چکا ہے کہ خلفاء اربعہ "حق تعالیٰ شانہ کے "موعود امام" تھے، حکمت خداوندی نے ان حضرات کو خلافت نبوت کے لئے پہلے سے نامزد کر رکھا تھا، اور تنزیل محکم میں ان کی خلافت کا اعلان فرما رکھا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان خلفاء ربانی اور ائمہ ہدیٰ کے ذریعہ دین و ملت کی حفاظت ہوئی اور وہ تمام امور جو امامت حقہ اور خلافت نبویہ سے وابستہ ہیں ان اکابر کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "ازالۃ الخفا" میں بالکل صحیح لکھا ہے:

"ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است، گویا در ایام نبوت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان می فرمود، و در ایام خلافت ساکت نشست بدست و سر اشارہ می فرماید۔" (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵، جلد ۱)
ترجمہ: "خلافت راشدہ کا زمانہ، دور نبوت کا بقیہ تھا۔ بس یوں کہنے کہ دور نبوت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً زبان سے حکم فرما رہے

تھے اور زلمہٴ خلافت میں گویا خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر سے اشارہ فرما رہے تھے۔

ان دونوں آیات شریفہ کے مطابق اقامت دین اور حفظ ملت تو خلفاء راشدینؓ کی مشترک میراث تھی، قرآن و حدیث میں ان اکابر کے الگ الگ دور کی خصوصیات اور ان کے منفرد کارناموں کی بھی تصریحات و تلمیحات فرمائی گئی ہیں۔

تیسری پیش گوئی: مرتدین سے قتال

سورۃ المائدہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعَزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لُومَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

(المائدہ: ۵۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے، خبردار۔“

اس آیت شریفہ میں دین و ملت کی ابدی بقا و حفاظت کے متعلق ایک عظیم الشان پیش گوئی کی گئی ہے کہ اسلام میں جب کبھی فتنہ ارتداد سر اٹھائے گا حق تعالیٰ شانہ اس کے مقابلہ میں ایسی قوم کو لے آئے گا جن کو اللہ تعالیٰ سے عشق ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے، مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گے، اور وہ دین حق کی سر بلندی کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت

کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

وصال نبویؐ کے بعد سب سے پہلا اور اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا فتنہ ارتداد، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوا اور پورے عرب میں ارتداد جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ان میں سے بعض جھوٹے مدعیان نبوت کے پیرو ہوئے، مثلاً اسود عنسی ذوالخمار کی قوم بنو مدج، مسیلہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ، طلحہ اسدی کی قوم بنو اسد، سباح بنت منذر کی قوم بنو حنیم کے کچھ لوگ۔ بعض قبائل اپنے قدیم دین جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مرتدین کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جرات ایمانی، حسن تدبیر اور آپؐ کے رفقاء کی سرفروشانہ خدمات نے ارتداد کی اس آگ کو بجھایا جس نے پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ازسرنو شیرازہ بندی کی اور پورے عرب کو نئے سرے سے متحد کر کے ایمان و اخلاص اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر ڈال دیا۔ اور ان کے ہاتھ میں علم جہاد دے کر ان کو قیصر و کسریٰ سے بھڑایا۔ لہذا اس قرآنی پیش گوئی کا اولین مصداق حضرت صدیق اکبر اور ان کے رفقاء ہیں۔ رضی اللہ عنہم وارضاهم یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ غزوہ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ”میں کل یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔“

اس ارشاد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخصیت کا نام نامی مہم رکھا تھا۔ اس لئے ہر شخص کو تمنا تھی کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئے۔ اگلے دن جب جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا تو اس پیش گوئی کے مصداق میں کوئی التباس نہیں رہا اور سب کو معلوم ہو گیا کہ اس بشارت کا مصداق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

ٹھیک اسی پنج پر سمجھنا چاہئے کہ اس آیت شریفہ میں جس قوم کو مرتدین کے مقابلہ میں لائے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے نزول آیت کے وقت ان کے اسمائے گرامی کی تعیین نہیں فرمائی گئی تھی۔ اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ خدا جانے کون حضرات اس کا مصداق ہیں؟ لیکن جب وصال نبویؐ کے بعد فتنہ ارتداد نے سراٹھایا اور اس کی سرکوبی کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے رفقاءؓ کو کھڑا کیا گیا، تب حقیقت آشکارا ہو گئی اور کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہا کہ اس پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات تھے اور انہی کے درج ذیل سات اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں:

۱: یحبہم — یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہ حضرات محبوب بارگاہ الہی ہیں۔

۲: ویحبونہ — یعنی یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے سچے عاشق ہیں۔

۳: اذلة علی المؤمنین — یعنی مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہیں اور ان کے سامنے متواضع ہیں۔

۴: اعزة علی الکافرین — یعنی دشمنان دین کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہیں۔

۵: یجاہدون فی سبیل اللہ — یعنی یہ حضرات مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ محض رضائے الہی کے لئے جہاد کرتے ہیں۔

۶: ولا یخافون لومة لائم — یعنی یہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

۷: ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء — یعنی ان حضرات کو ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف کر دینا اور ان عظیم الشان خدمات اسلامیہ کا ان کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہونا محض فضل خداوندی اور لطف الہی کا کرشمہ ہے۔ لہذا یہ حضرات فضل خداوندی کا مورد ہیں، جو ان حضرات کی اعلیٰ ترین سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و لطف کے لئے جس کو چاہتے ہیں منتخب کر لیتے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا لطف و کرم اور

فضل خاص تھا کہ ان کمالات و خدمات کے لئے خلیفہ اولؓ اور ان کے رفقاء، کو چن لیا۔

۸۔ اور آخر میں فرمایا: واللہ واسع علیم۔ یہ گویا اوپر کے بیان کی تعلیل و تدلیل ہے۔ یعنی حق تعالیٰ شانہ کی وسعت و رحمت و فضل کا کیا ٹھکانا ہے؟ اور کسی کو ان الطاف کریمانہ اور مراحم خسروانہ کا مورد و مصداق بنا دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر وہ علیم و حکیم یہ بھی جانتا ہے کہ کس شخص میں کیسی صلاحیت و استعداد ہے، درجات ایمان میں کون کس مرتبہ پر فائز ہے اور کون ان عنایات بے پایاں اور افضل السبب کا اہل اور مستحق ہے؟

داد انصاف دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے امام اولؓ اور ان کے رفقاء و معاونین کی کیسی مدح و ستائش فرمائی اور ان کے اوصاف و کمالات کو کیسے معجزانہ انداز میں بیان فرمایا۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی امتی کے اوصاف و کمالات کا بیان کرنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے الفاظ میں:

”دریں آیت مدح کسانی کہ قتل مرتدین کردند بوصاف کمالی کہ بلائے

آن اوصاف در اصطلاح قرآن چیزے نیست مذکور فرمودند۔“

(تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۸۶)

ترجمہ: ”اس آیت میں مرتدین سے قتل و جہاد کرنے والے حضرات کی

ایسے اوصاف کمال کے ساتھ مدح فرمائی گئی کہ اصطلاح قرآن میں ان کمالات

سے بڑھ کر اور کوئی کمال نہیں۔“

چوتھی پیش گوئی: خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں

حق تعالیٰ شانہ سورۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِلْمُخْلِفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سْتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمِ

أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُوهُمْ أَوْ يُسْلَمُونَ فَلِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمْ

اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ

(سورۃ الفتح ۱۶)

عَذَابًا أَلِيمًا﴾

ترجمہ: ”کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنہگاروں سے کہ آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر، بڑے سخت لڑنے والے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے، پھر اگر حکم مانو گے تو دے گا تم کو اللہ بدلہ اچھا۔ اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے پہلی بار تو دے گا تم کو ایک عذاب دردناک۔“

یہ آیت شریفہ ”آیت دعوت اعراب“ کہلاتی ہے۔ اس میں روئے سخن ان اعراب، یعنی عرب کے بادیہ نشین قبائل۔ اسلم، جہینہ، مزینہ، غفار اور اشجع کی طرف ہے جنہوں نے سفر حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پہلو تہی کی تھی۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ آئندہ زمانے میں تمہیں ایک سخت جنگجو قوم کے مقابلے میں نکلنے کی دعوت دی جائے گی، تمہیں ان لوگوں سے مسلسل جنگ کرنا ہوگی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلام کے زیر نگیں آجائیں اور اطاعت قبول کر لیں، اس دعوت پر لبیک کہو گے تو اجر پاؤ گے اور اگر پہلے کی طرح پہلو تہی کرو گے تو دردناک سزا ملے گی۔

اس آیت شریفہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے جماد کے لئے اعراب کو کبھی دعوت نہیں دی گئی جس میں جنگ و قتال کی نوبت آئی ہو، لا محالہ دعوت اعراب کی یہ پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانے سے متعلق ہوگی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعراب کو قتل مرتدین کے لئے نکلنے کی دعوت دی گئی اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں انہیں فارس و روم کے مقابلہ کی دعوت دی گئی، جس سے چند امور ثابت ہوئے:

اول: خلفائے ثلاثہ مجاہد فی سبیل اللہ اور داعی جہاد تھے، عرب و عجم سے ان کی معرکہ آرائی محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان حضرات کی طرف سے دی گئی دعوت پر اپنی رضا و تحسین کی مرثبت فرمائی۔

دوم: ان حضرات کے دم قدم سے اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس کو غلبہ ہوا۔ لقولہ تعالیٰ: تقاتلونہم اویسلمون۔

سوم: ان کی دعوت پر لبیک کہنے کا حکم دیا گیا اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ ان کی

دعوت سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی اور اس پر عذاب الیم کی دھمکی دی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب الاطاعت خلفاء ربانی تھے۔

قرآن کریم نے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے استخلاف کو پے در پے پیش گوئی کی صورت میں بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور پیش گوئیوں میں تحلف کی گنجائش نہیں۔ یہ پیش گوئیاں اگر ایک طرف قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کا اعجاز ہیں تو دوسری طرف حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ان پیش گوئیوں کا پورا ہونا ان حضرات کی حقانیت کی دلیل ہے۔ آنجناب اگر بنظر انصاف ان پر غور فرمائیں گے تو اس امر کے تسلیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ اہلسنت کے اصول پر ”خلافت راشدہ“ دین کی حفاظت و استحکام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ گویا یہ حضرات، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کی دعوت و تبلیغ اور اشاعت کے جلدۃ السہبہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

قرآنی پیش گوئیوں کی تائید احادیث نبویہؐ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بت سے ارشادات بھی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جو قرآن کریم کی مندرجہ بالا چار آیت کریمہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ یہ احادیث فریقین کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اختصار کے مد نظر حضرات شیعہ کی کتابوں سے صرف چار احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں :

پہلی حدیث : علامہ مجلسی حیات القلوب جلد دوم میں ”دعوت ذوالعشیرۃ“ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

”حدیث صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیرؑ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کسی نے آپؐ کی دعوت قبول نہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں سے خوفزدہ تھے اور کشاکش کا انتظار کر رہے تھے کہ حق سچانہ و تعالیٰ نے حکم دیا کہ اعلانیہ دعوت دین دو اور تبلیغ کرو۔ پھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور حجر

اسلعل کے پاس کھڑے ہو کر باواز بلند ندا کی کہ اے گروہ قریش اور عرب کے لوگو! میں تم کو خدا کی وحدانیت کے اقرار اور اپنی پیغمبری کی شہادت کی دعوت دیتا ہوں اور بت پرستی ترک کرنے کا حکم دیتا ہوں، میری بات مانو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو قبول کرو تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، اور بہشت میں بھی سلطنت حاصل ہوگی۔“

(اردو ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۷۴۷)

دوسری حدیث: اسی کتاب میں آگے یہ روایت نقل کی ہے:

”علی بن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تمام بادشاہان باطل کو قتل کر دوں اور اے مسلمانو! ملک و بادشاہی تمہارے لئے قرار دوں۔“ (ایضاً صفحہ ۴۳۰)

یہ دونوں احادیث چند اہم ترین نکات و فوائد پر مشتمل ہیں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کو قبول کرنے والوں کے لئے عرب و عجم کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اور یہ وعدہ خلفائے اربعہ کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ لہذا یہ حضرات اس عظیم الشان پیش گوئی کا مصداق تھے۔

دوم: یہ وعدہ دین حق کے قبول کرنے والوں سے تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ یہ حضرات سچے دل سے دین اسلام کو قبول کرنے والے اور دین حق کے داعی تھے۔

سوم: ان حضرات سے عرب و عجم کی بادشاہت کے ساتھ ”بہشت کی سلطنت“ کا بھی وعدہ فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات، وعدہ نبوی کے مطابق قطعاً جنتی ہیں۔

چہارم: پیش گوئی میں ”تمام بادشاہان باطل“ کو قتل کرنے کی خوشخبری دی گئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ حضرات ”بادشاہان باطل“ نہیں تھے بلکہ یہ خلفائے ربانی ”بادشاہان باطل کے قاتل“ تھے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہان باطل کے قتل کرنے کو اپنی طرف منسوب فرمایا، حالانکہ بادشاہان باطل کے قتل کا ظہور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم

کے ہاتھوں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب تھے، اس لئے ان حضرات کے ہاتھوں جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

تیسری حدیث: علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں صدوق کی ”امالی“ اور ”خصال“ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

۴۔ لى : محمد بن أحمد المعاذي وعبد بن إبراهيم بن أحمد اللبني^(۱) عن محمد بن عبد الله بن الفرج الشروطي، عن محمد بن يزيد بن المهلب، عن أبي أسامة، عن عوف، عن ميمون، عن البراء بن عازب قال: لما أمر رسول الله ﷺ بحفر الخندق عرضت له صخرة عظيمة شديدة في عرض الخندق لا تأخذ منها المعاول، فجاها رسول الله ﷺ فلما رآها وضع ثوبه وأخذ المعول وقال: «بسم الله» وضرب ضربة فكسر^(۲) ثلثها وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح الشام» والله إنني لأبصر قصورها الحمراء الساعة، ثم ضرب الثانية فقال: «بسم الله» ففلق ثلثا آخر فقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح فارس» والله إنني لأبصر قصر المدائن الأبيض، ثم ضرب الثالثة ففلق بقية الحجر وقال: «الله أكبر أعطيت مفاتيح اليمن» والله إنني لأبصر أبواب صنعاء مكاني هذا^(۳).

(بحار الانوار صفحہ ۲۳۱، جلد ۲۰)

نیز علامہ مجلسی کی کتاب ”حیات القلوب“ جلد دوم میں اس حدیث کا حاصل مضمون یوں ذکر کیا گیا ہے:

”بیایسواں معجزہ۔ خاصہ و عامہ نے روایت کی ہے کہ جنگ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے درمیان خندق کھودنا تقسیم فرمایا کہ ہر چالیس ہاتھ و س آدمی کھودیں۔ سلمانؓ اور حذیفہؓ کے حصہ میں جو زمین آئی، اس کے نیچے پتھر نکلا جس پر پھاؤڑا اثر نہیں کرتا تھا۔ سلمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد احزاب سے باہر آئے اور پھاؤڑا لے کر تین بار پتھر پر ملا، ہر مرتبہ ایک

تیسرا حصہ پتھر سے جدا ہوتا اور برق سی چمکتی، جس سے تمام دنیا روشن ہو جاتی، اور حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اکبر فرماتے، صحابہ ”بھی اللہ اکبر کہتے۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں یمن کے قصر نظر آئے اور خدا نے ان سب کو مجھے عطا فرمایا۔ دوسری مرتبہ شام کے قصر دکھائی دیئے اور خدا نے ان سب کو مجھے کرامت فرمایا۔ اور تیسری بار مدائن کے قصر میں نے دیکھے اور خدا نے بادشاہان عجم کے ملک مجھے بخشے۔ اس کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: ”ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون“ (سورہ توبہ، آیت ۳۳) ”خدا اس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے گا اگرچہ مشرکین کراہت کریں۔“
(ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۳۴۹)

چٹان کی یہ حدیث علامہ کلینی نے بھی ”کافی کتاب الروضہ“ میں روایت کی ہے، اس کے فاضل محشی جناب علی اکبر النعمانی لکھتے ہیں:

”حدیث الصخرة من المتواترات قد رواه الخاصة والعامة
باسانيد كثيرة“
(الكافي كتاب الروضہ جلد ۸ ص ۲۱۶)

ترجمہ: ”خندق میں چٹان نکلنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو اپنے دست مبارک سے توڑنے کی حدیث متواتر احادیث میں سے ہے۔ اس کو فریقین نے بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے۔“

چوتھی حدیث: علامہ مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

”پچاسواں معجزہ۔ ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے ہاتھوں کو دیکھا جو پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، تمہارا کیا حال ہوگا، جبکہ اپنے ہاتھوں میں بادشلہ عجم کے کڑے پہن گے۔ چنانچہ عمر کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا، عمر نے اس کو بلا کر بادشلہ عجم کے کڑے پہنائے۔ پھر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مدائن کو فتح کرنا

تو قبطیوں کو قتل مت کرنا کیونکہ مدیہ ابراہیمؑ کی میں اسی قبیلہ سے ہے۔ پھر
فرمایا کہ روم کو فتح کرو گے۔ جب فتح کرنا تو اس کیسا کوجہ شرقی جانب ہے مسجد
بنائے۔“ (حیات القلوب..... صفحہ ۴۱۶، جلد ۲)

ان احادیث نبویہؐ سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان
سے عرب و عجم کی حکومت کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے راشدین رضی
اللہ عنہم کے ذریعہ پورا ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو فداء و روم اور شہان عجم کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں، یہ کنجیاں آپؐ
کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدینؓ کو مرمت ہوئیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے ان مملکت کو فتح فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان
حضرات کے کارنامے قرآن کریم کی پیش گوئی: ”ماکہ غالب کر دے دین حق کو تمام
ادیان باطلہ پر“ کی عملی تکمیل تھی۔ یہ حضرات دین حق کے علمبردار تھے اور ان کے
ذریعہ دین حق کو ادیان باطلہ پر غالب کیا گیا۔

ان پیش گوئیوں کی تائید میں جناب امیرؒ کے ارشادات

حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی متعدد موقعوں پر اپنے پیشرو
خلفائے راشدینؓ کی خلافت کو خلافت موعودہ قرار دیا اور ان کے کارناموں کی مدح فرمائی،
یہاں آپ کے چار اقوال شریفہ نقل کرتا ہوں:
۱: نَجِّ الْبَلَاءَ مِنْ هَـٰذَا بَلَدٍ جَبَّ حَضْرَتُ عَمْرٍۭ نَجَّ الْبَلَاءَ مِنْ هَـٰذَا بَلَدٍ جَبَّ حَضْرَتُ عَمْرٍۭ
بارے میں حضرات صحابہؓ سے مشورہ لیا تو حضرت امیرؒ نے فرمایا:

إِنَّ هَـٰذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَلَا خِذْلَانُهُ بِكَفَرَةٍ وَلَا بِقِبْلَةٍ . وَهُوَ
بَيْنَ اللَّهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ ، وَجُنْدُهُ الَّذِي أَعْنَدَهُ وَأَمَدَهُ ، حَتَّىٰ بَلَغَ مَا بَلَغَ ،
وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ ، وَنَحْنُ عَلَىٰ مَوْعِدٍ مِنَ اللَّهِ ، وَاللَّهُ مُنْجِزُ وَعْدِهِ ،
وَنَاصِرُ جُنْدِهِ . وَمَكَانُ الْقَبْرِ ۖ ۱۳۳۱ ۖ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النَّظَامِ ۖ ۱۳۳۲ ۖ مِنَ الْخَرْزِ
بِجَنَّتِهِ وَيَبْضُهُ . فَإِنْ أَنْقَطَعَ النَّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرْزُ وَذَهَبَ ، ثُمَّ لَمْ

يَجْتَمِعُ بِحَذَائِيرِهِ^{۱۸۰} أَبَدًا. وَالْقَرَبُ الْيَوْمَ ، وَإِنْ كَانُوا قَلِيلًا . فَنَهُم
كَثِيرُونَ بِالْإِسْلَامِ ، عَزِيزُونَ بِالْاجْتِمَاعِ ! فَكُنْ قُطْبًا ، وَاسْتَبِرِ الرَّحَا
بِالْقَرَبِ ، وَأَصْلِهِمْ دُونَكَ نَارَ الْحَرْبِ ، فَإِنَّكَ إِنْ شَخَصْتَ^{۱۸۱} مِنْ
هَذِهِ الْأَرْضِ انْتَفَضَتْ عَلَيْكَ الْقَرَبُ مِنْ أَطْرَافِهَا وَأَقْطَارِهَا ، حَتَّى يَكُونَ
مَا نَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ أَمَمٌ إِلَيْكَ بِمَا بَيْنَ يَدَيْكَ .

إِنَّ الْأَعَاجِمَ إِنْ يَنْظُرُوا إِلَيْكَ غَدًا يَقُولُوا : هَذَا أَصْلُ الْقَرَبِ ،
فَإِذَا انْقَطَعَتْهُمُ اشْتَرَحْنُمْ ، فَيَكُونُ ذَلِكَ أَشَدَّ لِكَلْبِهِمْ عَلَيْكَ ، وَطَمَعِهِمْ
فِيكَ . فَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيرِ الْقَوْمِ إِلَى قِتَالِ السَّلِيلِينَ ، فَإِنَّ اللَّهَ
سُبْحَانَهُ هُوَ أَكْرَهُ لِمَسِيرِهِمْ بَيْنَكَ ، وَهُوَ أَشَدُّ عَلَى تَغْيِيرِ مَا بَنَوْهُ .
وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدُوِّهِمْ ، فَإِنَّا لَمْ نَكُنْ نُقَاتِلُ فِيمَا مَقَصِي بِالْكَثْرَةِ ،
وَأِنَّمَا كُنَّا نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُونَةِ !

(سبح البلاغہ ص ۲۰۲ خطبہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”جماد میں مسلمانوں کی کاسیائی و ناکامی کا مدار ان کی قلت و کثرت پر
کبھی نہیں ہوا، یہ تو اللہ کا وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود غالب (کرنے
کا فیصلہ) فرمایا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت اللہ تعالیٰ کا وہ لشکر ہے جس کو
اس نے خود تیار کیا ہے اور اس کی مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ یہ دین پہنچا
جہاں تک پہنچا، اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی
جانب سے ایک وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو بہر حال پورا فرمائیں گے
اور اپنے لشکر کی مدد فرمائیں گے۔

اور امور سلطنت کے منتظم اور حاکم اعلیٰ کی حیثیت وہی ہوتی ہے جو کسی ہر
یا تسبیح کے دھاگے کی ہوا کرتی ہے، کہ وہ تمام دانوں کو ملا کر جمع رکھتا ہے، اگر
وہ دھاگانٹ جائے تو دانے بکھر کر ضائع ہو جائیں گے، اور جو ایک بد بکھر گئے
تو پورے دانے دوبارہ کبھی جمع نہیں ہوں گے۔ آج اہل عرب اگرچہ تعداد
میں کم ہیں لیکن اسلام کی بدولت کثیر ہیں اور آپس کے اتحاد و اجتماع کی
بدولت معزز و سر بلند ہیں۔ اس لئے آپ (حضرت عمرؓ) چکی کے قطب
(درمیان کی کھوٹی) کی حیثیت اختیار کیجئے اور عربوں کے ذریعہ اس (جماد

کی) چکی کو گردش دیجئے، جنگ کی بھی میں خود کو دو جانے کے بجائے دوسروں کو جھونکنے، کیونکہ اگر آپ بنفس نفیس زمین عرب سے نکل کر (میدان جہاد میں) چلے گئے تو عرب (آپ کی معیت کے لئے) چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑیں گے، (ملک خالی رہ جائے گا اور اندرون ملک کی دفاعی حیثیت خطرناک حد تک کمزور ہو جائے گی) یہاں تک کہ آگے کے حالات کی بہ نسبت، ان علاقوں کے انتظامات کی فکر، جن کو آپ غیر محفوظ چھوڑ کر جائیں گے، زیادہ اہم مسئلہ بن جائے گا (تو آپ کی تشریف بری کا ایک نقصان تو یہ ہو گا کہ عرب علاقے خطرناک حد تک غیر محفوظ ہو جائیں گے اور دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ) کل (جب آپ خود میدان جنگ میں جائیں گے تو) اہل عجم آپ کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ یہی شخص عرب کی اصل (قوت کا مرکز) ہے۔ اگر تم (اہل عجم) اس جز کو کٹ ڈالو تو (عرب کی قوت کا تناور درخت دھڑام سے زمین پر گر جائے گا) اس طرح تم جنگ و قتل سے آسودہ ہو جاؤ گے (اور اس کے بعد عربوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی) ان کا یہ خیال ان کی توجہ کو آپ پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے اور آپ کو نشانہ بنانے پر مرکوز کر دے گا۔ رہی وہ بات جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کہ پوری قوم عجم مسلمانوں کے مقابلے میں نکل آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس نکلنے کو آپ سے زیادہ ناپسند فرماتے ہیں، اور جس چیز کو وہ پسند کرتے ہیں اس کے بدلے پر قادر بھی ہیں (تو ہم لوگ زیادہ پریشان کیوں ہوں؟) اور آپ نے جو ان کی کثرت تعداد کو ذکر فرمایا ہے تو (یہ بھی فکر کی بات نہیں، کیونکہ) ہم گزشتہ زمانے میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) کثرت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی مدد و نصرت کے سہارے لڑتے تھے۔ (چنانچہ اب بھی انشاء اللہ یہی ہوگا)۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ”و نحن موعود من اللہ واللہ“۔
 ”سنجز وعده“ (اور ہم سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے) میں سورۃ النور کی اسی آیت استخلاف کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت موعودہ سمجھتے تھے

اور ان کو ”امام موعود“ جانتے تھے، جس دین کی وہ نشر و اشاعت فرما رہے تھے اس کو ”اللہ کا دین“ تصور فرماتے تھے، اور ان کی قیادت میں جو لشکر مصروف جہاد تھے ان کو ”اللہ کا لشکر“ یقین کرتے تھے۔ گویا آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے جو چار وعدے فرمائے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ان چاروں وعدوں کا مصداق سمجھتے تھے۔

اس خطبہ سے یہ بھی روشن ہوا کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان خلفائے راشدینؓ اور خلفائے ربانی کے ساتھ دل و جان سے اخلاص رکھتے تھے، اور ان کے بہترین مشیر و وزیر تھے۔ چنانچہ نبج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ حضرت امیرؓ سے بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ان سے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ، کیونکہ امیر ہونے کی بہ نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے:

دَعُونِي وَالتَّبِعُوا غَيْرِي ، فَإِنَّا مُتَغَيِّلُونَ أَمْرًا لَهُ وَجْهٌ وَالْإِنِّ لَا نَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ ، وَلَا نَقْبُثُ عَلَيْهِ الْقَمُولُ ^(۱۳۱) . وَإِنِّ أَلْفَاقٌ قَدْ اغَامَتْ ^(۱۳۲) ، وَالْمَحْجَةُ ^(۱۳۳) قَدْ تَنَكَّرَتْ ^(۱۳۴) . وَاعْلَمُوا أَنِّي إِنِ اجْتَبَيْتُكُمْ رَسَيْتُ بِكُمْ مَا أَعْلَمُ ، وَلَمْ أَضِغْ إِلَى قَوْلِ الْقَائِلِ وَعَنْبِ الْعَائِبِ ، وَإِنِّ تَرَكْتُكُمْوِي فَإِنَّا نَتَّخِذُكُمْ ، وَلَعَلِّي أَسْتَعْمُكُمْ وَأَطُوعُكُمْ لِمَنْ وَلَيْتُمْوَهُ أَمْرُكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرًا ، خَيْرٌ لَكُمْ مِنِّي أَمِيرًا !

(نبج البلاغہ..... صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”مجھے چھوڑ دو، کسی اور کو خلیفہ بناؤ۔ ہم لوگوں کو ایسے امور سے سابقہ ہے جن کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں، جن کے سامنے نہ دل ٹھہر سکتے ہیں اور نہ عقلیں ان کے مقابلہ کی تاب رکھتی ہیں، دین کے افق پر گھٹائیں چھا رہی ہیں، راستہ بے پچہاں ہو رہا ہے۔ یاد رکھو! اگر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں (یعنی خلیفہ بن جاتا ہوں) تو میں اپنے علم کے مطابق تم سے عمل کراؤں گا۔ نہ کسی کہنے والے کی بات پر کلن و دھروں گا اور نہ کسی نڈاڑی ہونے والے کی نڈاڑی کی پروا کروں گا، اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں

جیسا ایک فرد ہوں گا، اور امید رکھتا ہوں کہ جس کو بھی تم اپنا امیر منتخب کرو گے میں تم سے زیادہ اس کی سمجھ و طاعت کرنے والا ہوں گا، اور میرے امیر بننے کی نسبت میرا وزیر ہونا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔“

اگر ان کے دل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذرا بھی میل ہوتا تو یہ اچھا موقع تھا کہ ان کو جنگِ فلس میں شرکت کا مشورہ دیتے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آتے اور ”خس کم جہاں پاک“ کا مضمون صادق آتا۔ اس کے بجائے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وجود کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ خدا بنا کر وہ ان کو کچھ ہو گیا تو ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ ایسا بکھر کر رہ جائے گا کہ پھر مسلمانوں کو ایسی اجتماعیت کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ الغرض اس خطبہ مرتضوی کا ایک ایک لفظ اہل عقل و ایمان کے لئے سرمہ چشم بصیرت ہے۔ ”ومن یضلل اللہ فلا ہادی لہ“ ۲: ۲ : نبج البلاغہ میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قتالِ روم کے بارے میں مشورہ لیا تو فرمایا:

وَقَدْ نَوَسَّكَلُ اللَّهُ لِأَهْلِ هَذَا الدِّينِ بِإِعْزَازِ الْحَوْزَةِ^(۱۳۷۱) ، وَسَفَرِ الْعَوْدَةِ .

وَالَّذِي نَصَرَهُمْ ، وَمَنْ قَلِيلٌ لَا يَنْتَصِرُونَ ، وَتَمَتُّهُمْ وَمَنْ قَلِيلٌ لَا يَمْتَنِعُونَ ، حَتَّى لَا يَمُوتَ .

إِنَّكَ مَتَى نَزَرَ إِلَى هَذَا الْعَلَوِ يَنْفِكَ ، فَتَلْقَهُمْ فَتَنْكَبَ ، لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِينَ كَانِفَةً^(۱۳۷۲) دُونَ أَقْصَى بِلَادِهِمْ . لَيْسَ بِعَلَيْكَ مَرْجِعُ بَرَجِئُونَ إِلَيْهِ ، فَأَبَعْتَ إِلَيْهِمْ رَجُلًا يَخْرِبُ ، وَآخِيزُ^(۱۳۷۳) مَتَى أَهْلُ الْبَلَاءِ^(۱۳۷۴) وَالنَّصِيبَةِ ، فَإِنْ أَظْهَرَ اللَّهُ فَتَاكَ مَا تُحِبُّ ، وَإِنْ تَكُنِ الْآخَرَى ، كُنْتَ رِذَاً لِلنَّاسِ^(۱۳۷۵) وَمَتَابَةً^(۱۳۷۶) لِلْمُسْلِمِينَ .

(نبج البلاغہ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

ترجمہ: ”جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غزوہ روم میں بنفسِ نفیس جانے کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا تو فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اس دین کے ماننے والوں کے لئے اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور ان کی غیر محفوظ جگہوں کے دشمن کی نظر سے بچائے رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے، جس ذات نے ان کی اس وقت مدد کی، جب کہ وہ اتنے قلیل تھے کہ اپنا بدلہ نہیں لے سکتے تھے، اور ان کی اس وقت حفاظت کی جب کہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، وہ حق لایموت ہے (جس طرح ان کی اس وقت مدد کی تھی اسی طرح اب بھی کرے گا) اگر آپ اس دشمن کے مقابلہ میں بنفس نفیس تشریف لے گئے، اور خود ان سے جا کر ٹکر لی پھر خدا نخواستہ معاملہ دگرگون ہو گیا تو اسلامی مملکت کے آخری شہروں تک مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ اور آپ کے بعد ان کا کوئی مرجع اور مرکز نہیں رہے گا جس کی طرف وہ لوٹ کر آسکیں۔ لہذا (میرا مشورہ یہ ہے کہ) ان کے مقابلہ میں خود جانے کے بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو بھیجئے۔ اور اس کے ساتھ سرد درگرم چشیدہ مخلص لوگوں کو بھیجئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو آپ کا مدعا حاصل ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری صورت ہوئی تو آپ لوگوں کے لئے مددگار اور مسلمانوں کے لئے جائے پناہ رہیں گے (اور مسلمان آپ کے پاس جمع ہو کر دوبارہ حملے کے لئے تیاری کر سکیں گے)“

اس ارشاد میں بھی اسی آیت استخلاف اور آیت حمکین کی طرف اشارہ ہے۔
 ۳: نوح البلاغہ میں حضرت امیر کا ایک خطبہ نقل کیا ہے:

لِلّٰهِ بَلَاءٌ مُّلاَنٌ ۱۱۱۱، فَلَقَدْ قَوْمٌ ۱۱۱۱ الْاَوَدَ، وَذَاوَى الْعَمَدِ ۱۱۱۱،
 وَاَقَامَ السَّنَةَ، وَخَلَفَ ۱۱۱۱ الْفَيْئَةَ اَذْهَبَ نَفْيُ الثَّوْبِ، قَبِيلَ التَّنْبِی.
 اَصَابَ خَيْرَهَا، وَسَبَقَ شَرُّهَا. اَدَىٰ اِلَىٰ اللّٰهِ طَاعَتُهُ، وَانْقَاءُ بِحَقِّهِ.
 وَحَلَّ وَتَرَكَهُمْ فِي طَرَفٍ مُّشْتَبِهٍ ۱۱۱۱، لَا يَهْتَدِي بِهَا الضَّالُّ، وَلَا
 يَسْتَقِيضُ السُّهْنَدِي.
 (نوح البلاغہ..... صفحہ ۳۵۰)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ”فلاں“ شخص کو جزائے خیر دے کہ (۱) کجی کو سیدھا
 کر دیا (۲) اندرونی مرض کی اصلاح کر دی (۳) سنت کو قائم کر دیا (۴)

ترجمہ: ”یہاں تک کہ دین نے اپنے سینہ کا اگلا حصہ زمین پر رکھ دیا، اور یہ اس سے کنہیہ ہے کہ لہل اسلام کو خوب استقرار اور تمکین حاصل ہوئی۔“

جناب امیرؒ کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ وہ اپنے پیش رو خلفاء کی خلافت کو خلافت راشدہ سمجھتے تھے، قرآن کریم کے وعدوں کا مصداق جانتے تھے اور ان اکابر کے مشیر اور وزیر باندہ تھے۔ کیونکہ ان کی خلافتوں سے دین کو تمکین حاصل ہوئی، اسلام کا پرچم بلند ہوا اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ایک ارشاد تہر کا حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نقل کرتا ہوں:

علامہ مجلسی نے بحار الانوار ”تاریخ امام حسنؒ“ کے انیسویں باب میں اردبیلی کی ”کشف الغمہ“ کے حوالے سے حضرت حسنؒ اور حضرت معاویہؒ کے صلح نامہ کا متن نقل کیا ہے، اس کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا ما صالح عليه الحسن بن علي بن أبي طالب معاوية بن أبي سفيان: صالحه على أن يسلم إليه ولاية أمر المسلمين، على أن يعمل فيهم بكتاب الله وسنة رسوله ﷺ وسيرة الخلفاء الصالحين
(بحار الانوار..... صفحہ ۶۵، جلد ۴۴)

ترجمہ: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جس پر حسنؒ بن علیؒ بن ابی طالب نے معاویہؒ بن ابی سفیانؒ سے صلح کی، یہ طے ہوا کہ حسنؒ مسلمانوں کی ولایت امر (خلافت) معاویہؒ کے سپرد کر دیں گے۔ اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں میں کتب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؒ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے۔“

علامہ مجلسی نے یہاں ”خلفائے راشدین“ کے بجائے ”خلفائے صالحین“ کا لفظ نقل کیا ہے، لیکن بحار الانوار کے حاشیہ میں ہے کہ اصل کتاب (یعنی کشف الغمہ) میں ”خلفائے راشدین“ کا لفظ ہے:

فی المصدر ج ۲ ص ۱۴۵ ، د الخلفاء الراشدين ، [الصالحين] .
 حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس تحریر سے چند امور مستفاد ہوئے :
 اول : یہ کہ اہل سنت جو خلفائے اربعہ (حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم) کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ”خلفائے راشدین“ تھے یہی عقیدہ حضرت امام حسنؒ کا تھا، الحمد للہ کہ اہل سنت کو اس عقیدہ میں حضرت امام موصوف کی اقتدا و اتباع نصیب ہے۔

دوم : یہ کہ اہل سنت کی کتابوں میں جو یہ حدیث نقل کی گئی ہے :

وعن العریاض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ قال :
 «صلی بنا رسول اللہ ﷺ ذات یوم ثم أقبل علینا
 بوجهہ، فوعظنا موعظة بلیغة، ذرقت منها العیون،
 ووجلت منها القلوب، فقال رجل: یا رسول اللہ، کأن
 هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلینا؟ قال: «أوصیکم
 بتقوی اللہ والسمع والطاعة، وإن کان عبدا حبشیا، فإنه
 من یمش منکم بعدي فسیری اختلافا کثیرا، فعلیکم
 بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسکوا بها،
 وعضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم ومحدثات الأمور، فإن
 کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة» .

(مشکوٰۃ ص ۲۹، ۳۰)

ترجمہ : ”حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمیں ایک نہایت بلوغ اور مؤثر وعظ فرمایا جس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل کانپ گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ گویا یہ رخصت کرنے والے کی نصیحتیں تھیں، پس ہمیں کوئی

وصیت فرمائیے! ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور (اپنے
حاکم کی) سمع و طاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ وہ حبشی غلام ہی
کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے
اختلافات دیکھے گا، اس لئے میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین،
جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کو لازم پکڑو! اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو،
اور دیکھو! جو نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں ان سے احتراز کیجیو! کیونکہ ہر وہ چیز
(جو دین کے نام پر) نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی
ہے۔“

حضرت امام حسنؑ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، اور چونکہ اس میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے خلفاء کو ”خلفائے راشدین“ فرمایا گیا ہے اس لئے
حضرت امام حسنؑ اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے تھے۔
سوم: یہ کہ حضرت امام حسنؑ نے حضرت معاویہؓ سے کتب و سنت پر عمل کرنے کے
علاوہ حضرات خلفائے راشدینؑ کی سنت و سیرت کی پیروی کا بھی عہد لیا، اس سے ثابت
ہوا کہ حضرت امام حسنؑ کے نزدیک کتب و سنت کے ساتھ خلفائے راشدینؑ کی سنت
بھی حجت شرعیہ ہے اور اس کی اقتدا لازم ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
خلفائے راشدینؑ کی سنت کے ساتھ تنسک کرنے اور اس کو مضبوط پکڑنے کی تاکید و تبلیغ
فرمائی ہے۔

خلافت راشدہ کی پیش گوئیاں کتب سابقہ میں

سورۃ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ”ذٰلِکَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرَۃِ وَ مِثْلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ“ اس آیت شریفہ سے معلوم
ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں بھی حضرات صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؑ
کے بارے میں پیش گوئیاں کی گئی تھیں، اس سلسلہ میں یہاں تین واقعات ذکر کرتا
ہوں۔

۱: حضرت صدیقؑ کے بارے میں پیش گوئی

حافظ جلال الدین سیوطی نے ”خصائص کبریٰ“ (۱-۲۹) میں حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب نقل کیا ہے۔ اصل متن وہاں ملاحظہ کر لیا جائے یہاں اس کا ترجمہ نقل کرتا ہوں :

”ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اسلام لانے کا سبب ایک وحی آسمانی تھی۔ وہ ملک شام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا جس کو بھیرار اہب سے بیان کیا اس نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ حضرت صدیقؓ نے فرمایا، مکہ۔ اس نے پوچھا، کس قبیلہ کے؟ آپ نے فرمایا، قریش۔ اس نے پیشہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تاجر۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا خواب دکھایا۔ آپ کی قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے ان کی زندگی میں آپ ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد آپ ان کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ابو بکرؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپ کے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے معافہ کیا اور آپؐ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔“ (تحفہ خلافت صفحہ ۵۰۱، ۵۰۲)

۲ : فتح بیت المقدس کا واقعہ

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن عاصؓ نے جب ۶۳۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو، تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے، فاتح بیت المقدس کا حلیہ اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں، اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالہ کر دیں گے۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی اور آپؓ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں تاریخ یافعی کے حوالے سے اس کا حسب ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے :

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وجہ یہ

ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا اور محاصرہ کو بہت
 طول ہوا۔ تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ تکلیف مت
 اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوائے اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں، اور اس
 کی پہچان ہمارے پاس ہے، کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ
 علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے۔
 مسلمانوں نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ پس آنجناب اپنے
 اونٹ پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ
 آپ کا غلام تھا جو نیت بنویت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا۔ زادراہ آپ
 کا جو اور چھوہارے اور روغن زیتون تھا۔ لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔
 رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے۔ جب بیت المقدس کے
 قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زبا نہیں
 ہے کہ کفار امیر المومنین کو اس حالت میں دیکھیں، اور بہت اصرار کیا یہاں
 تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔
 جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ
 عجب داخل ہوا۔ لہذا آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا اور
 فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا۔ اور اسی
 ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہل کتاب نے
 آپ کو دیکھا تو کہا، ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لئے دروازہ کھول

دیا۔“

(ازالة الحفا..... صفحہ ۶۰، جلد ۲)

۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ”خصائص کبریٰ“ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ ذکر کرتا
 ہوں:

”جب حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی
 عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی، جس کے جواب میں آپ
 نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمرؓ کا ہے، نہ عمرؓ کے بیٹے کا۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ

جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے پورا واقعہ ان کو سنایا۔ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ میں ملک شام گیا تھا، میں اپنی کوئی چیز بھول گیا، اس کے لینے کے لئے واپس ہوا پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا۔ ایک پادری نے مجھے ایک پھوڑا دیا اور ایک نوکری دی اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو۔ یہ کہہ کر گر جا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔ مجھے بہت برا معلوم ہوا اور میں نے کچھ کلام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کلام نہیں کیا تو اس نے ایک گھونسا میرے سر میں مالدیا۔ میں نے بھی اٹھ کر پھوڑا اس کے سر پر دے ملا۔ جس سے اس کا بھی جانکل آیا اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گر جا کے سامنے اس کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گر جا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا۔ اور کہا کہ تمام اہل کتب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گر جا سے ہمیں نکالے گا۔ اور اس شریر قابض ہو گا۔ میں نے کہا اے شخص! حیراخیل نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا عمرؓ بن خطاب! تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے، اس گر جا کو میرے نام واگزار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص! تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے، اس کو مسخر اپن کر کے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ ملا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی، اور سر کر دی۔ آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ یہ مل نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا، میں کیسے دے سکتا ہوں؟“

(خصائص کبریٰ..... صفحہ ۳۰، جلد ۱۔ تحفہ خلافت..... صفحہ ۴۹۹)

دسویں بحث: امام غائب کے نظریہ پر ایک نظر

آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”صفحہ ۲۱ پر بارہویں امام علیہ السلام پر جو خاتمہ فرمائی فرمائی ہے اس کا لہجہ ہی

ہمارے نزدیک غیر عالمانہ بلکہ عامیانہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سطرین

آپ جیسا عالم نہیں لکھ سکتا یہ تو کسی جاہل کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔“

آنجناب کے اس تبصرہ کا بہت بہت شکریہ، اس ناکارہ کی جس تحریر کو آنجناب

نے ”کسی جاہل کی تحریر“ فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

”شیعہ مذہب کا نظریہ امامت فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ

مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا۔ کا۔ بلکہ اس نے ”اماموں“ کا

سلسلہ ”بارہویں امام“ پر ختم کر کے اسے ۶۶۰ھ میں کسی نامعلوم غدار

(سرمین رائی کے غدار) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔ آج ان کو ساڑھے

گیارہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ ”بارہویں امام“ کہاں

ہیں اور کس حالت میں ہیں؟“

میں نے اس فقرہ میں دراصل ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا تھا جو عقیدہ امامت

کے مصنفین کو پیش آتی تھیں۔ اور جن کا بوجھ اٹھانے سے بالآخر وہ عاجز آ گئے۔ اور چارو

ناچار سلسلہ امامت کے خاتمے کا اعلان کرنا پڑا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا

یسودی اور اس کی پارٹی نے عقیدہ امامت کو تصنیف کر لیا اور کچھ ایسے رائج العقیدہ شاگرد

بھی پیدا کر لئے جو آئندہ بھی اس کی تبلیغ کو جاری رکھ سکیں۔ لیکن ان مبلغوں کو قدم قدم

پر مشکلات کا سامنا پیش آتا تھا۔

اول : حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل ان کے اس عقیدہ کی جزا کا تھا، کیونکہ:

الف : خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور میں آپؐ نے کبھی دعوائے امامت نہیں فرمایا، بلکہ اگر کسی نے انگیخت بھی کی تو اس کو ”فتنہ پرداز“ کہہ کر جھڑک دیا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

ب : حضرت علیؑ ”خلفائے ثلاثہ“ کے دور میں ان کے دست راست بنے رہے، ان کے وزیر و مشیر رہے، انہوں نے مرتدین سے اور فساد و وروم سے جو لڑائیاں کیں ان کو شرعی جہاد سمجھا، فئی اور مال غنیمت میں سے حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ آپ کے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہ کی والدہ کو، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ یمامہ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں، اپنے حرم میں داخل کیا، اور شاہ ایران کی بیٹی شہرناز کو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے مال غنیمت میں آئی تھیں، اپنے صاحب زادہ حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے حرم میں داخل کیا، جن سے حضرت زین العابدین تولد ہوئے۔ اور شیعوں کا سلسلہ امامت آگے چلا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہ اکابر خلفائے حقانی نہیں تھے تو ان کی لڑائیاں شرعی جہاد نہ ہوتیں، اور ان لڑائیوں میں گرفتار ہو کر آنے والی خواتین شرعی باندیاں نہ ہوتیں اور ان سے تمتع حلال نہ ہوا۔

ج : اس سے بڑھ کر حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہ ستم ڈھاتے تھے کہ وقتاً فوقتاً خلفائے ثلاثہؑ کی، خصوصاً حضرات شیخینؑ کی مدح بلیغ فرماتے تھے۔ حضرتؑ کے ان کلمات طیبات کی شرح و تاویل میں حضرات امامیہ آج تک ہلکان ہو رہے ہیں۔

د : اور خلیفہ سوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے بعد بھی آپ خلافت کے لئے آمادہ نہیں تھے، بلکہ جب آپ سے اس کی درخواست کی گئی تو، جیسا کہ نبخ البلاغ کی عبارت پہلے گزر چکی ہے، فرمایا :

دَعُونِي وَالتَّبِئُوا غَيْرِي وَإِنْ
فَرَسْتُمُونِي فَأَنَا كَأَحَدِكُمْ ، وَلَعَلِّي أَسْمَعُكُمْ وَأَطِيعُكُمْ مِنْ وَلِيِّكُمْ .

أَمْرُكُمْ ، وَأَنَا لَكُمْ وَزِيرٌ ، خَيْرَ لَكُمْ مِنْي أَمِيرٌ ۱
(نسخ البلاغہ..... صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: ”مجھے چھوڑ دو، خلافت کے لئے کسی اور کو تلاش کر لو..... اور اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ جس کو تم اپنا امیر بنالو میں تم سے بڑھ کر اس کی اطاعت کروں۔ اور میرا وزیر بن کر رہنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا حاکم بنوں۔“
ہ: اور لوگوں کے سامنے حلفا فرماتے تھے:

وَاللّٰهُ مَا كَانَتْ لِي فِي الْخِلَافَةِ رَغْبَةٌ ، وَلَا فِي الْوِلَايَةِ إِذْنَةٌ ۲۸۸۷ ،
وَلَكِنْ كُمْ دَعَوْتُنِي إِلَيْهَا ، وَحَمَلْتُنِي عَلَيْهَا
(نسخ البلاغہ..... صفحہ ۳۲۲)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی، اور نہ حکومت کی کوئی خواہش تھی، لیکن تم لوگوں نے خود مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر آمادہ کیا۔“

و: اور جب آپؐ خارجی ملعون کی تیغ جفا سے زخمی ہوئے تو حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حضرت جناب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
”یا امیر المؤمنین! إن مت نبايع الحسن. فقال: لا
أمرکم ولا أنہاکم ، أنتم أبصر.“

(البدایہ والنہایہ..... صفحہ ۳۲۷، جلد ۷)

ترجمہ: ”امیر المؤمنین اگر آپ کا انقل ہو جائے تو کیا ہم آپ کے صاحب زادہ حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا، میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ تم لوگ بہتر جانتے ہو۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قسم کے بہت سے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے فرشتوں کو بھی عقیدہ امامت کی خبر نہ تھی، جبکہ اس کے علی الرغم امامیہ پارٹی خفیہ طور پر اس کی تبلیغ میں مصروف تھی۔

دوم : حضرت حسن رضی اللہ عنہ (سبط اکبر و ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے عقیدہ امامت کی جڑوں پر اس وقت تیشہ چلایا جب چھ مہینے کے بعد خلافت حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی۔ ان کے اس طرز عمل سے عقیدہ امامت کا گھرونداز مین بوس ہو کر رہ گیا، مگر عقیدہ امامت کے مصنفین کی طرف سے ان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ امامت سے ان کی اولاد کو معزول کر دیا گیا۔

سوم : حضرت حسینؑ شہید کربلا کے بعد شیعوں میں ہولناک اختلافات برپا ہوئے اور ہر امام کی وفات کے بعد ایک نئے اختلاف کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ چنانچہ :

پہلا اختلاف : حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد رونما ہوا اور جو لوگ خفیہ طور پر عقیدہ امامت کی تبلیغ کرتے تھے، ان کے چند فرقے ہو گئے، ایک گروہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں کی امامت کا منکر ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت حسنؑ کی مصالحت حضرت معلویہؑ کے ساتھ جائز تھی تو یزید بن معلویہ کے مقابلہ میں حضرت حسینؑ کا خروج ناجائز تھا۔ اور اگر حضرت حسینؑ کا خروج جائز تھا تو حضرت حسنؑ کی مصالحت حضرت معلویہؑ کے ساتھ ناجائز تھی، نو بختی اپنے رسالہ فرق الشیعۃ میں لکھتے ہیں :

”پس در کل آن دو در گمان شدند، و از امامت آنان باز گشتند، و در گفتار

با تودہ مردم ہم داستان گردیدند“ (فرق الشیعۃ صفحہ ۴۷)

ترجمہ : ”یہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے متضاد طرز عمل سے بد گمان

ہو گئے۔ اور ان دونوں کی امامت سے پھر گئے۔ اور عقیدہ میں عام لوگوں کے

ساتھ ہم داستان ہو گئے۔“

دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو حضرات حسین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہؑ کی امامت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ مختاریہ اور کینانیہ نے محمد بن علیؑ (ابن حنفیہ) کی امامت کا علم بلند کیا۔ اور قاتلین حسینؑ سے انتقام لینا شروع کیا۔ اس فرقہ کا عظیم ترین قائد محمد بن ابی عبیدہ کذاب تھا۔ رجب کشی میں ہے :

والمختار هو الذی دعا الناس الی محمد بن علی بن ابی طالب ابن

الحنفية، وسئوا الكيانية وهم المختارثة وكان لقبه كيسان، وكان
لا يبلغه عن رجل من اعداء الحسين (ع) انه في دار اوفى موضع الا قصده
فهدم الدار بأسرها وقتل كل من فيها من ذى روح، وكل دار بالكوفة خراب
فهي ممتا هدمها، (رجال کشی ص ۱۲۷)

ترجمہ: ”اور عقدا وہ شخص ہے جس نے لوگوں کو محمد بن علی بن ابی طالب
ابن الحنفیہ کی امامت کی دعوت دی، اس کی پارٹی کو ”کیسانیہ“ اور
”عقدا“ کہا جاتا ہے۔ کيسان خود اسی کا لقب تھا..... اور حضرت حسینؑ
کے دشمنوں میں سے کسی شخص کے بارے میں جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ وہ
قلاں مکان میں یا قلاں جگہ میں ہے یہ فوراً وہاں پہنچ جاتا، پورے مکان کو
منہدم کر دیتا اور اس میں جتنی ذی روح چیزیں موجود ہوتیں سب کو قتل
کر دیتا۔ کوفہ میں جتنے مکان ویران ہیں یہ سب اسی کے ڈھائے ہوئے
ہیں۔“

عقدا کذاب تھا، حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف بھولی باتیں منسوب کرتا تھا۔ چنانچہ
رجال کشی میں ہے کہ:

۱۹۸۔ محمد بن الحسن وعشاز بن حامد، قالا حدثنا محمد بن یزید
الرازی، عن محمد بن الحسين بن ابی الخطاب، عن عبد الله المزخرف، عن
جيب الخنمی، عن ابی عبد الله (ع) قال كان المختار يكنب على بن
الحسين (عليهما السلام).

(رجال کشی..... صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ: ”امام صادق فرماتے ہیں کہ عقدا، حضرت امام زین العابدین کے نام
پر جھوٹ بکاتا تھا۔“

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن عجائبات
میں سے ہے کہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما اس کذاب کے حق میں
”جزاه اللہ خیراً“ فرماتے تھے، کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا
تھا۔

(رجال کشی..... صفحہ ۱۲۷)

اور ان کے صاحب زادے امام محمد باقر اس بد بخت کے لئے دعائے رحمت فرماتے تھے۔
(ایضاً..... صفحہ ۱۸۶)

نور اللہ شوشتری مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں:

”محمد بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی اور ازجملہ مقبولان شمرہ“

(مجالس المؤمنین مطبوعہ تہران صفحہ ۱۵ بحوالہ نصیحت الشیعہ صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: ”محمد بن ابی عبید ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ حلی نے اس کو مقبولان بدگھالہ میں شمار کیا ہے۔“

یہیں سے حضرات امامیہ کی انصاف پسندی و دانشمندی اور اہل بیت اطہر سے ان کی محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام معصوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ جس شخصیت سے صلح کرتے ہیں اور امامین معصومین حضرت حسین رضی اللہ عنہما جس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، یعنی حضرت امیر معلویہ رضی اللہ عنہ، وہ تو ان کے نزدیک ”لعنۃ اللہ علیہ“ ہے اور جھوٹا مدعی نبوت محمد ثقفی کذاب ان کے نزدیک مقبولان الہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسینؑ کی بیعت کا واقعہ رجل کشی میں امام صادقؑ سے اس طرح نقل کیا ہے:

حدثنا محمد بن عبد الحمید المطار الکوفی، عن یونس بن یعقوب، عن فضیل غلام محمد بن راشد، قال سمعت ابا عبد اللہ (ع) یقول ان معاویہ کتب الی الحسن بن علی (صلوات اللہ علیہما) ان اقدم انت والحسن واصحاب علی! فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری وقدموا الشام، فاذا بهم معاویہ واعداء لهم الخطباء، فقال یا حسن قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين (ع) قم فبايع فقام فبايع (رجل کشی..... صفحہ ۱۱۰)

ترجمہ: ”حضرت معلویہؑ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ

آپ اور آپ کے ساتھ حضرت حسینؑ اور اصحاب علیؑ تشریف لائیں، چنانچہ دونوں کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری شام گئے، حضرت معلویہؑ نے ان کو اجازت دی اور ان کے لئے خطبہ تیار کئے، پھر کہا، اے حسن! اٹھ کر بیعت کیجئے آپ اٹھے بیعت کی۔ پھر کہا اے حسین! اٹھ کر بیعت کیجئے چنانچہ وہ بھی اٹھے اور بیعت کی۔“

الغرض حضرات الامین، ہامین الحسنؑ و حسینؑ نے جس شخصیت کے ہاتھ پر بیعت کی شیعہ صاحبین اس کو تو ”لعنت اللہ علیہ“ سے یاد کرتے ہیں اور جس ملعون نے نوت کا دعویٰ کیا اور وہ ائمہ پر جھوٹ طوفان باندھتا تھا، یعنی مختد کذاب، وہ ان کے نزدیک ”رحمتہ اللہ علیہ“ ہے اور اسے مقبولانِ بدگاہ الہی میں شمار کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسرا گروہ: ان لوگوں کا تھا جو امام زین العابدینؑ کی امامت کے قائل تھے۔ اور یہ چند اشخاص تھے۔ رجل کشی میں امام صادقؑ سے نقل کیا ہے:

۱۹۴۔ محمد بن نصیر، قال حدثنی محمد بن عیسیٰ، عن جعفر بن عیسیٰ، عن صفوان، عن عمن سمعہ، عن ابی عبد اللہ (ع) قال ارتد الناس بعد قتل الحسین (ع) الا ثلاثة ابو خالد الکلابی و یحیی بن ام الطویل و جیر بن مطعم، ثم ان الناس لحقوا وکثروا۔

(رجل کشی..... صفحہ ۱۲۳، ترجمہ یحییٰ بن ام الطویل)

ترجمہ: ”قتل حسینؑ کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین

آدمیوں کے، یعنی ابو خالد کلابی، یحییٰ بن ام الطویل اور جیر بن مطعم بعد میں لوگ آئے اور زیادہ ہو گئے۔“

الغرض ان دنوں محمد بن حنفیہ کی امامت کا غلطہ تھا۔ اور امام زین العابدینؑ کی امامت کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔ خود امام زین العابدینؑ دعوائے امامت سے کوسوں دور تھے۔ کربلا کے مناظر ان کے چشم دید تھے۔ شیعہ راویوں نے تو ان سے یہاں تک منسوب کیا ہے کہ وہ یزید کی غلامی کا اقرار کرتے تھے۔ روضہ کافی میں ان کے صاحب زادہ امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ یزید بن معاویہ حج کو جاتے ہوئے مدینہ آیا، اس نے ایک قریشی کو بلایا اور کہا کیا تم اقرار کرتے ہو کہ تم میرے غلام ہو؟ اس نے انکار کیا تو اسے قتل کر دیا:

ثم أرسل إلى علي بن الحسين عليه السلام فقال له: مثل مقالته للقرشي فقال له علي بن الحسين عليه السلام: أرايت إن لم أقر لك أليس تقتلني كما قتلت الرجل بالأمس؟ فقال له يزيد لعنه الله: بلى فقال له علي بن الحسين عليه السلام: قد أقررت لك بما ألت أنا عبد مكره. فإن شئت فأمسك وإن شئت فنبع.

(روضہ کافی..... صفحہ ۲۳۵، جلد ۸)

ترجمہ: ”پھر اس نے حضرت علی بن حسین علیہما السلام کو بلا بھیجا، ان سے بھی وہی بات کہی جو قریشی سے کہی تھی، حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ اگر میں تیری غلامی کا اقرار نہ کروں تو کیا تو مجھے اسی طرح قتل نہ کر دے گا جیسے کل قریشی کو قتل کیا تھا؟ یزید نے کہا، یقیناً۔ حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے فرمایا، تو نے جو پوچھا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں، میں بے بس غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو مجھے فروخت کر دے۔“

چوتھا گروہ: وہ تھا جو اس کے قاتل تھے کہ حسینؑ کے بعد امامت ختم ہو گئی، امام بس یہی تین تھے۔ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ: یہ لوگ حضرت حسینؑ کے بعد کسی کی امامت کے قاتل نہیں تھے۔

(فرق الشیعة..... صفحہ ۸۴)

پانچواں گروہ: ان لوگوں کا تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ امامت صرف اولادِ حسینؑ کا حق نہیں، بلکہ حسنؑ و حسینؑ دونوں کی اولاد میں جو بھی امامت کے لئے کھڑا ہو جائے اور لوگوں کو اپنی طرف اعلانیہ و عوت دے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح امام واجب اللاطاعت ہے، جو شخص اس سے سرتابی کرے یا اس کے مقابلہ میں لوگوں کو اپنی امامت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔ اسی طرح حسنؑ اور حسینؑ کی اولاد میں جو شخص امامت کا دعویٰ کرے، مگر دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ رہے وہ اور اس کے تمام پیروکار مشرک و کافر ہیں۔

(ایضاً..... صفحہ ۸۵)

دوسرا اختلاف: حضرت علی بن حسینؑ زین العابدین کا انتقال محرم ۹۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت کے مسئلہ پر طوفان کھڑا ہوا، ان کے صاحب زادے حضرت زید بن علی (جو زید شہیدؑ کے لقب سے معروف ہیں) امامت کے مدعی ہوئے، انہوں نے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ والی عراق کے خلاف خروج کیا۔ شیعہ سنیہ میں سے تیس ہزار افراد نے عین موقع پر ان سے بے وفائی کی اور حضرت حسین شہیدؑ کو بلارضی اللہ عنہ کی سنت پھر تازہ ہوئی، حضرت زیدؑ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی امامت کے

قائلین زید یہ کہلائے۔ اور ان میں سے بہت سے ان کے مدعی ہونے کے قائل ہیں۔

کچھ لوگ حسن مثنیٰ بن حسنؒ مجتبیٰ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادے عبداللہ محض کی اور ان کے بعد صاحب زادے محمد نفس زکیہ کی امامت کے قائل ہوئے۔ یہ لوگ ان کو امام مدعی سمجھتے ہیں۔

کچھ لوگ حضرت علی بن حسینؒ کے دوسرے صاحب زادہ حضرت محمد باقر بن علی بن حسینؒ کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان میں چار افراد نامور تھے۔ رجل کشی میں امام صادقؑ کا قول نقل کیا ہے :

۲۱۹۔ حدثنی حمدویہ : قال حدثنی یعقوب بن یزید، عن ابن ابی عمیر، عن هشام بن سالم، عن سلیمان بن خالد الاقطع، قال سمعت ابا عبد اللہ (ع) يقول ما احدهٗ احیی ذکرنا واحادیث ابی (ع) الا زرارة وابو بصیر لیث المرادی ومحمد بن مسلم وبرید بن معاویة المجلی ولولاء هؤلاء ماکان احد یستبیط هذا، هؤلاء حفاظ الدین وامناء ابی (ع) علی حلال اللہ وحرامہ، وہم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرة.

(رجل کشی صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ : ”نہیں ہے کوئی جس نے زندہ کیا ہو ہمارے ذکر کو، اور میرے والد (امام باقرؑ) کی احادیث کو سوائے چار شخصوں کے، زرارہ، ابو بصیر لیث مرادی، محمد بن مسلم، برید بن معاویہ عجل۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کسی کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس (عقیدہ امامت) کا استنبلا کر سکیں۔ یہ چار آدمی دین کے محافظ اور اللہ کے حلال و حرام پر میرے باپ کے امین ہیں۔ یہی لوگ سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف دنیا میں اور یہی سبقت کرنے والے ہیں ہماری طرف آخرت میں۔“

امام صادقؑ نے واقعی سچ فرمایا۔ یہی چار آدمی (دوسرے چار کے ساتھ مل کر) شیعہ مذہب کے مصنف ہیں۔ یہ لوگ نہایت بد عقیدہ تھے، محض اپنی مطلب براری کے لئے ائمہ کا نام لیتے تھے، ورنہ درحقیقت وہ ائمہ کے قائل ہی نہیں تھے، وہ ائمہ پر

نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ ائمہ ان پر سوسو لغزشیں بھیجتے تھے اور ان کو جھوٹا بتاتے تھے۔ جب ان چلاک اور مکار لوگوں کو بتایا جاتا کہ امام تو تمہیں جھوٹا کہتے ہیں تو یہ لوگ جواب دیتے، امام تقیہ کرتے ہیں۔ رجال کشی اور دیگر شیعہ کتابوں میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے لئے نصیحة الشیعة کا مطالعہ کیا جائے۔

تیسرا اختلاف: امام محمد باقرؑ کا انتقال ربیع الثانی ۱۱۲ھ میں ہوا۔ ان کے وصل کے بعد پھر امامت کے مسئلہ میں اختلاف کھڑا ہوا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ایک گروہ ان کو جی لایموت سمجھتا تھا یعنی وہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ وہی امام مہدی ہیں۔ ان کے بعد کوئی امام نہیں۔

۲۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے زکریا کو آخری امام، امام مہدی مانتا تھا۔

۳۔ ایک گروہ امام محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کو (جو ”نفس زکیہ“ کے لقب سے ملقب ہیں) کی امامت کا قائل تھا۔ یہ لوگ ان کو ”مہدی آخری الزماں“ جانتے تھے۔ تاریخ میں منصور عباسی کے خلاف ان کا خروج معروف و مشہور ہے۔

۴۔ ایک گروہ امام جعفرؑ کی امامت کا قائل ہوا۔ اس گروہ کے کرنا دھرتا وہی لوگ تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

چوتھا اختلاف: امام جعفر (متوفی ۱۴۸ھ) کے بعد پھر اختلاف رونما ہوا۔ اور شیعوں کی بہت سی جماعتیں وجود میں آئیں۔

۱۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ امام مہدی ہیں، ان کے بعد کوئی امام نہیں۔ ان کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ روپوش ہو گئے ہیں، دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ یہ فرقہ نادوسیہ کہلاتا تھا۔

۲۔ بعض لوگ ان کے بعد ان کے صاحب زادے موسیٰ بن جعفر کی امامت کے قائل ہوئے۔

۳۔ ایک گروہ امام جعفر کے صاحب زادے اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ لوگ ان کو ”امام مہدی“ جانتے تھے۔ یہ اسماعیلی فرقہ کہلاتا ہے۔

- ۴۔ ایک گروہ امام جعفر کے پوتے محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا۔ یہ فرقہ مبارکیہ ہے جو اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے۔ اس کے بعد اسماعیلیوں کے بہت سے فرقے ہوئے، جن کی ایک طویل تاریخ ہے۔
- ۵۔ ایک گروہ امام جعفر کے تیسرے صاحب زادے امام محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہوا، یہ سمیطیہ کہلاتے تھے۔
- ۶۔ ایک گروہ امام جعفر کے چوتھے صاحب زادے عبداللہ بن جعفر الافطح کی امامت کا قائل ہوا۔ رجال کشی میں ہے:

والذین قالوا بامامته عامة مشايخ العصاة، وفقهاؤها مالوا الى هذه المقالة، فدخلت عليهم الشبهة لما روى عنهم (عليهم السلام) انهم قالوا الامامة في الاكبر من ولد الامام اذا مضى، (رجال کشی صفحہ ۲۵۳)

ترجمہ: ”جو لوگ ان کی امامت کے قائل ہوئے وہ شیعہ گروہ کے عام مشلخ تھے۔ اور ان کے فقہاء بھی اسی عقیدہ کی طرف مائل ہوئے۔ ان کو شبہ اس بنا پر ہوا تھا کہ ائمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے انتقال کے بعد امامت، امام کے بڑے صاحب زادے کو پہنچتی ہے۔ (چونکہ اسماعیل کے بعد سب سے بڑے صاحب زادے عبداللہ الافطح ہیں، لہذا وہی امام ہیں)۔“

نو بختمی لکھتے ہیں:

”چونکہ عبداللہ اپنے والد (امام جعفر) کے انتقال کے وقت ان کے تمام فرزندوں کے سردار تھے اور اپنے والد کی جگہ بیٹھتے تھے، اس لئے انہوں نے اپنے والد کے بعد امامت و جانشینی کا دعویٰ کر دیا۔ ان کے پیر و امام جعفرؑ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امامت، فرزند ان امام میں سے سب سے بڑے کی ہے۔ اس بنا پر بہت سے لوگ جو امام جعفر کو امام مانتے تھے ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کی امامت کے معتقد ہوئے، سوائے چند گئے چنے آدمیوں کے، جنہوں نے سچے امام کو پہچانا۔ باوجودیکہ عبداللہ حلال و حرام کے مسائل کا صحیح جواب نہ دے سکتے تھے لیکن اس کے باوجود

زیادہ تر بزرگان شیعہ اور ان کے فقہاء اس عقیدہ کے معتقد رہے۔ اور
عبداللہ کی امامت سے بدگمان نہ ہوئے۔“

(فرق الشیعة ... صفحہ ۱۱۳)

پانچواں اختلاف: امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا اور ان کے
بعد ان کے شیعوں کے چند گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ ان کے صاحب زادے علی رضا کی امامت کا قائل ہوا۔

۲۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ امام موسیٰ بن جعفر مرے نہیں، زندہ ہیں۔ وہی مہدی
قائم ہیں۔

۳۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ امام مہدی ہیں، مر گئے، مگر مرنے کے فوراً بعد زندہ ہو کر
کبیں روپوش ہو گئے، ان کے خاص لوگ ان کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ اور وہ
ان کو امر و نہی بھی فرماتے ہیں۔ بہر حال وہ دوبارہ ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و
انصاف سے پر کریں گے۔

۴۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ مر گئے ہیں، لیکن آخری زمانہ میں دوبارہ زندہ ہوں گے
اور وہی مہدی آخر الزماں ہوں گے۔

۵۔ ایک گروہ نے کہا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلالیا
ہے۔ آخری زمانے میں دوبارہ ان کو بھیجیں گے۔

نوبختی لکھتے ہیں:

”ہمکی آناں واقعہ نامیدہ شوند، زیرا کہ بر موسیٰ بن جعفر درنگ کردہ گفتند

او امام قائم است۔ و پس ازوے چشم براہ اماں نبودہ و بلام دیگرے

نگر ویدند“ (فرق الشیعة صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ: ”یہ تمام فرقے (جن کا ذکر نمبر ۲ سے نمبر ۵ تک ہوا ہے)

”واقعہ“ کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ سلسلہ امامت موسیٰ بن جعفر پر ختم

کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ”امام مہدی“ ہیں ان کے بعد کسی اور امام کا

انتظار نہیں۔ اور وہ ان کے بعد کسی امام کے قائل نہیں۔“

۶: ایک فرقہ اس کا قائل تھا کہ معلوم نہیں کہ موسیٰ بن جعفر زندہ ہیں یا فوت ہو گئے

ہیں، بہت سی روایات میں آیا ہے کہ وہ ممدی قائم ہیں۔ ان خبروں کو جھوٹ بھی نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ موت برحق ہے اس لئے ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کئے بغیر ہم ان کی امامت پر قائم ہیں۔ (فرق الشیعۃ... صفحہ ۱۲۱)

۷: ایک گروہ نے محمد بن بشیر نامی ایک شخص کو ان کا جانشین مانا، ان کا دعویٰ تھا کہ موسیٰ بن جعفرؑ زندہ ہیں، وہی ممدی قائم ہیں، فی الحال روپوش ہیں۔ اور محمد بن بشیر کو آپ نے اپنا جانشین بنا رکھا ہے۔ (ایضاً... صفحہ ۱۲۲)

چھٹا اختلاف: امام علی رضاؑ بن موسیٰ کاظمؑ بن جعفر صادقؑ کا انتقال ۲۰۳ھ میں ہوا، اس وقت ان کے صاحب زادہ محمد بن علی (المعروف بہ "امام جواد") کی عمر سات سال کی تھی۔ (ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی) اس لئے امام علی رضا کے بعد پھر اختلاف ہوا۔

- ۱- ایک گروہ نے کہا کہ محمد بن علی نابالغ ہی سی، آخر امام زادہ ہے اسی کو امام بناؤ۔
 - ۲- ایک گروہ نے کہا امام علی رضاؑ کے بعد ان کے بھائی احمدؑ بن موسیٰ بن جعفرؑ امام ہیں۔ کیونکہ امام رضاؑ نے اپنے بعد ان کے حق میں وصیت فرمائی تھی۔
 - ۳- ایک گروہ جو امام علی رضاؑ کی امامت کا قائل تھا، وہ ان کے بعد ان کی امامت سے منحرف ہو گیا۔ اور کہا امامت ان کے والد موسیٰ کاظمؑ پر ختم ہو گئی تھی۔ اگر امامت کا سلسلہ آگے چلنا ہوتا تو امام علی رضاؑ نابالغ بیٹا چھوڑ کر کیوں مرتے؟
 - ۴- کچھ لوگوں نے امام علی رضاؑ کی وفات کے بعد عقیدہ امامت ہی کو خیر یاد کہہ دیا۔ اور انہوں نے مرجئی مذہب اختیار کر لیا۔
 - ۵- کچھ لوگوں نے موسوی سلسلہ سے منحرف ہو کر زیدی مذہب اختیار کر لیا۔
- نو بختمی لکھتے ہیں کہ:

"دو گروہوں کے احمد بن موسیٰ کی امامت کے قائل ہونے اور باقی گروہوں کے امامت سے منحرف ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ امام علی رضاؑ کے وصال کے وقت ان کے صاحب زاوے سات سال کے تھے، ان لوگوں نے کہا کہ امام بالغ ہونا چاہئے۔ نابالغ کی امامت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر نابالغ کو امام مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نابالغ بچہ مکلف ہو۔ حالانکہ نابالغ بچہ نہ مکلف ہو سکتا ہے،

نہ لوگوں کے درمیان فیصلے کر سکتا ہے، نہ شریعت کو پورا سمجھ سکتا ہے نہ اس کی تعلیم دے سکتا ہے۔" (فرق الشیعة ۱۲۸)

ساتواں اختلاف: امام محمد جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم کا وصال ۲۲۰ھ میں ہوا۔ نو بختی لکھتے ہیں کہ ان کے بعد امامت کا کوئی بڑا جھگڑا کھڑا نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ ان کی امامت کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے صاحب زادے علی "ہادی بن محمد" جواد بن علی رضا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ (حضرت کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی تھی اور وہ والد بزرگوار کی وفات کے وقت شش سالہ تھے) البتہ چند لوگ ان کے بھائی موسیٰ بن محمد کی امامت کے قائل ہوئے، تاہم کچھ عرصہ کے بعد (غالباً جب حضرت علی بن محمد سن بلوغ کو پہنچے ہوں گے) موسیٰ بن محمد کی امامت سے منحرف ہو کر ان کی امامت کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ شیعہ (بامر مجبوری) چھ سال کے نابالغ بچے کی امامت کے قائل ہوئے۔

آٹھواں اختلاف: امام علی ہادی کا وصال ۲۵۴ھ میں ہوا۔ ان کے بعد پھر امامت میں اختلاف ہوا۔

- ۱- ان کے مریدوں کا ایک گروہ محمد بن بشیر نمیری نامی ایک شخص کی نبوت پر ایمان لے آیا، یہ ایک ملحد شخص تھا اور اس نے محرم کے ساتھ نکاح اور مردوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو حلال قرار دے دیا تھا۔
- ۲- ایک گروہ امام علی ہادی کے صاحب زادہ محمد بن علی کی امامت کا قائل ہوا، جن کا انتقال والد بزرگوار کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ محمد بن علی مرے نہیں، کیونکہ ان کے والد بزرگوار نے ان کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ اور اپنے مریدوں کو بتا دیا تھا کہ ان کے بعد امام محمد بن علی ہوں گے۔ امام جھوٹ تو نہیں بولتے، لہذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے والد بزرگوار نے دشمنوں کے اندیشے کی بنا پر ان کو غائب کر دیا اور وہی امام مہدی ہیں۔

(فرق الشیعة صفحہ ۱۳۷)

- ۳- ایک گروہ نے امام علی بن محمد کے بعد ان کے صاحب زادے امام حسن عسکری کو امام قرار دیا۔

۴۔ اور کچھ لوگ امام حسن کے بھائی جعفر بن علی کی امامت کے قائل ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ امام علی نے اپنے صاحب زادہ محمد کی وفات کے بعد اپنے دوسرے صاحب زادہ جعفر کو امامت کے لئے نامزد کیا تھا۔ (فرق الشیعة ۱۳۸)

نواں اختلاف: سب سے زیادہ ہولناک اختلاف امام حسن بن علی عسکری کی وفات پر رونما ہوا۔ امام موصوف کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی تھی اور وفات شب جمعہ ۸ ربیع الاول ۳۶۰ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں ہوئی۔

نوبختی لکھتے ہیں:

”برود از دے نشانی باز نہ ماند، چوں در ظاہر فرزندے از دنیا فتد میراث او در میان برادرش جعفر و مادرش تقسیم کردند۔“

(فرق الشیعة ۱۳۹)

ترجمہ: ”امام حسن عسکری کا انتقال ہوا تو ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ جب لوگوں نے ظاہر میں ان کا کوئی لڑکا نہ پایا تو ناچار ان کی وراثت ان کی والدہ اور ان کے بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کر دی۔“

بہر حال امام حسن عسکری نے بعد ان کے مریدوں میں شدید اختلاف رونما ہوا۔ نوبختی لکھتے ہیں کہ ان کے مرید: ”برچندہ دستہ شدند“

(فرق الشیعة ۱۳۹)

یعنی ان کے چودہ فرقے ہو گئے۔ ان کی تفصیل نوبختی کے رسالہ میں دیکھ لی جائے۔ خلاصہ یہ کہ ایک فرقہ نے ان کے بھائی امام جعفر کو امام مانا۔ ایک فرقہ نے کہا کہ امام حسن عسکری ”مرے نہیں، بلکہ روپوش ہو گئے ہیں، وہ دوبارہ آئیں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا مرتو گئے مگر دوبارہ زندہ ہوں گے، کیونکہ وہی مہدی قائم ہیں۔ بعض نے کہا حسن اور جعفر دونوں بھائیوں کا دعویٰ غلط تھا۔ امامت ان کے باپ پر ختم ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان چودہ فرقوں میں سب سے زیادہ دلچسپ موقف ان لوگوں کا تھا جو اس امر کے قائل ہوئے کہ امام حسن عسکری کا ایک بیٹا تھا، جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا، ان کی ولادت کو لوگوں سے مخفی رکھا گیا تھا۔ یہ صاحب زادے چار پانچ سال کی عمر میں

اپنے والد کے انتقال سے دس دن پہلے اپنے شہر (سرمین رائی) کے ایک غلہ میں جا چھپے، اور وہ تمام چیزیں جو امامت کے لوازم ہیں اور حضرت علیؑ سے لے کر ہر امام کے پاس رہا کرتی تھیں اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھیں (مثلاً حضرت علیؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن، قدیم آسمانی کتابیں، توریت، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء کے صحائف، مصحف فاطمہ، جعفر احمر، جعفر ابیض، ستر گز کا ”الجامعہ“ نامی صحیفہ، انبیاء سابقین کے معجزانہ تبرکات مثلاً عصائے موسیٰ، قمیص آدم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ وغیرہ) ان تمام چیزوں کا پشتہ بھی ساتھ لے گئے۔

یہ تھا مشکلات کا وہ پہاڑ جس کو عبور کرنا المسیہ کے لئے ناممکن ہو گیا اور انہیں امام کے غائب ہو جانے کا اعلان کرنا پڑا۔ انہی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

”شیعہ مذہب کا نظریہ امامت“ چونکہ فطری طور پر غلط تھا اس لئے شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا۔ بلکہ اس نے اماموں کا سلسلہ بدھویں امام پر ختم کر کے اسے ۱۲۶۰ھ میں کسی نامعلوم غلہ (سرمین رائی کے غلہ) میں ہمیشہ کے لئے غائب کر دیا۔“

نظر باز گشت:

اب یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر مسئلہ امامت اور عقیدہ مہدی پر غور کیجئے تو مندرجہ بالا تفصیل سے ہم چند اہم نتائج پر پہنچتے ہیں۔

اول: المسیہ کا دعویٰ ہے کہ امامت نص پر موقوف ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ پر اور آپ کی نسل میں سے گیدہ اماموں پر یکے بعد دیگرے نص فرمائی تھی، لیکن شروع سے آخر تک مسئلہ امامت میں جو اختلافات رہے (اور جن کی طرف اوپر مختصر اشارہ کیا گیا ہے) ان کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے کہ اگر بارہ اماموں پر نام بہ نام نص ہوتی تو کیا یہ اختلافات رونما ہوتے؟ کیا ہر امام کی وفات پر نئے سرے سے ہنگامہ برپا ہوتا؟ حضرات صحابہ کرامؓ کو تو جوجی چاہئے کہہ کیجئے، لیکن بعد کے اختلافات تو خود شیعوں میں نہیں بلکہ خود اہل بیت کے درمیان اور اولاد ائمہ میں پیدا ہوئے تھے؟ سوال یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں یہ

اختلافات کیوں ہوئے؟ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو فہم و انصاف عطا فرمایا ہو تو مندرجہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بارہ اماموں کا تصور اور ہر امام کے بارے میں نص صریح کا دعویٰ محض ایک خود تراشیدہ کہانی ہے، جسے خود غرض لوگوں نے گھڑ کر ان بزرگوں سے اسے منسوب کر دیا ہے، اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ”عقیدہ امامت“ سے آشنا تھے اور نہ ان کی ذریات طہبات کو اس کی خبر تھی۔ یہ خود غرض لوگ خود ہی جس کو چاہتے تھے، امام بنا لیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے امامت سے برطرف کر دیتے تھے۔

دوم: آخری زمانے میں حضرت مہدی علیہ الرضوان کا پیدا ہونا برحق ہے۔ لیکن بھولے بھالے لوگوں کو ہمیشہ مہدی کے نام پر جتلانے فریب کیا گیا اور ان کو انجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا خوگر بنایا گیا۔ گزشتہ تفصیل سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ:

اولاً: مختار بن عبید ثقفی کذاب نے حضرت محمد بن حنفیہ کو مہدی آخری الزماں قرار دیا۔ اور ہزاروں شیعہ اس کے دام فریب کا شکار ہوئے۔

ثانیاً: حضرت زید شہید (شہادت ۱۲۳ھ) نے سب کے سامنے جام شہادت نوش فرمایا لیکن بے شمار لوگوں کو ان کے مہدی قائم ہونے کا یقین دلایا گیا کہ وہ دوبارہ آئیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے۔

ثالثاً: امام محمد نفس زکیۃ شہید (شہادت ۱۴۵ھ) کو ان کی شہادت کے باوجود مہدی قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ تشریف آوری کا یقین دلایا گیا۔

رابعاً: امام محمد باقرؑ کا سب کے سامنے انتقال ہوا، سب کے سامنے ان کی عکسین و تدفین ہوئی، لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے باوجود ان کو حی للہ موت سمجھا اور ان کے مہدی قائم ہونے کا دعویٰ کیا۔

خامساً: بہت سے لوگوں نے ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادقؑ کو (سب کے سامنے ان کی وفات ہو جانے کے باوجود) مہدی قائم سمجھا۔

سادساً: بہت سے لوگوں نے امام صادقؑ کے صاحب زادے امام اسماعیل کی نسل میں مہدی تلاش کیا۔

سابعاً: ایک گروہ نے امام صادقؑ کے دوسرے صاحب زادہ امام زکریا کو مہدی قائم تصور کیا۔

ہامناً: ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ (مرنے کے بلوجود) مرے نہیں، بلکہ روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

تاسعاً: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؑ کے بارے میں یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

عاشراً: ایک گروہ نے امام حسن عسکریؑ کی طرف ایک بے نام و نشان بیٹا منسوب کر کے دعویٰ کیا کہ یہ صاحبزادہ صاحب لوگوں سے نظریں بچا کر روپوش ہو گئے ہیں اور وہی مہدی قائم ہیں۔

الغرض اول سے آخر تک غور کرو، شیعوں کے یہاں مہدی کے بارے میں عجوبہ پسندی اور توہم پرستی کا عجیب طرفہ تماشا نظر آئے گا۔ گویا ہمیشہ سے ”امام غائب“ کا تصور قائم رہا اور شیعہ کے مزاج میں یہ بات پختہ تر ہوتی چلی گئی کہ ”امام غائب“ کے بارے میں خواہ کیسی ہی خلاف مشاہدہ اور خلاف عقل بات کسی جائے، وہ اس کو ماننے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ بارہویں امام کی غیبت کا افسانہ بھی اسی خلاف عقل و خلاف مشاہدہ توہم پرستی کی ایک مثال ہے۔

سوم: تاریخی شہادتیں یہ ہیں کہ امام حسن عسکریؑ لااولد فوت ہوئے، ان کی وراثت کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں گیا، عدالت نے ان کے وارثوں کی تحقیق و تفتیش کی اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا کوئی صاحب زادہ نہیں تو عدالت نے ان کی وراثت ان کی والدہ اور بھائی کے درمیان تقسیم کر دی۔ اصول کافی میں ہے:

فان الامر عندا السلطان، ان ابا محمد مینى ولم یخلف ولداً وقسم ميراثه

(اصول کافی..... صفحہ ۳۳۰، جلد ۱)

ترجمہ: ”جو چیز حکومت کو محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ لااولد فوت ہوئے اور اس بنا پر ان کی میراث ان کے وارثوں پر تقسیم کر دی گئی۔“

بہت سیدھی سی بات ہے کہ دو مردوں کی، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی عدالت میں پیش کر دی جلتی کہ امام حسن عسکریؑ لاولد فوت نہیں ہوئے، بلکہ ان کے صاحبزادے موجود ہیں تو عدالت کے لئے یہ فیصلہ ممکن نہ ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کے ”بے نام و نشان“ صاحبزادے موجود تھے، انہوں نے عدالت میں یہ شہادت کیوں پیش نہیں کی؟ کیا ان حضرات کو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بھی شہادت کے لئے نہیں مل سکیں؟ کیا یہ بات دنیا کے عجائبات میں سے نہیں ہے کہ تحقیقاتی عدالت میں امام حسن عسکریؑ کے بیٹے کا ثبوت پیش کرنے کے لئے دو آدمی بھی میسر نہیں آ سکے، لیکن دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ جس شخصیت کو یوم پیدائش سے غائب ہونے کے وقت تک عام نظروں نے دیکھا تک نہیں، اور جس کے وجود کی کوئی شہادت عدالت میں پیش نہیں کی جاسکی، وہی پوری دنیا پر قیامت تک کے لئے ”اللہ کی حجت“ ہیں۔ انصاف کیجئے کیا ”اللہ کی حجت“ اس طرح قائم ہوا کرتی ہے؟

یاد رہے کہ میں نے شیعوں کے ”امام غائب“ کے لئے ”بے نام و نشان صاحبزادے“ کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا ”اثنا عشری قانون“ میں ممنوع اور حرام ہے۔ بلکہ ان کا نام لینے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے: ”باب النہی عن الاسم“ یعنی امام حسن عسکریؑ کے صاحبزادے کا نام لینا ممنوع ہے۔ اس باب میں امام حسن عسکریؑ کے والد بزرگوار کا مرثیہ نقل کیا ہے کہ ان صاحبزادے کا نام لینا تمہارے لئے حلال نہیں۔ اور امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ ”ان صاحبزادہ کا جو شخص بھی نام لے گا، وہ کافر ہو جائے گا۔“

(لا یسمیہ باسمہ الا کافر)

ابو عبد اللہ الصالحی کہتے ہیں کہ ابو محمد (امام حسن عسکریؑ) کے گزرنے کے بعد بعض اصحاب نے مجھ سے اس صاحبزادے کا نام اور جگہ پوچھی (اور میں نے امام غائب کی بارگاہ میں ان کی یہ درخواست پیش کی) تو جواب ملا کہ اگر تم نام بتا دو گے تو لوگ اس کا راز فاش کر دیں گے اور اگر ان کو جگہ کا پتہ چل گیا تب تو لوگوں کو پورا پتہ ہی بتا دیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

۲۔ علی بن محمد، عن أبي عبد الله الصالحی قال: سألني أصحابنا بعد مضي أبي عبد الله أن أسأل عن الاسم والمكان، فخرج الجواب: إن دللتم على الاسم أذاعوه.

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ائمہ کی طرف سے ان صاحبزادے کو ”بے نام و نشان“ رکھنے کی پوری تاکید کی گئی تھی، ان کا نام لینے کو حرام بلکہ کفر فرمایا گیا تھا۔ لیکن عجائبات میں سے ہے کہ شیعہ مصنفین ائمہ کی تعلیم و تلقین کے علی الرغم امام حسن عسکری کی کنیت ”ابو محمد“ (محمد کا باپ) رکھ کر ان کے صاحبزادے کا نام لیتے ہیں۔ گناہ کی پروا نہیں کرتے۔ نہ ائمہ کے فتوائے کفر سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی میں بھی امام حسن عسکریؑ کو جگہ جگہ ”ابو محمد“ لکھا ہے۔

چہارم: ظہور مہدی کے مسئلہ میں ایک مشکل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ظہور مہدی کی ایک تاریخ مقرر کر دیتے، لیکن لوگ اس موقع پر کوئی نہ کوئی گڑبڑ کر دیتے، لاحالہ اللہ تعالیٰ کو تاریخ بدلنی پڑتی۔ جب چند بار ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر غیر معین عرصہ کے لئے ظہور مہدی کی نعمت لوگوں سے چھین لی، چنانچہ شیعہ روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا تھا۔ ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے، دوبارہ ان کے ظہور کا وقت ۱۴۰ھ مقرر کیا اب اماموں سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ بات اپنے مخلص شیعوں کو بتادی اور شیعوں نے خوش ہو کر اس راز کو فاش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اس کو غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ اصول کافی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ علی بن محمد وعبد بن الحسن، عن سهل بن زیاد، وعبد بن یحیی، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ جیعاً، عن الحسن بن محبوب، عن أبي حمزة الثمالی قال: سمعت أبا جعفر علیہ السلام یقول: یا ثابت إن الله تبارک وتعالی قد کان وقت هذا الأمر فی السبعین، فلما أن قتل الحسین صلوٰت الله علیه اشتد غضب الله تعالی علی أهل الأرض، فأختره إلى أربعین ومائة، فحدثناکم الحدیث فکشفتم قناع السر^(۱) ولم يجعل الله له بعد ذلك وقتاً عندنا ویمحوا الله ما یشاء، وثبت وعنده أم الكتاب. (اصول کافی، صفحہ ۳۶۸، جلد ۱)

ترجمہ: ”ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ اے ثابت! اللہ تعالیٰ نے ظہور مہدی کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا تھا جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا غضب اہل زمین پر سخت ہوا۔ پس اس نے اس امر کو ۱۴۰ھ تک مؤخر کر دیا۔ ہم نے تم کو بتا دیا

اور تم نے بات پھیلا دی، پردہ فاش کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔“

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں :

۱: شیعوں کے امام قائم (امام مہدی) کی تشریف آوری کسی اور کے حق میں رحمت ہو کہ نہ ہو، مگر شیعوں کے حق میں تو یقیناً رحمت ہی ہوگی۔ پھر نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے ان کی تشریف آوری کا طے شدہ وقت کیوں بدل دیا؟ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا ہوتا تو امام قائم کو ۷۰ھ کی جگہ ۶۱ھ میں بھیج کر حضرت حسین کا انتقام لینا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ قائم آل محمدؐ کے ظہور کو مزید ملتوی کر دیا جاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ کوفہ کے بے وفائے شیعوں نے خطوط کے بورے بھیج کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ طلب کیا اور جب حضرت امامؑ ان کی تحریک پر عازم کوفہ ہوئے تو انہوں نے طوطا چمش کا مظاہرہ کیا۔ اور امامؑ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اور وہ بے کسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کنبہ سمیت شہید ہو گئے۔ ایسے غدار، طوطا چشم اور بے وفائے شیعوں سے اللہ تعالیٰ عذاب خواہ ہو گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لائق نہ سمجھا کہ انہیں امام قائم کی نعمت سے سرفراز کیا جائے۔

۲: اللہ تعالیٰ کو امام قائم کے بارے میں دو مرتبہ ”بدا“ ہوا اور اس کو بھیجنے کا دوبار وعدہ کر کے اس کے خلاف کیا۔ حالانکہ وعدہ خلافی ایک ایسا عیب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عقلاً و شرعاً پاک ہے۔ قرآن مجید میں ”ان اللہ لا یخلف الیعداد“ کئی جگہ وارد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ نیز وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ شیعوں کا مذہب عجیب ہے کہ امام کو معصوم کہتے ہیں اور خدا کو جھوٹ میں ملوث کرتے ہیں۔ نفوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۳: پھر خدا کو کوئی ایسی مجبوری بھی نہیں تھی کہ خولیٰ نخلی اس کو وعدہ خلافی کرنا پڑتی۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اماموں کو ”قائم آل محمدؐ“ کے ظہور کا وقت نہ بتاتا، تاکہ وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرنا پڑتی، اور اگر وعدہ کر ہی لیا تھا تو شیعوں سے غصہ ہو کر اس کو مٹانا اس کے لطف کے خلاف تھا۔ اور لطف علی اللہ، امامیہ کے نزدیک، واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے واجب کا بھی لحاظ نہ رکھا۔

۳: اور جو وعدہ دو بار ٹلا جاچکا اس کا کیا اعتبار کہ وہ ضرور پورا ہی ہوگا۔ روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو منافی دیا۔ چنانچہ امامؑ نے جو آیت پڑھی اس کا یہی مطلب ہے اور اس وعدہ کو منادینے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گیلہ ہوئے امامؑ کو لاولد اٹھالیا اور امام قائم کا نام لینے کی بھی ممانعت فرمادی۔ تاکہ لوگ انتظار میں نہ رہیں۔ بہر حال یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ، منسوخ ہی کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ جب اکابر ائمہ کے شیعوں کی غداری و بے وفائی کا یہ عالم ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے سبط رسولؐ و جگر گوشہ بتولؑ کو شہید ہوتا دیکھتے ہیں اور اس سے مس نہیں ہوتے تو شرائقرون کے شیعوں کا کیا اعتبار؟ لہذا قرین مصلحت یہی ہے کہ ظہور مہدی کے قصہ کو ہمیشہ کے لئے ختم ہی کر دیا جائے۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ امام حسینؑ کی طرح امام مہدی بھی ان کی بے وفائی کا نشانہ بن جائیں۔ بہر حال اوپر کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آیت شریفہ (اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ظہور مہدی کو منسوخ ہی کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک نہیں آئے۔ اور میری پیش گوئی یاد رکھئے کہ شیعہ حضرات جس مظلوم شخصیت کو ”قائم آل محمدؑ“ کہتے ہیں وہ قیامت تک نہیں آئے گی۔ ہاں! اہل سنت کے مسئلہ امام مہدیؑ انشاء اللہ اپنے وقت پر تشریف لائیں گے۔

۵: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ عقیدہ کے مطابق ائمہ کو تو ”ماکان وما یکون“ کی ہر لحظہ خبر رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو۔ نعوذ باللہ۔ واقعات کی ترتیب بھی یاد نہیں رہتی اور واقعات کا قبل از وقوع علم بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ میں شہید ہوں گے اور ان کی شہادت کی وجہ سے ظہور قائم کا وقت بدلنا پڑے گا، یا اسے یہ معلوم ہوتا کہ ائمہ یہ راز اپنے شیعوں کے پاس اگل دیں گے اور شیعہ اس راز کو ساری دنیا میں مشہور کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ظہور قائم آل محمدؑ کا وقت ہی مقرر نہ کرتا۔ استغفر اللہ۔

۶: اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کی تجویز خدا اور رسول کی طرف سے نہیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قائم آل محمدؑ کا ظہور وقت ۷۰ھ یا ۱۴۰ھ مقرر

فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو گا کہ ۷۰ھ کا زمانہ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما (متوفی ۹۴ھ) کی امامت کا زمانہ ہے۔ اور ۱۴۰ھ امام جعفرؑ کی امامت کا دور ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی تجویز کے مطابق قائم آل محمدؐ کو ۷۰ھ میں یا ۱۴۰ھ میں بھیج دیتا تو بارہ اماموں کا سلسلہ دھرے کا دھارا رہ جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارہ اماموں کا سلسلہ منجانب اللہ نہیں، بلکہ لوگوں کی اپنی تصنیف ہے۔

پنجم: سلسلہ امامت میں ایک الجھن یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا تھا، لیکن قضا و قدر کے فیصلہ کے مطابق اس کی موت امام کے سامنے ہو جاتی۔ ناچار اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑتا اور اس کی جگہ دوسرے امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا۔ اس قسم کا حادثہ دو مرتبہ پیش آیا۔ پہلی مرتبہ حضرت امام جعفرؑ کے زمانے میں کہ ان کے بڑے صاحبزادے اسماعیل کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان صاحبزادہ کا انتقال امام جعفرؑ کی زندگی میں ہو گیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اور ان کی جگہ دوسرے صاحبزادے کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا۔

دوسری مرتبہ حضرت حسن عسکریؑ کے والد بزرگوار امام علی نقیؑ کے زمانے میں یہ حادثہ پیش آیا۔ پہلے ان کے بڑے صاحبزادے محمد کو امامت کے لئے نامزد کیا گیا تھا کہ ناگاہ ان کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا۔ ناچار ان کی جگہ دوسرے صاحب زادے امام حسن عسکریؑ کو امامت کے لئے نامزد کرنا پڑا۔ اصول کافی میں ہے:

۱۰۔ علی بن محمد، عن إسحاق بن محمد، عن أبي هاشم الجعفري قال: كنت عند أبي الحسن عليه السلام بعد ما مضى ابنه أبو جعفر وإني لأفكر في نفسي أريد أن أقول: كأنهما أعني أبا جعفر وأبا محمد في هذا الوقت كأبي الحسن موسى وإسماعيل ابني جعفر ابن محمد عليه السلام وإن قصتهما كقصتهما، إذ كان أبو محمد المرحلي بعد أبي جعفر عليه السلام فأقبل عليّ أبو الحسن قبل أن أنطق فقال: نعم يا أبا هاشم بدالله في أبي محمد بعد أبي جعفر عليه السلام (۱) ما لم يكن يعرف له، كما بداله في موسى بعد مضي إسماعيل ما كشف به عن حاله وهو كما حدثك نفسك وإن كره المبطلون، وأبو محمد ابني الخلف من بعدي، عنده علم ما يحتاج إليه ومعه آلة الامامة (۲)

(اصول کافی..... صفحہ ۳۲، جلد ۱)

ترجمہ: ”ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں امام ابو الحسن (علی نقی) کے پاس تھا، جب ان کے لڑکے ابو جعفر (محمد) کا انتقال ہوا۔ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت (امام علی نقی کے دونوں صاحب زادوں) ابو جعفر اور ابو محمد کا وہی قصہ ہوا جو امام جعفر کے دونوں بیٹوں موسیٰ اور اسماعیل کا ہوا تھا، کیونکہ (اسماعیل کے بجائے موسیٰ کو امام بنانا پر اسی طرح) اب ابو جعفر کے بجائے ابو محمد کو امام تجویز کیا گیا۔ امام ابو الحسن (علی نقی) میرے بولنے سے پہلے ہی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! اے ابو ہاشم! ابو جعفر کے فوت ہونے کے بعد اب ابو محمد کے بارے میں اللہ کی رائے وہ ہو گئی ہے جو پہلے اس کے لئے معروف نہیں تھی۔ جیسا کہ اسماعیل کے فوت ہونے کے بعد اللہ کی رائے موسیٰ کے بارے میں ہو گئی، جس کی وجہ سے اس کا محل کھل گیا۔ قصہ وہی ہے جیسا کہ تہمدے دل میں خیال آیا۔ خواہ باطل پرستوں کو تا گوار ہو، میرا بیٹا ابو محمد میرا جانشین ہوگا۔ اس کے پاس بقدر ضرورت علم بھی ہے اور آلات امامت بھی۔“

دوسری روایت میں ہے:

۷۔ خط: سعد عن أبي هاشم الجعفري قال: كنت عند أبي الحسن العسكري عليه السلام وقت وفاة ابنه: أبي جعفر، وقد كان أشار إليه ودل عليه، وإني لأفكر في نفسي: وأقول هذه قصة أبي إبراهيم وقصة إسماعيل فأقبل عليّ أبو الحسن عليه السلام وقال: نعم يا أبا هاشم هذا في أبي جعفر وصير مكانه أبا محمد كما بداله في إسماعيل بعد ما دل عليه أبو عبد الله عليه السلام ونصبه، وهو كما حدثك نفسك وإن كره المبطلون ما دل عليه الأئمة (بحار الانوار، صفحہ ۲۳۱، جلد ۵۰)

ترجمہ: ”امام علی نقی“ نے اپنے بیٹے ابو جعفر کو اپنے بعد امام بنایا تھا، اور لوگوں کو ان کی طرف رہنمائی کی تھی، لیکن ابو جعفر (کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو گیا، میں ان) کے انتقال کے وقت امام علی نقی کے پاس بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ تو وہی قصہ ہوا کہ پہلے اسماعیل کو امام بنایا گیا تھا، پھر اس کی جگہ موسیٰ کاظم کو امام بنایا گیا۔ امام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ہاں! ابو ہاشم! اللہ تعالیٰ کو ابو جعفر کے بارے میں بداہو گیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رائے بدل گئی اور ان کی جگہ ابو محمد کو امام بنا دیا۔ جیسا کہ اسماعیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی

رائے بدل گئی تھی حالانکہ امام صادقؑ نے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ بت وہی ہے جو تہمدے دل میں گزری، اگرچہ باطل پرستوں کو ناگوار ہو۔“

حضرات امامیہ بارگاہِ امامی میں یہ گستاخی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت امامؑ نے پہلے ایک صاحبزادے کے بدلے میں یہ توقع کی تھی کہ وہ ان کے بعد تک جیئں گے اس لئے ان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ لیکن قضا و قدر کے فیصلے کے تحت ان صاحبزادے کا انتقال والد کی زندگی میں ہو گیا تو مجبوراً حضرت امام کو اپنا دوسرا بیٹا نامزد کرنا پڑا۔

اگر ایسا گستاخانہ خیال کیا جاتا تو ایک تو امام کے منصوص من اللہ ہونے کے عقیدہ کی جڑ کٹ جاتی، دوسرے یہ لازم آتا کہ امام ”ماکان ولم یکن“ کے عالم نہیں ہوتے۔ تیسرے، امام کی طرف خطا کی نسبت لازم آتی، جبکہ امام ہر خطا سے معصوم ہوتے ہیں، اس لئے حضرات امامیہ کو یہ بات سہل نظر آئی کہ امام کے بجائے اس تبدیلی کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرایا جائے۔ نعوذ باللہ۔ لیکن اس میں یہ مشکل ضرور پیش آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امام کے نام کی ایک تختی بھی تو نازل کی گئی تھی، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھی، اور جس کا پورا متن اصول کافی صفحہ ۵۲، جلد ۱ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس تختی کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رائے کیسے بدل گئی؟ غالباً اس تختی کی دوبارہ تصحیح کی گئی ہوگی۔

ششم: سلسلہ امامت میں ایک مشکل یہ پیش آتی تھی کہ جس امام زادے کو امامت کے لئے نامزد کیا جاتا اس کے والد کا انتقال اس کی تبلیغی کے زمانے میں ہو جاتا، اس قسم کا حادثہ تین مرتبہ پیش آیا:

۱: پہلے گزر چکا ہے جب ۲۰۳ھ میں امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کا انتقال ہوا تو ان کے صاحب زادہ امام محمد بن علی (المعروف بہ ”امام جواد“) کی عمر سات آٹھ سال کی تھی، ان کی پیدائش ۱۹۵ھ میں ہوئی تھی۔

۲: پھر امام جوادؑ کا ۲۲۰ھ میں انتقال ہوا تو ان کے صاحبزادے امام علی نقی کی عمر چھ سال کی تھی، ان کی ولادت رجب ۲۱۴ھ کی ہے۔

۳: تدریجی شواہد کے خلاف حضرات امامیہ کا دعویٰ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات

(۲۶۰ھ) کے وقت ان کا ایک بے نام و نشان صاحبزادہ چار پانچ سال کا تھا جو ان کی وفات سے چند دن پہلے روپوش ہو گیا تھا۔ اب قیامت تک کے لئے وہی امام ہے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ بچہ مکلف نہیں۔ شریعت نے اس کو مرفوع العلم ٹھہرایا ہے اور دنیا کی کسی عدالت میں بچے کی شہادت معتبر نہیں۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر یہ سلسلہ امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی انتظام فرماتے کہ جب تک امام کا بیٹا بالغ نہ ہو جائے تب تک امام کو دنیا سے نہ اٹھایا جائے، تاکہ امام کا جانشین بالغ ہو، نابالغ بچہ نہ ہو۔ لیکن عقل و شرع کے خلاف حضرات امامیہ نابالغ بچوں کی امامت کے قائل ہیں۔ اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ بہر حال جب حضرات امامیہ کے بقول اللہ تعالیٰ کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ ایک شخص کو امام بنا کر اسے موت سے نہیں بچاتے، بلکہ دوسرے کو امام بنا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ۔ نابالغوں کو ساری دنیا کا امام بنانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تو بہت ممکن تھا کہ بارہویں امام کے بعد بھی خدا کی رائے بدل جاتی۔ اور امام کا انتقال نابالغی میں ہو جاتا تو بڑی پریشانی لاحق ہوتی کہ اس نابالغ کے بعد اب امامت کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے؟ اس لئے قرین مصلحت یہی تھا کہ امام کو غائب کر دیا جائے، اور اس کا زمانہ قیامت تک پھیلا دیا جائے تاکہ نہ کسی کو امام کے بارے میں کچھ خبر ہو، نہ لب کشائی کر سکے کہ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ اور نہ بارہویں امام کے بعد کسی اور امام کو تلاش کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے۔

ہفتم: امامت کا سلسلہ ۲۶۰ھ تک تو ظاہری طور پر چلتا رہا۔ ۲۶۰ھ کے بعد بارہویں امام روپوش ہو گئے۔ پہلے غیبت صغریٰ رہی، جس میں امام کے خصوصی سفیروں کو بارگاہ امامی میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۳۲۹ھ تک جاری رہا۔ بعد میں لوگوں کو خبر ہو گئی، حکومت کی طرف سے تحقیق و تفتیش شروع ہوئی تو ”غیبت کبریٰ“ کا اعلان کر دیا گیا۔ یعنی اب کوئی شخص امام الزماں سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے ”ایرانی انقلاب“ میں امام قائم الزماں کی ان دونوں غیبتوں کا بہت اچھا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس کو ان ہی کے الفاظ میں پڑھ لیا جائے:

”امام آخر الزماں کی غیبت صغریٰ اور کبر“

”اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ بدھویں امام صاحب الزماں (امام غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض ”ہاکمل“ شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتلایا اور پور کرایا کہ ”صاحب الزماں“ کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمدورفت ہے اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی لیجنٹ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا — ان میں آخری علی بن محمد سمیری تھے جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (امام غائب) تک پہنچانے کے لئے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیئے تحفے دیتے تھے اور یہ امام صاحب الزماں کی طرف سے ان کے جوابات لا کر دیتے تھے جن پر امام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کلر وبلڈ انتہائی رازداری سے ہوتا تھا۔

”رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے، یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چلاک لوگوں کا کلر وبلڈ تھا جو اپنے کو امام غائب کا سفیر بتلاتے تھے۔ لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضرات علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (امام غائب) کے ہتھاکر لوگوں کو دیئے، وہ امام معصوم کے ارشادات اور دینی حجت ہیں اور ان کی کتب حدیث و روایات میں اسی حیثیت سے جمع کئے گئے ہیں۔

ان کا اچھا خاصا ذخیرہ ”احتجاج طہری“ کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جناب ثمنی صاحب نے بھی اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں دینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص نظریئے ”ولایت فقیہ“ پر ان سے استدلال بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ”الحکومت الاسلامیہ“ صفحہ ۷۷، ۷۸) یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (ان کے عقیدہ کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا، ”غیبت صغریٰ“ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

”بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کلر وبلڈ جو انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اس کی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا

فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب ”غیبت صغریٰ“ کا دور ختم ہو کر ”غیبت کبریٰ“ کا دور شروع ہو گیا اور اب صاحب الزماں کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اب بس ان کے ظہور کا انتظار کیا جائے۔“ (ایرانی انقلاب..... صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷)

یہاں جو بات ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ امام کے غائب ہو جانے کے بعد اب حضرات امامیہ بھی امام کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا ہے۔ یعنی صحابہ کرامؓ کا زمانہ، ان کے بعد تابعین کا دور، ان کے بعد متبع تابعین کا دور۔ حضرات امامیہ نے خیر القرون کے زمانے میں تو امام کے وجود کو ضروری قرار دیا لیکن جب شر القرون کا دور شروع ہوا تو امام کو یکایک غائب کر دیا۔ اہل عقل کو غور کرنا چاہئے کہ اگر خیر القرون میں امام کا وجود ضروری تھا تو شر القرون میں اس سے زیادہ ضروری ہونا چاہئے تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خیر القرون میں تو اللہ تعالیٰ پے در پے امام بھیجتا چلا جائے۔ اور جو نبی خیر القرون کا دور ختم ہو، اور شر القرون کا دور شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ امام کو یکایک غائب کر دے اور دنیا امام کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے۔ سوچئے اور سو بار سوچئے کہ کیا یہ امامت کا ڈھونگ محض صدر اول کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے تو نہیں رچایا گیا؟

ہشتم: مسئلہ امامت میں حضرت علیؓ کے خاندان کی خانہ جنگیوں کا جو خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے اس کا ایک اور پہلو بھی لائق توجہ ہے۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی اولاد کی اکثریت ہمیں شیعوں کے عقیدہ امامت کی منکر نظر آتی ہے۔ چنانچہ:

۱: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام زین العابدینؓ کی امامت کا دور آیا تو ان کے چچا حضرت محمد بن حنفیہؓ نے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور وہ امام زین العابدینؓ کی امامت کے منکر ہوئے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الامامہ ”باب ما یفصل بہ بین دعویٰ المحقق والمبطل فی الامامة“ میں چچا سیدتیجیہ کا مناظرہ منقول ہے جس میں بالآخر حجر اسود سے فیصلہ طلب کیا گیا۔ (اصول کافی..... صفحہ ۳۴۸، جلد ۱۔ روایت نمبر ۵) لیکن اس فیصلے کے بعد بھی محمد بن حنفیہؓ کی امامت کا ڈھونگ بدستور بجا رہا۔

اور امام زین العابدینؑ کو کوئی نہ پوچھتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

۲: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پوری اولاد اثنا عشری عقیدہ امامت کی منکر تھی، چنانچہ عبداللہ بن حسن المحض امام باقر اور امام جعفر کی امامت کے منکر تھے۔ اور وہ اپنے بیٹے ”محمد نفس زکیہ“ کے حق میں ان سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اصول کافی کے باب مذکور روایت نمبر ۱۷ اور نمبر ۱۹ میں مذکور ہے۔

(دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۳۶۶-۳۸۵، جلد ۱)

۳: امام زین العابدینؑ کے بعد جب امام باقر کا دور آیا تو ان کے بھائی حضرت زید بن علیؑ نے، جو ”زید شہید“ کے لقب سے معروف ہیں، امام باقرؑ کی امامت سے انکار کیا اور خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا، جیسا کہ اصول کافی کے اسی باب کی روایت نمبر ۱۶ میں ان کا منظرہ امام باقرؑ کے ساتھ منقول ہے (دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۳۵۶) نیز اصول کافی کتاب الامتہ ”باب الاضطراب الى الحجة“ کی روایت نمبر ۵ میں ہشام احول کے ساتھ ان کا منظرہ منقول ہے۔ (دیکھئے اصول کافی..... صفحہ ۱۷۳، جلد ۱)

۴: امام جعفر صادقؑ کے پانچ فرزند تھے۔ محمد، اسماعیل، عبداللہ افطح موسیٰ، علی۔ ان پانچوں نے اپنی اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور شیعوں کے علیحدہ علیحدہ فرقے بنے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بہر حال امام جعفرؑ کی اولاد میں موسیٰ کاظم کی امامت کا کوئی بھی قائل نہ تھا بلکہ امام صادقؑ نے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کا تو خود اعلان بھی فرمایا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بدا ہو گیا اور اس کی رائے بدل گئی اور غریب اسماعیل کی امامت حرف غلط کی طرح مٹا دی گئی۔

۵: اسی طرح ہر امام کے دور امامت میں اس کے بھائی بھتیجے اور دیگر اقداب اس کی امامت کے منکر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر ان کی اور ان کے بیٹے ”بے نام ممدی“ کی امامت کے بھی منکر تھے۔ اسی بنا پر شیعہ ان کو ”جعفر کذاب“ کے مقدس لقب سے یاد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر امام کی امامت کو (سوائے اس کے اہل خانہ کے اور دو چار شیعوں کے) خاندان سادات میں سے بھی کسی نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ

معدودے چند افراد کے سوا دھائی صدیوں میں تمام سادات اور پورا خاندان نبوت مسئلہ امامت کا منکر تھا۔

اب منکرین امامت کے بارے میں شیعوں کا فتویٰ سنئے!
میں مسئلہ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ امامیہ کے نزدیک امامت کا منکر کافر اور باری ہے۔ یہاں اصول کافی کی دو روایتیں مزید پڑھ لیجئے۔

۲۔ محمد بن یحییٰ، عن عبد اللہ بن محمد بن عیسیٰ، عن علی بن الحکم، عن ابان عن الفضیل، عن ابي عبد اللہ علیہ السلام قال: من ادعی الإمامة ولیس من أهلها فهو کافر.
(اصول کافی صفحہ ۷۲، ۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”فضیل کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ جس شخص نے امامت

کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہیں تھا، وہ کافر ہے۔“

۳۔ الحسن بن محمد، عن معلى بن محمد، عن محمد بن جهور، عن عبد اللہ بن عبد الرحمن، عن الحسن بن المختار قال: قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام: جعلت فداک و یوم القيامة ترى الذین کذبوا علی الله؟ قال: کلّ من زعم أنه إمام و لیس بإمام، قلت: وإن کان فاطمياً علویاً؟ قال: وإن کان فاطمياً علویاً.
(اصول کافی صفحہ ۷۲، ۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”حسین بن محمد کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ اس

آیت کا مصداق کون ہے: ”اور تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں

نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ان کے منہ کالے ہوں گے“؟ امام نے فرمایا،

کہ آیت کا مصداق ہر وہ شخص ہے کہ جس نے امامت کا دعویٰ کیا، حالانکہ وہ

امام نہیں۔ میں نے کہا: خواہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد میں سے

ہو؟ فرمایا: خواہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی اولاد ہو۔“

گویا شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی وہ تمام اولاد جو شیعوں کے خود ساختہ عقیدہ امامت کی منکر تھی، وہ کافر ہے اور قیامت کے دن ان کے منہ کالے ہوں گے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک منکرین امامت حرامزادے ہیں۔

کلینی نے روضہ کافی کی روایت نمبر ۴۳۱ میں امام باقرؑ کی ”حدیث“ نقل کی ہے:

۴۳۱۔ علیؑ بن محمد، عن علی بن العباس، عن الحسن بن عبدالرحمن، عن عاصم بن حمید، عن اُمی حمزہ، عن اُمی جعفرؑ قال:
واللہ بأباحزۃ ان الناس کلہم اولاد بغایاما خلا شیعۃ،
(روضہ کفلی..... ۲۸۵)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! اے ابو حمزہ! لوگ سب کے سب بدکار عورتوں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے۔“

علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں ایک باب کا عنوان ہے:
”ان حبہم علیہم السلام علامۃ طیب الولادۃ۔
وبغضہم علامۃ خبث الولادۃ“

ترجمہ: ”ان سے محبت رکھنا ولادت کے پاک ہونے کی علامت ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا ولادت کے ناپاک ہونے کی علامت ہے۔“

اس باب میں ۳۱ روایتیں ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ شیعوں کا نسب صحیح ہے اور جو لوگ امامت کے منکر ہیں ان کا نسب ناپاک ہے۔

اس سے شیعوں کی اہل بیت سے محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مسئلہ امامت کی بنا پر تمام صحابہؓ کو تو (سوائے دو چار کے) کافر و ظالم کہتے ہی تھے لیکن اس نظریے کی وجہ سے اماموں کی اولاد کو بھی۔ نعوذ باللہ۔ ولد الحرام قرار دیتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ذرا بھی عقل نصیب فرمائی ہو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شیعہ اہل بیت کے کتنے بڑے دشمن ہیں۔

امام مہدیؑ کے بارے میں اسلامی تصور
آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”ہمیں یقین ہے کہ کتب اسلامی پر وسیع اطلاع رکھنے والا کوئی شخص
”بارہویں امام“ (امام مہدی) کے اسلامی تصور کا انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ
بت سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اب عقلی
صورت ان کے موجود ہونے کے ساتھ ان کی غیبت کی جس کی سمجھ میں جو

تعبیر آئی لکھ دی گئی، مگر صرف اتنا ہی واجب ہے کہ وہ ہیں اور بس۔“
امام مہدی علیہ الرضوان کے اسلامی تصور کا انکار کون کرتا ہے؟ لیکن شیعوں

کے امام غائب کو مہدی کے اسلامی تصور کا مصداق سمجھنا آنجناب کی خوش فہمی یا مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ اسلام جس مہدی کے آنے کا قائل ہے اس کی چند صفات یہ ہیں:

۱: اس کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا۔ (ابوداؤد..... صفحہ ۵۸۸) جبکہ شیعوں کے مہدی کا نام لینا ہی کفر ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں اور شیعہ اس ”بے نام“ بچے کے باپ کا نام حسن عسکری بتاتے ہیں۔ پس شیعوں کے مہدی کا نام اور ولدیت امام مہدی کے نام اور ولدیت سے مختلف ہے۔

۲: امام محمد بن عبد اللہ المہدی، محسنی سید ہوں گے۔ (ابوداؤد..... صفحہ ۵۸۹) جبکہ شیعوں کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل منصب امامت ہی سے معزول ہے۔

۳: امام مہدی کی عمر شریف ان کے ظہور کے وقت چالیس برس کی ہوگی۔ (الحاوی للفتاویٰ..... صفحہ ۶۶، جلد ۲) جبکہ شیعوں کے دعویٰ کے مطابق بے نام مہدی کی خفیہ پیدائش ۲۵۵ھ میں ہوئی تھی، گویا (۱۱۵۷) کی عمر تو ان کی آج کی تاریخ سے ہے۔ اور علامہ خمینی کے بقول ابھی ہزاروں سال اور بھی گزر سکتے ہیں۔

الغرض جب اسلام کے مہدی سے اس بے نام بچے کا نام و نسب بھی نہیں ملتا تو ان کو مہدی کہہ کر خوش ہونا ایسا ہی ہے جیسے مرزائی، مرزا غلام احمد بن غلام مرتضیٰ کو ”مہدی“ کہہ کر خوش ہوا کرتے ہیں۔ اور مرزا کے منکر کو ”مہدی کا منکر“ کہتے ہیں۔

رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ:

”ہست سے علمائے اہل سنت بھی ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔“

مجھے معلوم نہیں کہ کون علمائے اہل سنت اس کے قائل ہیں؟ ایسا نہ ہو کسی بزرگ نے حضرات امامیہ کا قول نقل کیا ہو اور آپ نے اس کا اپنا قول سمجھ لیا ہو، بہر حال جس ”بے نام“ مہدی کا آپ نام لے رہے ہیں اس کی کبھی پیدائش نہیں ہوئی۔ زندہ ہونے کا کیا سوال؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”و اگر کے فرقہ خود را عقائے لقب کند و امامت عنقاء قائل شوند بکدام وجه ابطال مذہب ایشان توان نمود۔“ (تحفہ اثنا عشریہ..... صفحہ ۱۲۳)

ترجمہ: ”اور اگر کچھ لوگ اپنے فرقہ کا نام ”عقائے“ رکھ لیں اور ”عنقاء“ کی امامت کے قائل ہو جائیں (جس کا کوئی نام و نشان ہی نہیں) تو ان کے مذہب کے ابطال کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔“

گیارہویں بحث : عقیدہ امامت پر تقیہ کا شامیانہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں :

”صفحہ ۲۲ پر آپ نے (راقم الحروف نے) جس تقیہ کا شامیانہ شیعوں کے سر پر تانا ہے اس میں آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔ یہ اتنا غیر اہم معاملہ ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ان صفحات میں نہیں۔“

مؤدبانہ گزارش ہے کہ یہ ناکارہ شامیانہ کہاں سے لاتا؟ اور شیعوں کے سر پر تاننے کی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟ یہ شامیانہ تو خود اکابر شیعہ نے امامت اور ائمہ پر تانا ہے، چنانچہ شیخ الطائفہ کی ”تمذیب“ اور ”الاستبصار“ اٹھا کر دیکھ لیجئے، ہر دوسرے تیسرے صفحہ پر ”محمول علی التقیۃ“ کے الفاظ ملیں گے۔

رہا یہ کہ یہ معاملہ اہم ہے یا غیر اہم؟ غالباً جناب نے اصول کافی کتاب الکفر والایمان میں باب التقیۃ کو ملاحظہ نہیں فرمایا، ورنہ آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا۔ مثلاً امام صادقؑ کا یہ ارشاد :

۲۔ ابن ابي عمير ، عن هشام بن سالم ، عن ابي عمر الاعجمي قال : قال لي ابو عبد الله عليه السلام : يا ابا عمر ان تسعة أعشار الدين في التقيۃ ولا دين لمن لا تقيۃ له و التقيۃ في كل شيء ، إلا في النبيذ و المسح على الخفين ^(۱) .

اصول کافی صفحہ ۲۱ جلد ۲

ترجمہ : ”اے ابو عمر! دین کے کل دس حصے ہیں، ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔ اور ہر چیز میں تقیہ ہے سوائے نمیز کے اور مسح علی الخفین کے۔“

اس حدیث سے جہاں تقیہ کی اہمیت واضح ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی ہر بات میں تقیہ ہے۔ تقیہ کے طور پر اسلام کی بات کفر اور کفر کی بات کو اسلام کہنا درست ہے۔ البتہ دو چیزوں میں تقیہ نہیں۔ مگر الاستبصار صفحہ ۷۶، جلد ۱ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے موزوں پر مسح کیا تھا اور امام باقرؑ نے فرمایا کہ تقیہ کے طور پر مسح علی الخفین جائز ہے۔ لہذا ان دونوں باتوں میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ گویا امام نے جو فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں تقیہ نہیں، یہ بھی تقیہ یعنی جھوٹ تھا۔ اور مثلاً امام ابو جعفرؑ کا یہ ارشاد:

۱۲۔ عنه، عن أحمد بن محمد، عن معمر بن خلاد قال: سألت أبا الحسن عليه السلام عن القيام للولاء، فقال: قال أبو جعفر عليه السلام: التقية من ديني ودين آبائي ولا إيمان لمن لا تقية له. (اصول کافی صفحہ ۲۱۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔“

ان دونوں احادیث سے ”تقیہ“ کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ صرف مباح و مستحب نہیں، بلکہ نماز روزہ کی طرح فرض ہے۔ اور فرض بھی ایسا کہ ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ کیونکہ دین کے نو حصے تہا تقیہ میں ہیں اور دین کے باقی تمام ارکان مل کر تقیہ کے مقابلے میں دین کے دسویں حصہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کا تارک دین کا تارک اور بے دین ہے۔ آنجناب کا اس کو ”غیر اہم“ چیز کہنا ائمہ معصومین کے ارشاد سے انحراف اور ایک طرح سے ائمہ معصومین کی تکذیب ہے۔

الغرض شیعہ مذہب میں تقیہ اتنی بڑی اور ایسی مقدس عبادت ہے کہ دین کے تمام ارکان نماز، روزہ، حج، قربانی، جہاد وغیرہ وغیرہ ”عبادت تقیہ“ کے مقابلہ میں عشر عمیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صفحت کی تنگ دامانی اس پر طویل بحث کی اجازت نہیں دیتی۔ تاہم تقیہ کی تشریح و تفسیر اور مواقع تقیہ کی توضیح کے لئے ائمہ معصومین کی چند احادیث نقل کرتا ہوں:

پہلی حدیث:

۳۔ عده من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن عثمان بن عيسى، عن سماعة، عن أبي بصير قال: قال أبو عبد الله عليه السلام: التقية من دين الله. قلت: من

دین اللہ؟ قال: إني والله من دين الله ولقد قال يوسف: «أينها العير إنكم لسارقون، والله ما كانوا سرقوا شيئاً ولقد قال إبراهيم: «إني سقيم، والله ما كان سقيماً»
(اصول کافی باب التقيہ ۲۱۷، جلد ۲)

ترجمہ: ”ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کے دین میں سے ہے۔ میں نے کہا، اللہ کے دین میں سے؟ فرمایا، ہاں! اللہ کی قسم! اللہ کے دین میں سے ہے۔ بے شک یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اے قاف والو! تم چور ہو“ واللہ! انہوں نے کچھ نہیں چرایا تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ”میں بیلر ہوں“ واللہ! وہ ہرگز بیلر نہ تھے۔“

اس حدیث سے تقیہ کا مفہوم معلوم ہوا کہ محض بر بنائے مصلحت جھوٹ بول دینا تقیہ ہے۔ کیونکہ امام کے بقول برادران یوسف نے کچھ نہیں چرایا تھا، لیکن یوسف علیہ السلام نے ان کو چور کہا، جو صریح جھوٹ ہے، اور اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بیلر ہوں، حالانکہ امام کے بقول وہ قطعاً بیلر نہ تھے۔ یہ بھی صریح جھوٹ تھا، اسی کا نام تقیہ ہے۔ اور یہ امام کے بقول دین کے دس حصوں میں سے نو حصوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیث سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی۔ وہ یہ کہ تقیہ کے لئے اضطراب شرط نہیں۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ ان لوگوں کو چور کہا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جان و مال کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے بطور تقیہ اپنے کو بیلر کہا۔ یہ مضمون دوسری حدیث میں امام سے صراحتاً بھی منقول ہے۔

دوسری حدیث:

اصول کافی باب التقيہ میں ہے:

۱۳۔ علي بن إبراهيم، عن أبيه، عن حماد، عن ربعي، عن زرارة، عن أبي جعفر (عليه السلام) قال: التقيّة في كل ضرورة و صاحبها أعلم بها حين تنزل به.

(اصول کافی صفحہ ۲۱۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”زارہ امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور جس کو ضرورت لاحق ہو وہی اس کو بہتر جانتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے کوئی ضابطہ مقرر نہیں، بلکہ صاحب ضرورت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں ”تقیہ“ اور ”کتمان“ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کتمان کے معنی اپنے دین کو چھپانے کے ہیں۔ چونکہ شیعہ مذہب اس لائق نہیں کہ اس کو ظاہر کیا جائے اس لئے امام نے اس مذہب کے چھپانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اصول کافی میں ”باب التقیہ“ کے بعد ”باب الکتمان“ ہے، اس کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے:

تیسری حدیث:

۲۔ علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر، عن یونس بن عمار، عن سلیمان ابن خالد قال: قال أبو عبد اللہ علیہ السلام: یا سلیمان! إنکم علی دین من کتمہ أعزہ اللہ ومن أذاعہ أذلہ اللہ. (اصول کافی..... صفحہ ۲۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”سلیمان بن خالد امام صادق کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیں گے اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کریں گے۔“

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب لائق ستر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب، اسلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اظہار کا تو حکم فرمایا ہے، اور خود اس کے اظہار کا وعدہ فرمایا ہے۔ ”لیظہرہ علی الدین کلہ“ اس کے برعکس شیعہ مذہب کے اظہار کی من جانب اللہ ممانعت ہے۔ اس کے چھپانے پر عزت کا اور اس کے اظہار پر ذلت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ الغرض کتمان کے معنی تو ہیں اپنے دین کو چھپانا اور تقیہ کے معنی اپنے مذہب کے خلاف کرنا یا کتمان۔

چوتھی حدیث :

اصول کافی میں ہے :

۱۔ عددۃ من أصحابنا ، عن أحد بن محمد بن عیسی ، عن علی بن الحکم ، عن معاویة ابن وهب ، عن سعيد السمان قال : كنت عند أبي عبد الله عليه السلام إذ دخل عليه رجلان من الزيدية فقالا له : أفيكم إمام مفترض الطاعة ؟ قال : فقال : لا ^(۱) قال : فقالا له : قد أخبرنا عنك النعمان أنك تعني و تقر و تقول به ^(۲) ونسميهم لك ، فلان وفلان ، وهم أصحاب ورع و تشمیر ^(۳) وهم ممن لا يكذب ^(۴) فغضب أبو عبد الله عليه السلام فقال : ما أمرتهم بهذا فلما رأيا الغضب في وجهه خر جا .

(اصول کافی صفحہ ۲۳۱ ، جلد ۱۔ روایت نمبر ۱)

ترجمہ : ”سعيد سمان کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کے پاس تھا، اتنے میں زید یہ فرتے کے دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعتہ موجود ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ کہنے لگے، ہمیں آپ کے بارے میں لائق اعتماد ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ اس کا فتویٰ دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں، اور ہم آپ کے سامنے ان لوگوں کا نام لئے دیتے ہیں، وہ فلاں اور فلاں آدمی ہیں، بڑے تقویٰ و طہارت کے مالک ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ امام صادقؑ ان کی بات سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا۔ پس جب انہوں نے امام کے چہرے پر غیظ و غضب دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے۔“

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوں گی :

اول : یہ کہ زید یہ فرتے کے لوگوں سے امام کو جان و مال کا خوف نہیں تھا اس کے باوجود ان سے تقیہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہم میں کوئی ”امام“ نہیں۔ معلوم ہوا کہ تقیہ کے لئے جان و مال کے خوف کی کوئی شرط نہیں۔

دوم : یہ کہ حضرات امامیہ کے نزدیک انکار امامت کفر ہے، مگر امام نے تقیہ کی بنا پر اس کفر کے ارتکاب سے دریغ نہیں فرمایا۔

سوم : یہ کہ ائمہ نے کسی کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہیں دی، لوگوں نے خواہ مخواہ بے پرکی ازادی۔

پانچویں حدیث :

اصول کلنی کتب العلم ”باب اختلاف الحدیث“ میں ہے :

۵۔ - أحمد بن إدریس ، عن محمد بن عبد الجبار ، عن الحسن بن علی ، عن ثعلبة بن میمون ، عن زرارة بن أعین ، عن أبي جعفر عليه السلام قال : سألت عن مسألة فأجابني ثم جاء رجل فسأله عنها فأجابته بخلاف ما أجباني ، ثم جاء رجل آخر فأجابته بخلاف ما أجباني وأجاب صاحبي ، فلهذا خرج الرجلان قلت : يا ابن رسول الله رجلان من أهل العراق من شيعتكم قدما يسألان فأجبت كل واحد منهما بما يغير ما أجبته به صاحبه ؟ فقال : يا زرارة ! إن هذا خير لنا وأبقى لنا ولكم ولو اجتمعنا على أمر واحد لصدفكم الناس علينا ولكن أقل لبائنا وبقائكم .

قال : ثم قلت لأبي عبد الله عليه السلام : شيعتكم لو حملتموهم على الأئمة أو على النار ^(۱) لمضوا وهم يخرجون من عندكم مختلفين ! قال : فأجابني بمثل جواب أبيه .
(اصول کلنی صفحہ ۶۵، جلد ۱۔ روایت نمبر ۵)

ترجمہ : ”جب زرارہ امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا، امام نے مجھے ایک جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کو دوسرا جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا، اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا، اس کو آپ نے ہم دونوں سے مختلف جواب دیا۔ وہ دونوں صاحب چلے گئے تو میں نے امام سے عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے! اہل عراق کے یہ دونوں آدمی تمہارے قدیم شیعوں میں سے ہیں، آپ نے ان دونوں کے سوال کا مختلف جواب دیا۔ امام نے فرمایا، زرارہ! بے شک ہمارے لئے یہی بہتر ہے اور اسی میں ہمدی اور تمہاری ہمدی بٹا ہے۔ اگر تم لوگ کسی ایک چیز پر متفق ہو جاؤ تو لوگ ہمدے ہمدے میں تمہیں سچا سمجھنے لگیں گے اس سے ہمدی اور تمہاری ہمدی بٹا کم ہو جائے گی۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا کہ آپ کے شیعوں کو اتنے بچے ہیں کہ اگر ان کو نیزوں پر بٹک دیا جائے یا آگ میں جھونک دیا جائے تب بھی

وہ کر گزریں گے۔ اس کے بلوجود وہ آپ حضرات (ائمہ) کے یہاں سے نکلے ہیں تو بھارت بھارت کی بولیاں بولتے ہیں۔ اس پر امام صادقؑ نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو ان کے والد ماجد امام باقرؑ نے دیا تھا، (کہ ہم قصداً شیعوں میں اختلاف ڈالتے ہیں تاکہ وہ کسی بات پر متفق نہ ہوں)۔

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ائمہ، صحیح مسئلہ بتانے کے پابند نہیں تھے بلکہ غلط مسلط مسئلے بیان کرنے کی بھی ان کو اجازت تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ، تقیہ کی ایسی پابندی اور ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ اپنے خاص راز داروں سے بھی تقیہ فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اپنے اصحاب کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا بڑا اہتمام رہتا تھا۔ اور ان کی یہ کوشش رہا کرتی تھی کہ ان کے شیعہ کسی بات پر متفق نہ ہو جائیں۔ خدا نخواستہ اگر وہ کسی ایک بات پر بھی متفق ہو گئے تو ائمہ کی خیر نہیں، نہ ان کے شیعوں کی۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کے زمانے میں لوگ شیعوں کو جھوٹا سمجھا کرتے تھے اور ائمہ کو بھی اس کا اہتمام رہتا تھا کہ لوگ ان کے شیعوں کو جھوٹا ہی سمجھا کریں، خدا نخواستہ کسی دن لوگوں نے شیعوں کو سچا سمجھ لیا تو بس یوں سمجھو کہ قیامت آگئی۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ شیعہ مذہب کی بقا اور نشوونما کا راز تقیہ میں مضمر تھا۔ اگر شیعہ مذہب کے چہرہ پر تقیہ کی سیلہ نقاب نہ ڈالی جاتی تو امام کے بقول شیعہ مذہب کی بقا ممکن ہی نہیں تھی۔ امام ابلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے الفاظ میں:

”اگر تقیہ کا سلسلہ نہ ہو تو مذہب شیعہ کا ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا قطعاً ناممکن ہو جائے۔ مذہب شیعہ کو تقیہ کے ساتھ ہی نسبت ہے جو ریل گاڑی کو تار برقی کے ساتھ ہے۔ اگر تار کاٹ دیئے جائیں تو ریل گاڑی ایک قدم نہیں چل سکتی۔“ (یازدہ نجوم صفحہ ۹۸)

چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ائمہ کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی کہ تقیہ کی بدولت سچ اور جھوٹ رل مل جائے گا، حق و باطل گڈمڈ ہو جائے گا اور دین خداوندی (جو شیعوں کے نزدیک صرف ائمہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے) مشتبہ ہو کر رہ جائے گا اور ائمہ پر وہی فتویٰ لوٹ پڑے گا جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں دیا تھا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

مَنْ بَعْدَ مَا بَيَّنَّهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ
وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥٩﴾
(البقرہ..... ۱۵۹، ترجمہ شیخ الہند)

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے آدرا صاف حکم اور
ہدایت کی باتیں، بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب
میں، ان پر لعنت کرتا ہے اللہ، اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے
والے۔“

تقیہ کے ہولناک نتائج

ائمہ کے تقیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بیان کردہ مسائل میں شدید اختلاف وتضاد
پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ائمہ کے زمانے میں ائمہ کے اصحاب کے درمیان ایسے
ہولناک اختلافات پیدا ہوئے کہ ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھنے اور ایک دوسرے
کی تذلیل و تفسیق اور مقاطعہ تک نوبت آئی، اور بعد کے علماء و مجتہدین شیعہ میں بھی
اختلافات پیدا ہوئے، اصول میں بھی اور فروع میں بھی۔ الغرض ائمہ کے تقیہ کی بنا پر شیعہ
مذہب عجیب تضادات کا ملغوبہ اور شدید تدلیس و تلبیس کا مرقع بن کر رہ گیا۔ اور یہ
معلوم کر لینا قریباً ناممکن ہو گیا کہ ائمہ کی مختلف روایات کی روشنی میں کون سا مسئلہ قطعی طور
پر حق و صواب ہے اور کون سا قطعی باطل اور غلط؟

یہاں ان امور پر مفصل گفتگو کی گنجائش نہیں، امام البنت حضرت مولانا
عبد الشکور لکھنویؒ نے شیعہ مذہب کے دو سو مسائل پر رسائل لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ان
دو سو مسائل میں سے دوسرا مسئلہ تقیہ تھا۔ جس پر حضرتؒ نے ”الثانی من المعاتین“
کے عنوان سے تین رسائل قلمبند فرمائے جو ”یازدہ نجوم“ کے ضمن میں چھپ چکے
ہیں۔ طلبہ کو مشورہ دوں گا کہ ان رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔ البتہ افادۂ عام کے لئے
دوسرے نمبر کا آخری حصہ اور تیسرے نمبر کا ابتدائی حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ اس میں
اس مسئلہ کا پورا خلاصہ آگیا ہے:

دوسرے نمبر کے آخر میں لکھتے ہیں:

”یہ ایک ہلکا سا نمونہ شیعوں کے ائمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ

اندازہ تقیہ کے مواقع کا ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات ابھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تقیہ کے لئے نہ ہرگز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے، نہ کسی اور ضرورت کی، بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقع پر تقیہ کیا ہے، موافقین سے بھی، مخالفین سے بھی، دنیاوی امور میں بھی اور دینی مسائل میں فتویٰ دینے میں بھی، عقائد کے متعلق بھی اور اعمال کے متعلق بھی۔ کتب شیعہ خاص کر کلنی، استبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے عمدہ لطائف تقیہ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔

ائمہ شیعہ کی ان اختلاف بیانیوں یا تقیہ پروازوں کے سبب سے ان کے اصحاب میں مذہبی اختلاف بکثرت پیدا ہوئے اور اصحاب کے بعد علماء اور ائمہ مجتہدین میں وقتی اختلاف رونما ہوئے اور یہ اختلافات صرف اعمل میں نہیں، بلکہ عقائد میں، اور عقائد میں بھی جو مسئلہ مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ مہتمم باشان ہے جس کو ان کے عقائد کا کل سرسبد کہنا چاہئے یعنی مسئلہ امامت اس میں بھی اختلاف ہوا۔ ائمہ کے بعض اصحاب ائمہ کو معصوم کہتے تھے، اور بعض لوگ مثل اہل سنت کے ان کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے اور ان کو علمائے نیکو کہ جانتے تھے۔ علامہ بقر مجلسی کتب ”حق الیقین“ کے صفحہ ۱۶۹ پر لکھتے ہیں:

”از احادیث ظاہری شود کہ جمیع از راویان کہ در اعصار ائمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعیان اعتقاد بہ عصمت ایشان نہ داشتہ اند، بلکہ ایشان را علمائے نیکو کہ میدانستہ اند، چنانکہ از راجل کشی ظاہر میشود، ومع ذلک ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشان می کردند“

ترجمہ: ”احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ راویوں کی ایک جماعت جو ائمہ علیہم السلام کی ہم عصر تھی، ائمہ کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہ رکھتی تھی بلکہ ائمہ کو نیکو کار عالم جانتی تھی، چنانچہ راجل کشی سے معلوم ہوتا ہے۔ اور باوجود اس کے ائمہ علیہم السلام نے ان کے مومن بلکہ عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔“

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ ائمہ نے اپنی امامت اور عصمت کا انکار بھی کیا ہے اب چاہے یہ انکار واقعی ہو یا ازراہ تقیہ۔

اصحاب ائمہ کا اختلاف اعمال میں اس حد کو پہنچا کہ علمائے شیعہ کو بادل تاخواتہ اقرار کرنا پڑا کہ ان کا اختلاف لیل سنت کے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے باہمی اختلاف سے بدرجہا زائد ہے، چنانچہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب اپنی کتب اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ، عمد شمس ص ۹۱ پر لکھتے ہیں

وقد ذكرت ما ورد منهم من الأحادیث المختلفة

التي يختص الفقه في الكتاب المعروف بالاستبصار وفي كتاب تهذيب الأحكام ما يزيد على خمسة آلاف حديث، وذكرت في أكثرها اختلاف الطائفة في العمل بها، وذلك أشهر من أن يخفى حتى إنك لو تأملت اختلافهم في هذه الأحكام وجدته يزيد على اختلاف أبي حنيفة والشافعي ومالك، ووجدتهم مع هذا الاختلاف العظيم لم يقطع أحد منهم موالاة صاحبه ولم ينته إلى تضليله وتفسيره والبراءة من مخالفه.

(اساس الاصول، ص: ۹۱)۔

ترجمہ: ”ائمہ سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے متعلق منقول ہیں وہ کتب مشہورہ متصلہ اور تہذیب الاحکام میں پانچ ہزار احادیث سے زائد بیان کی گئی ہیں، اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے اختلاف عمل کا بھی ذکر ہے (یعنی کسی عالم شیعہ نے کسی حدیث پر عمل کیا اور کسی نے کسی پر) یہ بات بہت مشہور ہے چھپ نہیں سکتی، یہاں تک کہ اگر تم ان کے اختلاف کو ان احکام میں غور سے دیکھو تو ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف سے زائد پاؤ گے۔ اور یہ بھی دیکھو گے کہ بلوچو اس عظیم اختلاف کے ایک دوسرے سے ترک موالات نہیں کرتا، ایک دوسرے کو گمراہ اور فاسق نہیں کہتا اور اپنے مخالف سے بیزاری نہیں ظاہر کرتا۔“

اپنے مجتہد اعظم کی اس عہدیت کو شیعہ غور سے دیکھیں جو بعض اوقات نواقض

کو یہ کہہ کر بھگاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اربعہ میں دیکھو ایسا اختلاف ہے، کیونکر یہ جادۂ حق پر ہو سکتے ہیں؟

”هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين“
(یازدہ نجوم ص ۱۳۸ تا ص ۱۵۰)
اور تیسرے نمبر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

حامداً و مصلياً و مسلماً

”البعداً واضح ہو کہ ”الثانی من الماتین“ کا یہ تیسرا نمبر ہے جس میں انشاء اللہ تعالیٰ تقیہ کے نتائج بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بیان کو ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

پہلے دونوں نمبروں میں حسب ذیل امور شیعوں کی اعلیٰ ترین معتبر کتابوں سے ثابت کئے جا چکے ہیں۔

۱: تقیہ کے معنی خلاف واقع کے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا (جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں) یا کوئی کام کرنا۔

ف: تقیہ اور نفاق بالکل ایک چیز ہے اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں بڑا فرق بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تقیہ دین کے چھپانے اور بے دینی ظاہر کرنے کا نام ہے، اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے، لیکن یہ فرق شیعوں کی ایک اصطلاح کی بنیاد پر ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک اپنی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دینی کی ہیں، اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ یقیناً دینی ہیں۔ لہذا اس کے نفاق ہونے میں کچھ شک نہیں۔

۲: تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، دین کے ۱۰ میں سے ۹ حصے تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔

۳: ائمہ و انبیاء کا بلکہ خدا کا دین تقیہ کرنا ہے۔

۴: تقیہ کے لئے نہ خوف جان وغیرہ کی شرط ہے، نہ اور کسی معذوری و مجبوری کی تحدید ہے۔ بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے، اور ضرورت کی تشخیص خود صاحب ضرورت کی رائے پر متحول ہے۔

۵: ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے اور اعمل میں بھی، تقیہ میں اپنے امام معصوم ہونے کا بھی انکار کیا ہے، فرائض بھی ترک کئے ہیں، فعل حرام کا بھی اارتکاب کیا ہے، جھوٹے فتوے دیئے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، ظالموں بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور

تقریف بھی انتہائی مبالغہ کے ساتھ۔

۶: ائمہ اپنے مخلص شیعوں کو ازراہ تقیہ غلط مسائل بتا دیا کرتے تھے، اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے تم کو فلاں نقصان سے بچانے کے لئے ایسا کیا، یا اس لئے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچانہ سمجھیں گے، اور اسی میں ہمارے اور تمہارے لئے خیریت ہے۔

۷: ائمہ اعلیٰ ہمیشہ عقائد و اعمال میں اپنے کو اہل سنت و الجماعت ظاہر کرتے تھے، اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہب اہل سنت و الجماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے، مذہب شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعوں نے نقل کی ہیں ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوت میں تنہائی میں ہم سے بیان فرمائی تھیں۔

۸: بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً ان فروعی اجتہادی اعمال میں جن میں خود اہل سنت کے مجتہدین باہم مختلف ہیں، ایسے فروعی اعمال میں جس شخص کا جی چاہے، وہ پہلو اختیار کرے کسی قسم کے خطہ کا احتمال نہیں، مگر ائمہ نے ایسے مواقع میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا اور اس کے خلاف عمل کیا۔ یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ دونوں نمبروں میں ثابت ہو چکی ہیں ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

۹: ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے، اور خود امامان شیعہ اقرار کر چکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کر لینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے آیا تقیہ کے باعث ہے یا کسی اور وجہ سے، طاقت انسانی سے بالاتر ہے۔

مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

الأحادیث الماثورة عن الأئمة مختلفة جدا،

لا یکاد یوجد حدیث الاوفی مقابلته ما ینافیہ، ولا

یتفق خبرا لا وبازائہ ما یضادہ، حتی صار ذلک سببا

لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق، کما صرح بہ

شیخ الطائفة فی أوائل التهذیب والاستبصار، ومناشی

هذا الاختلاف كثيرة جدا من التقیة والوضع واشتباه

السامع والنسخ والتخصيص والتقييد وغير هذه المذكورات من الأمور الكثيرة، كما وقع التصريح على أكثرها في الأخبار الماثورة عنهم، وامتنياز المناشى بعضها عن بعض في باب كل حديثين مختلفين بحيث يحصل العلم واليقين بتعيين المنشاء عسير جدا وفوق الطاقة كما لا يخفى . (اساس الاصول ص ۵۱)

ترجمہ : ”جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں بہت سخت اختلاف ہے، ایسی کوئی حدیث نہ ملے گی جس کے مقابل میں اس کی مخالف خبر نہ ہو، یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے لئے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا، جیسا کہ شیخ الطائفہ نے تہذیب اور استبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں، مثلاً تفسیر، اور وضعی حدیثوں کا بتایا جانا، اور سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا، اور منسوخ یا مخصوص ہو جانا یا مقید ہو جانا، اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں، چنانچہ ان میں سے اکثر امور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے۔ اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے، اس طور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہو جائے، بہت دشوار اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔“

۱۰: ائمہ کے اصحاب نے ائمہ سے نہ اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا، نہ فروع دین کو۔ غلامہ شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول مطبوعہ ایران صفحہ ۸۶ میں لکھتے ہیں :

ثم إن ما ذكره من تمكن أصحاب الأئمة من أخذ الأصول والفروع بطريق اليقين دعوى ممنوعة واضحة المنع، وأقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والأثر من اختلاف أصحابهم صلوات الله عليهم في الأصول

لہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانے میں بھی احکام شرعیہ منسوخ ہوئے ہیں۔ ائمہ کو اختیار کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کر دیں، اس سے زیادہ ختم نبوت کا انکار اور کیا ہو گا؟ منہ

والفروع، ولذا شكى غير واحد من أصحاب الأئمة إليهم
اختلاف أصحابه، فأجابوهم تارة بأنهم قد القوا
الاختلاف حقنا لدمائهم، كما فى رواية حريز ووزارة
وأبى أيوب الجزار، وأخرى أجابوهم بأن ذلك من جهة
الكذابين كما فى رواية الفيض بن المختار قال: قلت
لأبى عبد الله جعلنى الله فداك ما هذا الاختلاف الذى
بين شيعتكم؟ قال: وأى اختلاف يا فيض؟ فقلت له:
إنى أجلس فى حلقهم بالكوفة وأكاد أشك فى اختلافهم
فى حديثهم حتى أرجع إلى الفضل بن عمر فيوقفنى من
ذلك على ما تستريح به نفسى، فقال عليه السلام: أجل!
كما ذكرت يا فيض، أن الناس قد أولعوا بالكذب
علينا كان الله افترض عليهم ولا يريد منهم غيره، أنى
أحدث أحدهم بحديث فلا يخرج من عندى حتى يتأوله
على غير تأويله، وذلك لأنهم لا يطلبون بحديثنا وبحسبنا
ما عند الله تعالى، وكل يجب أن يدعى رأساً - وقريب
منها رواية داود بن سرحان، واستثناء القميين كثيراً من
رجال نوادر الحكمة معروف، وقصة ابن أبى العوجاء أنه
قال عند قتله: قد دسست فى كتبكم أربعة آلاف حديث
مذكورة فى الرجال، وكذا ما ذكره يونس بن عبد
الرحمن من أنه أخذ أحاديث كثيرة، من أصحاب
الصادقين ثم عرضها على أبى الحسن الرضا عليه السلام

فأنكر منها أحاديث كثيرة إلى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره. (فرائد الاصول مطبوعه ايران ص ۸۶)

ترجمہ: ”پھر یہ جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے، یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں، کم از کم اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی گئی اور اثر سے معلوم ہوئی کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم کے اصحاب اصول و فروع میں باہم مختلف تھے، اور اسی سبب سے بہت سے لوگوں نے ائمہ سے شکایت کی کہ آپ کے اصحاب میں اختلاف بہت ہے تو ائمہ نے ان کو کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف ان میں خود ہم نے ڈالا ہے، ان کی جان بچانے کے لئے، جیسا کہ حریر اور زرارہ اور ابو ایوب جزاری کی روایتوں میں ہے۔ اور کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف جھوٹ بولنے والوں کے سبب سے پیدا ہو گیا ہے، جیسا کہ فیض بن محمد کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق سے کہا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے، یہ کیسا اختلاف ہے جو آپ کے شیعہ کا آپس میں ہے؟ امام نے فرمایا کہ اے فیض! کون سا اختلاف؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوفہ میں ان کے حلقہ درس میں بیٹھتا ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف کی وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک میں پڑ جاؤں، یہاں تک کہ میں فضل بن عمر کی طرف رجوع کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات بتلا دیتے ہیں جس سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ امام نے فرمایا کہ ”اے فیض! یہ بات سچ ہے، لوگوں نے ہم پر افتراء پر دازی بہت کی، گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ بولنا فرض کر دیا ہے اور ان سے سوا جھوٹ بولنے کے اور کچھ نہیں چاہتا، میں ان میں سے ایک سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف شروع کر دیتا ہے، یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی نعمت نہیں چاہتے، بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار بن جائے۔“ اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے، اور اہل قم کا ”نوادر الحکمۃ“ کے بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے۔ اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت کہا کہ میں نے ہمدانی کتبوں میں چار ہزار حدیثیں بنا

کر درج کر دی ہیں لیکن اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبدالرحمن نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں ائمہ کے اصحاب سے حاصل کیں، پھر ان کو امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی ولیدار علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات تاحی کہ اصحاب ائمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا، چنانچہ اسباب الاصول صفحہ ۱۲۴ میں لکھتے ہیں:

لا نسلم أنهم كانوا مكلفين بتحصيل القطع واليقين
كما يظهر من سجية أصحاب الأئمة، بل أنهم كانوا
مأمورين بأخذ الأحكام من الثقة ومن غيرهم أيضا مع
قيام قرينة تفيد الظن، كما عرفت مرارا بأنحاء مختلفة،
كيف ولو لم يكن الأمر كذلك لزم أن يكون أصحاب أبي
جعفر والصادق الذين أخذ يونس كتبهم وسمع أحاديثهم
مثلا هالكين مستوجبين النار، وهكذا حال جميع أصحاب
الأئمة، فإنهم كانوا مختلفين في كثير من المسائل الجزئية
الفرعية، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره وقد
عرفته، ولم يكن أحد منهم قاطعا لما يرويه الآخر في
متمسكه، كما يظهر أيضا من كتاب العدة وغيره،
ولنذكر في هذا المقام رواية رواها محمد بن يعقوب
الكليني في الكافي فإنها مفيدة لما نحن بصددہ ونرجو من
الله أن يطمئن بها قلوب المؤمنين يحصل لهم الجزم

لے امام شیعہ سے یہ بھی صاف تصریح کی ہے کہ ان جعلی روایتوں کا ہماری کتابوں سے نکال دیا جائے۔ (دیکھو توضیح المقال، صفحہ ۴)۔ منہ

بحقیۃ ما ذکرنا فنقول: قال ثقة الإسلام فی الکافی:
 علی ابن ابراہیم عن السری بن الریبع قال لم یکن ابن
 أبی عمیر یعدل بہشام بن الحکم شیئا وكان لا یغب
 إتیانہ، ثم انقطع عنه وخالفہ، وكان سبب ذلك إن أبا مالک
 الحضرمی كان أحد رجال ہشام، وقع بینہ وبين ابن أبی
 عمیر ملاحاة فی شئ من الإمامة، قال ابن أبی عمیر
 الدنیا کلہا للإمام علی جهة الملك وإنہ أولى بها من الذین
 ہی فی أیدیہم، وقال أبو مالک: لیس كذلك أُملاک
 الناس لہم إلا ما حکم اللہ بہ للإمام الفیء والخمس والمغنم
 فذلك لہ، وذلك أيضا قد بین اللہ للإمام أن یضعہ وكيف
 یصنع بہ، فتراضیا بہشام بن الحکم وصارا إلیہ، فحکم
 ہشام لأبی مالک علی ابن أبی عمیر، فغضب ابن أبی
 عمیر وہجر ہشاما بعد ذلك۔ فانظروا یا أولى الألباب
 واعتبروا یا أولى الأبصار، فإن ہذہ الأشخاص الثلاثة
 کلہم كانوا من ثقات أصحابنا، وكانوا من أصحاب
 الصادق والکاظم والرضا علیہم السلام، کیف وقع النزاع
 بینہم حتی وقعت المہاجرة فیما بینہم مع کونہم متمکنین
 من تحصیل العلم والیقین عن جناب الأئمة۔ (اساس الاصول ص ۱۳۷)
 ترجمہ: ”ہم نہیں مانتے کہ اصحاب ائمہ پر لازم تھا کہ یقین حاصل کریں،
 چنانچہ ائمہ کی روش سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ اصحاب ائمہ کو حکم تھا کہ
 احکام دین معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کر لیا کریں، بشرطیکہ
 کوئی قرینہ مفید ظن موجود ہو۔ جیسا کہ بارہا تم کو مختلف طریقوں سے معلوم
 ہو چکا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام باقر اور امام صادق کے

اصحاب، جن کی کتابوں کو یونس نے لے لیا اور ان کی حدیثوں کو سنا، ہلاک ہونے والے اور مستحق دوزخ ہوں۔ اور یہی حال تمام اصحاب ائمہ کا ہوگا، کیونکہ وہ بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف تھے، چنانچہ کتاب العدة وغیرہ سے ظاہر ہے، اور تم اس کو معلوم کر چکے ہو اور ان میں سے کوئی شخص اپنے مخالف کی روایت کی تکذیب نہ کرتا تھا، جیسا کہ کتاب العدة وغیرہ سے ظاہر ہے۔ اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر کیا ہے۔ وہ روایت ہمارے مقصود کیلئے مفید ہے، اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس روایت سے ایمان والوں کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوگا، اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے حق ہونے کا یقین ان کو ہو جائے گا۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ فقہ الاسلام نے کافی میں بیان کیا ہے کہ ”علی بن ابراہیم نے شریح بن ربیع سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی عمیر ہشام بن حکم کی بہت عزت کرتے تھے، ان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، اور بلاتنادہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ پھر ان سے قطع تعلق کر لیا اور ان کے مخالف ہو گئے۔ اور اس کا سبب یہ ہوا کہ ابو ملک حضری جو ہشام کے راویوں میں سے ایک شخص ہیں، ان کے اور ابن ابی عمیر کے درمیان مسئلہ امامت کے متعلق کچھ بحث ہو گئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ دنیا سب کی سب امام کی ملک ہے، اور امام کو تمام اشیاء میں تعریف کا حق ان لوگوں سے زیادہ ہے جن کے قبضہ میں وہ اشیاء ہیں۔ ابو ملک کہتے تھے کہ لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں، امام کو صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے مقرر کیا ہے، یعنی فی اور نفس اور غنیمت، اور اس کے متعلق بھی اللہ نے امام کو بتا دیا ہے کہ کہیں کہیں صرف کرنا چاہئے اور کس طرح صرف کرنا چاہئے، آخر ان دونوں نے ہشام بن حکم کو بیچ بنایا اور دونوں ان کے پاس گئے، ہشام نے (اپنے شاگرد) ابو ملک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ کیا، اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آ گیا، اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع تعلق کر دیا۔“ پس اے صاحبان عقل دیکھو اور اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو! یہ تینوں اشخاص ہمارے معتبر اصحاب میں سے ہیں، اور

اے اہل حضرت! ہوش کی باتیں کیجئے! رسول اللہ کے اصحاب دوزخ میں نہ گئے تو باقر و صادق کس شمار میں ہیں؟

امام صادق، امام کاظم اور امام رضا کے اصحاب میں سے ہیں، ان میں باہم کسی طرح جھگڑا ہوا یہاں تک کہ باہم قطع تعلق ہو گیا، باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب ائمہ سے (اپنی نزاع کا فیصلہ کرا کر) علم و یقین حاصل کر لیتے۔“

”ان دونوں عبارتوں کے چند قابل قدر فوائد حسب ذیل ہیں :

ف: اصحاب ائمہ پر باوجود قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالباً مذہب شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائے گی، کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ باوجود قدرت کے علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا؟

”اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلافات کا کیا جواب دیں؟ امام زندہ موجود ہیں، لوگوں کی آمد و رفت ان کے پاس جلدی ہے، مگر ان کے اصحاب مسائل دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں، نوبت ترک کلام و سلام تک آجاتی ہے، کوئی امام سے جا کر اس مسئلہ کا تصفیہ نہیں کرتا، بلکہ امام کو چھوڑ کر اسی غیرے بیخ بنائے جاتے ہیں۔ لہذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اصحاب ائمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کر دیا جائے۔“

”ف: ائمہ کے اصحاب بلا واسطہ امام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ثقہ غیر ثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا اس سے احکام دین سیکھ لیتے تھے، اور ان کے لئے اس کا حکم بھی تھا۔“

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ امام معصوم زندہ موجود ہیں، لوگ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، مگر اصحاب امام اس طرف رخ بھی نہیں کرتے، اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے علم دین حاصل کر لیتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھی کوئی شیعہ ایسی مثال دکھلا سکتا ہے کہ انہوں نے باوجود قدرت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علم دین حاصل کیا ہو اور وہ بھی فاسق و فاجر سے؟

”شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا نہ کہیں تو اصحاب ائمہ کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر اصحاب ائمہ کے جمیع علوم کا ائمہ سے مانوڑ ہونا تسلیم کر لیں تو پھر یہ عقدہ الائنل ہو گا کہ ائمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اختلاف کیوں تھا؟

۳: ایک نفیس بات

”اصحاب ائمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی، اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی، اور آخری نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ تمام عمر کیلئے آپس میں سلام و کلام ترک ہو جاتا تھا، تین تین اماموں کی صحبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسئلہ کا تصفیہ نہ ہوتا تھا، نہ آپس میں صلح ہوتی تھی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا، لائق عبرت بات یہ ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ کسی ایک کی طرف ہو کر دوسرے کو برا نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا بیٹکڑیلنے میں اپنی ساری طاقت ختم کر دی ہے، اور ایک فریق کا طرفدار بن کر دوسرے کو برا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنے خاندان سلاۃ کی صحبت کی وقعت ہے، مگر رسولؐ کی صحبت کی کچھ بھی عزت نہیں، کیا ایمان اسی کا نام ہے؟

۴: دوسری نفیس بات

”استغفر اللہ! مولوی دلدار علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئے گا کہ امام باقر و امام صادق کے اصحاب بیکار اور دوزخی ہو جائیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام باقر و امام صادق کے اصحاب کا دوزخی ہونا ایسا امر محل ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کر سکتے۔ مگر سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا دوزخی ہونا محل کیا معنی؟ مستبعد بھی نہیں، بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ اے اہل اسلام! خدا کیلئے انصاف کرو کہ کیا ایمان و اسلام کا تقاضا یہی ہے؟ مقام عبرت ہے کہ علم و یقین کے تحصیل کا باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا کیسی خلاف عقل بات ہے، جس کا نتیجہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ائمہ کا وجود ہی عبث اور بیکار ہو جائے، مگر شیعوں نے اپنے خاندان سلاۃ کے اصحاب کے دوزخی مان لینے کے مقابلہ میں اس خلاف عقل بات کو کس طرح قبول کر لیا ہے۔“ ”فاعتبروا یا اولی الابصار“

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

صحابہ کرامؓ کے بارے میں آنجناب نے دو جگہ گفتگو فرمائی ہے۔ پہلی جگہ آپ نے میرے تمہیدی نکات پر بحث کرتے ہوئے ”اتباع صحابہؓ“ پر تنقید کی ہے اور دوسری جگہ صحابہؓ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اہل تشیع کے آٹھ نکات ذکر کئے ہیں، اس لئے اس باب کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ پہلے حصہ میں ”اتباع صحابہؓ“ کے بارے میں آنجناب کی تنقیدات کا جائزہ لوں گا۔ اور دوسرے حصہ میں آپ کے آٹھ نکاتی نظریات پر تبصرہ کروں گا۔ واللہ الموفق۔

بحث اول: اتباع صحابہؓ

تمہیدی نکات کا خلاصہ

”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کی تمہید میں اس ناکارہ نے مسائل کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ ”صراط مستقیم“ کی تشخیص و تعیین کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک آیت شریفہ اور چند ارشادات نبویہؐ سے استدلال کرتے ہوئے ان کی روشنی میں سات نکاتی نتیجہ اخذ کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا:

”خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، جس پر صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدینؓ چلے اور جس کی پیروی ہمیشہ سلف صالحینؓ اور اولیاء امتؓ کرتے آئے۔ اس ایک راستے کے سوا باقی سب شیطان کے ابتجاو کئے ہوئے راستے ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کسی راستے کی دعوت دیتے ہیں وہ شیطان کے لجنٹ بلکہ مجسم شیطان ہیں، جو شخص خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان گنہ گاریوں پر نکل

پڑے گا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کسی اندھیرے غلہ میں کسی اڑھکے منہ میں جائے گا یا کسی لقی و دق صحرائیں بھٹک کر کسی بھیڑیے کا ترنوالہ بن کر رہ جائے گا....." (صفحہ ۱۸، حصہ اول)

آنجناب اس ناکارہ کے تمہیدی نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علمائے اہل سنت کے نزدیک احترام صحابہؓ تو ضروری ہے، لیکن ان کی خطاؤں کے پیش نظر اور گناہوں کی پاداش میں محدود ہونے کے باعث، نیز اپنے اجتادات میں متفاوت ہونے کے باعث من حیث القوم ان کی اتباع کا حکم مطلق نہیں دیا جاسکتا۔ امام ابن حزم نے اپنی کتب الاحکام جلد ۶ میں "اصحابی کالنجوم....." کی تحقیق میں جو باتیں لکھی ہیں آپ یقیناً ان سے بے خبر نہ ہوں گے....."

محترم! حافظ ابن حزمؒ کی ان عبارات کا تعلق تقلید صحابی کے مسئلہ سے ہے، جبکہ اس ناکارہ کے تمہیدی نکات میں تقلید صحابی کا مسئلہ زیر بحث نہیں، بلکہ جو چیز زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ نظریاتی اختلاف کے طوفان بلاخیز میں، صراط مستقیم کی تعیین و تشخیص کیسے کی جائے؟ اس ناکارہ نے محولہ بالا آیت و احادیث کی روشنی میں صراط مستقیم کی وہ تشخیص کی جو اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اس میں کسی صحابی کی تقلید کا مسئلہ جیسا کہ واضح ہے۔ سرے سے زیر بحث ہی نہیں آیا۔ جس صورت میں کہ حافظ ابن حزمؒ کی یہ عبارتیں، جن کے نقل کرنے کی آپ نے زحمت فرمائی ہے، میرے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہی نہیں تو غیر متعلق عبارتوں کو نقل کر کے میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے اس ناکارہ پر کیا تنقید فرمائی اور اس کی کس غلطی کی اصلاح فرمائی؟

حافظ ابن حزمؒ اور صراط مستقیم:

آپ اطمینان رکھیں کہ جو مسئلہ اس ناکارہ کے زیر بحث ہے، یعنی صراط مستقیم کیا ہے؟ اور اس پر چلنے والے اہل حق کون ہیں؟ اس مسئلہ میں حافظ ابن حزمؒ میرے مخالف نہیں، بلکہ میرے ہم نوا ہیں چنانچہ وہ اپنی کتب "الفصل فی الحلل والاھواء والنحل" میں لکھتے ہیں:

وأهل السنة الذين نذكرهم أهل الحق ومن عداهم

فأهل البدعة. فإنهم الصحابة رضى الله عنهم وكل من
سلك نهجهم من خيار التابعين رحمة الله عليهم. ثم
أصحاب الحديث ومن اتبعهم من الفقهاء جيلا فجيلا إلى
يومنا هذا ومن اقتدى بهم من العوام فى شرق الأرض

وغربها رحمة الله عليهم (کتاب الفضل صفحہ ۱۱۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”اور اہل السنۃ، جن کو ہم بیان کریں گے، وہی اہل حق ہیں اور
ان کے سوا جتنے میں سب اہل بدعت ہیں۔ چنانچہ اہل حق وہ صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین کرام رحمۃ اللہ
علیہم ہیں۔ پھر اصحاب حدیث اور ان کے متبعین فقہاء ہیں جو طبقہ در طبقہ
ہمہرے زمانے تک پہنچے ہیں اور مشرق و مغرب کے وہ عوام جنہوں نے ان
حضرات کی اقتداء و پیروی کی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔“

آپ حافظ ابن حزمؒ کی اس عہدت کو اس ناکارہ کی مندرجہ بالا عہدت سے ملا کر
پڑھیں آپ کو دونوں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ الحمد للہ کہ:
”متفق گردید رائے بوعلی با رائے من“

صراط مستقیم صحابہؓ کا راستہ ہے، اس کے مزید دلائل:

الغرض اصل گفتگو تو اس میں تھی کہ صراط مستقیم وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے بتایا اور جس پر حضرات صحابہؓ قائم تھے۔ اور ان کے بعد حضرات اکابر تابعینؓ،
ائمہ مجتہدینؓ اور اولیاء امت طبقہ در طبقہ اس پر گامزن رہے۔ اس مسئلہ کے ثبوت میں
جو آیت اور احادیث اپنے رسالہ ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں نقل کر چکا ہوں
ایک منصف کے لئے تو وہ بھی کافی و شافی ہیں۔ تاہم جناب کے مزید اطمینان کے لئے چند
آیات و احادیث مزید پیش کرتا ہوں:

پہلی آیت:

حق تعالیٰ شانہ نے سورۃ فاتحہ میں ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم فرمائی

ہے: اٰھدنا الصراط المستقیم اور ”صراط مستقیم“ کی تعیین و تشخیص کے لئے فرمایا:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحہ).

ترجمہ: ”راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔“ (ترجمہ... شیخ الند)

اور سورۃ النساء آیت ۶۹ میں (ان حضرات کے، جن پر انعام ہوا) چار گروہ ذکر فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾

(النساء: ۶۹، ۷۰).

ترجمہ: ”اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔“ (ترجمہ... شیخ الند)

معلوم ہوا کہ یہ چار گروہ بارگاہ الہی کے انعام یافتہ ہیں۔ اور ان کا راستہ ”صراط مستقیم“ ہے، جس کی درخواست سورۃ فاتحہ میں کی گئی ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نبی نہیں، لیکن صدیقین، شہداء اور صالحین کا اولیں مصداق ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیے:

«وعن أنس بن مالك رضى الله عنه أن رسول الله

ﷺ صعد أحدا، وأبو بكر وعمر وعثمان، فرجف بهم،

فقال: أثبت أحد، أراه ضربه برجله، فإذا عليك نبى

وصديق وشهيدان» (بخاری، أبو داود، الترمذی).

ترجمہ: ”حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (مدینہ کے مشہور پہاڑ) احد پر چڑھے تو وہ ملنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک اس پر مارا اور فرمایا: اے احد! تھم جا، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔“ (بخاری)

«وعن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان على جبل حراء فتحرك فقال رسول الله ﷺ اسكن حراء فما عليك إلا نبى أو صديق أو شهيد وعنه النبى ﷺ وأبو بكر وعمر وعثمان وعلى وطلحة والزبير وسعد بن أبي وقاص» (صحیح مسلم، ص: ۲۸۲، ج: ۲)۔

ترجمہ: ”اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ ملنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا، تجھ پر تو صرف نبی، صدیق اور شہید تشریف فرما ہیں۔“

«وعن سهل بن سعد رضى الله عنه أن أحدا أرتج وعليه رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر وعثمان فقال رسول الله ﷺ اثبت أحد فما عليك إلا نبى أو صديق أو شهيدان»، قال الهيثمى رواه أبو يعلى ورجاله رجال

الصحيح، (مجمع الزوائد، ص: ۵۵، ج: ۹)۔

ترجمہ: ”حضرت سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) احد تھر تھرانے لگا۔ اس وقت اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تشریف فرما تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے احد! تھم جا، تجھ پر تو ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید تشریف فرما

ہیں۔ ”امام ہشتمیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو یعلیٰؒ نے روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

«عن بريدة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ كان جالسا على حراء ومعه أبو بكر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله ﷺ اثبت حراء فإنه ليس عليك إلا نبى أو صديق أو شهيد»، (مجمع الزوائد، ص: ۵۰ ج: ۱۰)۔

ترجمہ: ”حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تشریف فرما تھے۔ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تشریف فرما تھے۔ پہاڑ جلتے لگا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! تھم جا، تجھ پر نبی، صديق اور دو شہید تشریف فرما ہیں۔“

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم، نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے راستے کا نام ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت علی حسب مراتب مؤخر الذکر تین جماعتوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے بعض اکابر صدیقین کی صف میں شامل ہیں۔ بعض شہداء کی جماعت کے سرگروہ ہیں اور باقی دیگر حضرات صالحین کی جماعت کے امام ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدیق ہونا اور حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا شہید ہونا نص سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا راستہ ”صراط مستقیم“ ہے جس کو مانگنے کی ہر نماز کی ہر رکعت میں اہل ایمان کو تلقین کی گئی ہے۔ اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ما انا علیہ واصحابی“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی ”وہ طریقہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ“۔

ان دونوں آیتوں سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ علیہم الرضوان کا راستہ۔ ”ما انا علیہ واصحابی“ صراط مستقیم ہے، وہاں دو فائدے اور بھی حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ کسی مسلمان کی نماز۔ جو ام العبادات ہے صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ وہ نہایت اخلاص و خشوع اور غایت محبت کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے کی دعا مانگے۔ الحمد للہ، کہ کل سنت الذین انعمت علیہم کی رلو پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں کو قیامت میں ”الذین انعم اللہ علیہم“ کی رفاقت و معیت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور اس رفاقت و معیت پر ”حسن اولئک رفیقاً“ کی مہر تحسین ثبت کی گئی ہے۔ واللہ الحمد کہ اس خوشخبری کا مصداق بھی اہل سنت ہیں، جو ان حضرات سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ان کی معیت و رفاقت کے حصول کی حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

دوسری آیت :

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ .

(سورۃ یوسف : ۱۰۸)

ترجمہ : ”کہہ دے یہ میری رلو ہے بلا تاہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں۔“

اس کے ساتھ درج ذیل آیت شریفہ بھی ملا لیجئے :

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَأَنتَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ﴾ .

(شوری : ۵۲-۵۳)

ترجمہ: ”اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنی طرف سے،
تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان۔ لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس
سے راہ بھادیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں اور بے شک تو جھٹاتا ہے
سیدھی راہ۔ راہ اللہ کی، اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔
سنتا ہے، اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔“

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین
داعی الی اللہ تھے اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”صراط
مستقیم“ کے داعی تھے۔ یہی صراط اللہ (اللہ کا راستہ) ہے اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا راستہ ہے۔

دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ (جو
آپ کے قریب تھے) وہ نہ صرف صراط مستقیم پر قائم تھے، بلکہ صراط مستقیم کے داعی بھی
تھے۔

تیسری آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَتَذَكَّرُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ
وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ
فِي الثَّوْرَةِ وَمِثْلَهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ
فَاسْتَمْلَأَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوْفِهِ يَعْجِبُ الزَّرَّاعُ لِيَغِيظَ بِهِمُ
الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً
وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

(سورہ فتح ۲۹)

ترجمہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ
کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو
دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل

اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر مجہد کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

”قال علی بن ابراهیم القمی فی تفسیرہ: وحدثنی اُبی عن ابن اُبی عمیر عن حماد عن حریر عن اُبی عبد اللہ قال هذه الآیة یعنی آیة البقرة ۶: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذَرْتُمْ أَمْ لَمْ تُنذَرُوا لَا يُؤْمِنُونَ﴾ نزلت فی الیہود والنصارى يقول الله تبارك وتعالى: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ (یعنی التوراة والإنجیل) يعرفونه (یعنی رسول اللہ ﷺ) كما يعرفون أبناءهم ﴿لَأنَّ الله عز وجل قد أنزل عليهم فی التوراة والزبور والإنجیل صفة محمد ﷺ وصفة أصحابه ومبعثه وهجرته وهو قوله: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ هذه صفة رسول الله ﷺ وأصحابه فی التوراة والإنجیل فلما بعثه الله عرفه أهل الكتاب كما قال جل جلاله: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾“

(تفسیر قمی..... صفحہ ۳۲-۳۳، جلد ۱)

ترجمہ: ”مشہور شیعہ عالم علی بن ابراہیم قمی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ ”مجھ سے میرے والد نے بواسطہ ابن ابی عمیر بیان کیا اور انہوں نے حماد سے اور حماد نے بواسطہ حریر ابو عبد اللہ جعفر سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت (یعنی سورہ بقرہ کی آیت ۶ جس کا ترجمہ ہے، ”بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے“) یسود و نصاریٰ کے بدلے میں نازل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے، ”جن لوگوں کو ہم نے کتب دی، یعنی تورات و انجیل وہ ان کو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔“ کیونکہ اللہ عز و جل نے تورات، زبور اور انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی صفات اور آپ کی جائے بعثت اور جائے ہجرت کو نازل فرما دیا تھا۔ اور وہ (صفات یہ) ہیں: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی عجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے ائمہ بوجہ تاثیر عجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکلی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بجلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے یہ اوصاف تورات و انجیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جب اللہ نے آپ کو مبعوث فرما دیا تو اہل کتب نے آپ کو پہچان لیا، جیسا کہ جل جلالہ کا فرمان ہے ”پھر جب وہ آگیا جس کو وہ پہچانتے تھے تو اس (کو ماننے اور پہچاننے) سے انکار کر دیا۔“

یہ آیت شریفہ چند اہم ترین فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آیت شریفہ میں کلمہ ”محمد رسول اللہ“ ایک دعویٰ ہے۔ اور اس کے

ثبوت میں ”والذین معہ“ کو بطور دلیل ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے گواہ کے طور پر پیش کیا ہے اور ان گواہوں کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔ پس جو شخص ان حضرات پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ قرآن کریم کے دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے۔

دوم: حضرات صحابہ کرامؓ کو ”والذین معہ“ کے عنوان سے ذکر فرما کر ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صراط مستقیم پر ہونا قطعی و یقینی ہے۔ اس لئے جن اکابر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت بہ نص قرآن حاصل ہے، ان کا صراط مستقیم پر ہونا بھی قطعی و یقینی اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ رہے سعادت کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دنیا میں بھی رفاقت نبویؐ میسر رہی، روضہ مطہرہ میں بھی قیامت تک شرف رفاقت حاصل ہے، اور دخول جنت کے بعد بھی اس دولت کبریٰ سے دائماً ابداً سرفراز رہیں گے۔

سوم: حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ کرامؓ کے لئے ”والذین معہ“ کے عنوان سے جو منقبت و فضیلت ثابت فرمائی تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فضیلت ذکر نہ کی جاتی، تب بھی یہی ایک دولت دنیا و آخرت کی تمام دولتوں سے بڑھ کر تھی۔ چہ جائیکہ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا گیا، بلکہ ان کی صفات کمالیہ کو بطور مدح بیان فرمایا: ”اشدآء علی الکفار رحماء بینہم.....“ جس میں ان کے تمام علمی و عملی، اخلاقی و نفسیاتی کمالات کا احاطہ کر لیا گیا۔

پس یہ اکابر ممدوح خداوندی ہیں اور وحی الہی ان کے کمالات سے رطب اللسان ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص ان اکابر کے نقائص و مطاعن تلاش کرتا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔

چہارم: یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان اکابر کی مدح و ستائش صرف قرآن کریم ہی میں نہیں، بلکہ کتب سابقہ توریت و انجیل میں بھی ان کی اعلیٰ و ارفع شان بیان فرمائی گئی ہے۔

”ذالک مثلہم فی التورۃ ومثلہم فی الانجیل“ گویا ان جانثاران محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کا ڈنکا دنیا میں ہمیشہ بجتا رہا ہے۔ انبیاء سابقین (علیہم السلام) ان کے کلمات سے آگاہ و معترف رہے ہیں، اور اہم سابقہ بھی ان کے اوصاف مدح و مکمل کا تذکرہ کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں۔

پہنچم: یہ بھی بیان فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے گواہوں اور آپؐ کے جانثاروں سے اگر کسی کو غیظ اور جلاپا ہو سکتا ہے تو صرف کافروں کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو اسی مقصد کے لئے ایسا باکمل بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ کافروں اور بے ایمانوں کو غیظ و بغض کی آگ میں ہمیشہ جلاتا رہے۔ ”لیغیظ بہم الکفار“ گویا قرآن نے حضرات صحابہ کرامؓ کی مدح و ستائش پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ان اکابر سے کینہ و بغض رکھنے والوں کے حق میں ”کفر کا فتویٰ“ بھی صادر فرمادیا۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی محبت ہو اور جو شخص ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ ایمان سے بہرہ ور ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانثاروں سے بغض و کینہ رکھے جن کی مدح و ستائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، جن کی عظمت و شان انبیائے گزشتہ (علیہم السلام) تک نے بیان فرمائی ہے، اور جو اہم سابقہ کے بھی ممدوح و محبوب رہے ہیں۔

ششم: آخر میں ان حضرات کے ایمان و عمل صالح کی بنا پر ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ ان اکابر کے حسن حل کے ساتھ ان کے حسن مال کا۔ آغاز کے ساتھ ان کے انجام کا، ان کی ”العاجلہ“ کے ساتھ ان کی ”الآخرہ“ کا اور ان پر عنایات ربانی کے خلاصہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فطوبیٰ لہم ثم طوبیٰ لہم ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ مستقل طور پر آواز بلند پکار رہا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ صراطِ مستقیم پر تھے اور یہ کہ صرف انہی کا راستہ صراطِ مستقیم کہلانے کا مستحق ہے، جس پر بعد کے لوگوں کو چلنا چاہئے۔

چوتھی آیت :

﴿وَاعْلَمُوا أَن فَيْكُم رَسُولُ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ
مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانُ وَزَيْنَةُ فِي
قُلُوبِكُمْ وَكَرَهُ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ
الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

(سورہ حجرات ۷-۸)

ترجمہ : ”اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا
کریں بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔ پر اللہ نے محبت ڈال دی
تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا (مرغوب کر دیا) اس کو تمہارے دلوں
میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ نافرمانی کی۔ وہ لوگ وہی
جس نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے
حکمتوں والا۔“ (ترجمہ..... شیخ السند)

اس آیت شریفہ میں متعدد وجوہ سے صحابہ کرامؓ کی فضیلت و منقبت بیان کی
گئی ہے :

اول : ان پر اس انعام عظیم کا ذکر ہے کہ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا وجود مسعود و رونق افروز ہے۔ اور یہ وہ دولت کبریٰ ہے کہ ہفت اقلیم کی
دولت اس کے سامنے ہیج ہے۔ (اوپر کی آیت شریفہ میں اسی کو ”والذین معہ“ کے
بلغ الفاظ میں بیان فرمایا گیا تھا)۔

دوم : حق تعالیٰ شانہ نے نہ صرف ان کے ایمان کامل کی شہادت دی ہے، بلکہ
یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان ان کے دلوں میں جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب
ہے، اور اس ایمان سے ان کے قلوب معمور اور منور و مزین ہیں۔ کفر و فسوق اور عصیان
کی کراہت و نفرت ان کے قلوب میں من جانب اللہ القاء کی گئی ہے، ممکن نہیں کہ القائے
ربانی کے بعد یہ آلودگیاں ان کے دامن ایمان کو داغ دار کر سکیں۔

سوم : ان حضرات کو ”اولئک ہم الراشدون“ کا زریں تمغہ عنایت

فرمایا گیا، اور اس کو کلمہ حصر کے ساتھ ذکر کر کے تنبیہ فرما دی گئی کہ رشد و ہدایت انہی کے طریقہ میں منحصر ہے۔ جو شخص ان کی راہ پر چلے گا آئندہ ہدایت اسی کو نصیب ہوگی۔

چہل م: یہ نعت کبریٰ جو صحابہ کرامؓ کو ارزانی فرمائی گئی اس کو ”فضلاً من اللہ و نعمۃ“ فرما کر تصریح کر دی گئی کہ یہ حضرات حق تعالیٰ شانہ کے فضل خاص اور انعام عظیم کا مورد ہیں، ان کو عام مسلمانوں پر قیاس نہ کیا جائے۔

پہچم: ”واللہ علیہم حکیم“ میں اس امر کی وضاحت ہے کہ لو پر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم منقبت و فضیلت کا ذکر ہے، یہ حق تعالیٰ شانہ کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کو ان حضرات کے ظاہری و باطنی تمام حالات سے آگاہی ہے، اور ان کے انہی حالات و کمالات کے پیش نظر حق تعالیٰ شانہ کا یہ حکیمانہ فیصلہ ہے۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقالات پر ان حضرات کے صراط مستقیم پر فائز ہونے کی طرف اشارات و تلمیحات ہیں۔ مگر میں بنظر اختصار انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ تمام اہل اسلام کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائیں، ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ”والذین معہ“ کی رفاقت و معیت کی دولت سے مشرف فرمائیں۔

ع ”اے دعا از من و از جملہ جمل آمین باد“

صحابہ کرامؓ من حیث القوم

آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ:

”علماء اہل سنت کے نزدیک احترام صحابہ تو ضروری ہے، لیکن من حیث

القوم ان کی اتباع کا مطلق حکم نہیں دیا جاسکتا۔“

اور اس پر آپ نے حافظ ابن حرمؒ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ یہ ناکارہ آپ کی

عبارت میں ”من حیث القوم“ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ یہ لفظ عام محاورات میں پوری

کی پوری قوم کو بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے، اس لئے آپ کے فقرے کا مدعا یہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت من حیث القوم اگر کسی مسئلہ پر متفق ہو تب بھی اہل سنت کے نزدیک ان کی اقتدا و اتباع لازم نہیں۔ حالانکہ دیگر اہل سنت سے قطع نظر خود حافظ ابن حزمؒ کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

حافظ ابن حزمؒ کو اس مسئلہ میں تو کلام ہے کہ بغیر نص کے کسی مسئلہ پر صحابہؓ کا اتفاق ممکن ہے یا نہیں؟ لیکن جس مسئلہ پر ان کا اتفاق من حیث القوم ہو جائے وہ حافظ ابن حزمؒ کے نزدیک بھی واجب الاتباع ہے، اور اس سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ یہاں حافظ ابن حزمؒ کے چند حوالے نقل کرتا ہوں :

”مراتب الاجماع“ حافظ ابن حزمؒ کا مشہور رسالہ ہے، اس کی ابتدا ہی میں لکھتے

ہیں : ”فإن الإجماع قاعدة من قواعد الملة الخفيفة يرجع

إليه ويفزع نحوه ويكفر من خالفه إذا قامت عليه الحجة

بأنه إجماع“

(مراتب الاجماع صفحہ ۷)

ترجمہ : ”اجماع ایک قاعدہ (بنیاد) ہے ملت حنیفہ کے (چار بنیادی) قواعد (دلائل) میں سے جس کی طرف (استنباط مسائل میں) رجوع کیا جاتا ہے اور جس کی پناہ لی جاتی ہے۔ کسی مسئلہ میں اگر اجماع کا انعقاد ثابت ہو جائے تو اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔“

حافظ ابن حزمؒ کے نزدیک اجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جبکہ یہ امر یقینی طور پر معلوم ہو کہ تمام صحابہؓ اس پر متفق تھے۔ چنانچہ وہ المحلی میں لکھتے ہیں :

”مسألة: والإجماع هو ما تيقن أن جميع أصحاب

رسول الله ﷺ عرفوه وقالوا به ولم يختلف منهم

أحد وهذا ما لا يختلف أحد في أنه إجماع، وهم

كانوا حينئذ جميع المؤمنين، لا مؤمن في الأرض

غیرہم ، ومن ادعی أن غیر هذا هو إجماع کلف البرهان
 علی ما یدعی ولا سبیل إلیه“ (المحلی صفحہ ۵۴، جلد ۱)

مسئلہ: اور اجماع اسی صورت میں منعقد ہوتا ہے جب یہ امر قہینی طور پر معلوم ہو کہ تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر متفق تھے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی..... اور اہل علم میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ یہ اجماع ہے۔ اور وہ (صحابہ کرامؓ) اس وقت ”جمع المؤمنین“ کا مصداق تھے کیونکہ ان کے سوا کرۃ ارض پر کوئی مومن نہ تھا۔ اور جو شخص مدعی ہو کہ اس شرط کے بغیر بھی اجماع ہوتا ہے اس کو اپنے اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی اور یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔

اور جب ان کی شرائط کے مطابق صحابہؓ کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس اجماع کی مخالفت ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ایسے اجماع کے خلاف کو وہ محال اور ممتنع سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص نہ ہونے پر انہوں نے اسی اجماع سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

”وبرهان آخر ضروری وهو أن رسول الله ﷺ

مات وجمهور الصحابة رضی اللہ عنہم حاشا من كان منهم
 فی النواحي يعلم الناس الدين فما منهم أحد أشار إلى
 علی بکلمة يذكر فيها أن رسول الله ﷺ نص عليه، ولا
 ادعی ذلك علی قط، لا فی ذلك الوقت ولا بعده، ولا
 ادعاه له أحد فی ذلك الوقت ولا بعده، ومن الحال الممتنع
 الذي لا يمكن البتة ولا يجوز اتفاق أكثر من عشرين
 ألف إنسان متباعدی الهمم والنیات والأنساب أكثرهم

موتون فی صاحبه فی الدماء من الجاهلیة علی طی عہد

عہدہ رسول اللہ ﷺ إلیہم“،
(الفصل صفحہ ۹۶، جلد ۴)

ترجمہ: ”ایک اور برہن بدیہی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم۔ سوائے ان کے جو اطراف و جوانب میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول تھے مدینہ میں موجود تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی طرف کسی ایسے کلمہ سے اشارہ نہ فرمایا جس میں یہ ذکر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی امامت پر نفع فرمائی ہے اور نہ حضرت علیؑ نے ہی اس کا کبھی دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ نہ کسی اور نے ان کے لئے اس کا دعویٰ کیا، نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد۔ اور یہ بات محل اور ممتنع اور قطعاً غیر ممکن اور ناجائز ہے کہ ایسے بیس ہزار سے زائد انسان جن کے مقاصد بھی جدا جدا ہوں ختیس بھی الگ الگ ہوں، نسب و خاندان بھی مختلف ہوں اور ان میں اکثر ایسے ہوں جنہیں ذمہ جاہلیت کے اپنے عزیز کے خون کا انتقام نہ ملا ہو، یہ لوگ کسی ایسے عہد کے ترک کرنے اور اسے لپیٹ کر چھپا دینے پر اتفاق کر لیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لیا ہو۔“

نیز لکھتے ہیں: ”فمن الحال الممتنع أن يوهبوا أبا بكر.... فمن

الحال اتفاق أهواء هذا العدد العظيم على ما يعرفون أنه
احل دون خوف يضطربهم إلى ذلك ودون طمع يتعجلونه
من مال أو جاه، بل فيما فيه ترك العز والدنيا والرياسة،
وتسليم كل ذلك إلى رجل لا عشيرة له ولا منعة ولا
حاجب ولا حرس على بابه ولا قصر ممتنع فيه ولا موالی
ولا مال، فأين كان على وهو الذي لا نظير له في
الشجاعة ومعه جماعة من بنی ہاشم وبنی المطلب من قتل

هذا الشيخ الذي لا دافع دونه لو كان عنده ظلما ومن منعه
 وزجره ؟ بل قد علم والله على رضى الله عنه أن أبا بكر
 رضى الله عنه على الحق، وأن من خالفه على الباطل،
 فأذعن للحق.... ومن الحال أن تتفق آراءهم كلهم على
 معونة من ظلمهم وغصبهم حقهم، إلا أن تدعى الروافض
 أنهم كلهم اتفق لهم نسيان ذلك العهد، فهذه أعجوبة من
 الحال غير ممكنة، ثم لو أمكنت لجاز لكل احد أن يدعى
 فيما شاء من الحال أنه قد كان وإن الناس كلهم نسوه،
 وفي هذا إبطال الحقائق كلها، وأيضا فإن كان جميع
 أصحاب رسول الله ﷺ اتفقوا على جحد ذلك النص
 وكتمانه واتفقت طبائهم كلهم على نسيانه فمن أين وقع
 إلى الروافض أمره، ومن بلغه إليهم ؟ وكل هذا عن هوس
 ومحال، فبطل أمر النص على على رضى الله عنه بيقين
 لا أشكال فيه، والحمد لله رب العالمين،

(کتاب الفصل.... صفحہ ۹۸، جلد ۳)

ترجمہ: ”پس یہ امر محل اور متشع ہے کہ یہ لوگ ابو بکر سے ڈر جائیں
 پس یہ امر محل ہے کہ اتنی بڑی تعداد کے خیالات ایسی چیز پر متفق ہو جائیں
 جس کو وہ باطل سمجھتے ہوں، حالانکہ نہ تو کوئی ایسا خوف ہو جو انہیں اس پر مجبور
 کرے اور نہ کوئی جہ و مل کی طمع ہو جو انہیں فوراً ملنے والا ہے، بلکہ یہ انصار و
 مهاجرین ایک ایسی چیز کو اختیار کر رہے تھے جس میں دنیا اور عزت و ریاست کا
 ترک تھا اور یہ چیزیں ایک ایسے شخص کے حوالے کر رہے تھے جس کا نہ تو کوئی
 قبیلہ تھا، نہ حفاظت، نہ چوہدار، نہ اس کے دروازے پر کوئی دربان تھا، نہ کوئی
 محفوظ محل، نہ موالی تھے اور نہ مال۔ پس اس وقت علیؑ کہاں تھے؟ حالانکہ وہ
 ایسے شخص تھے کہ شجاعت میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا، پھر انکے ساتھ بنی ہاشم و

بنی المطلب کی جماعت بھی تھی انہوں نے اس بوڑھے کو جس کا کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر وہ آپ کے نزدیک ظالم تھا، قتل کیوں نہ کر دیا، جس کی کوئی مدافعت کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اور بزور قوت اس کو کیوں نہ روک دیا؟ واللہ! علی رضی اللہ عنہ نے جان لیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور ان کا مخالف باطل پر ہے، اس لئے انہوں نے حق کو تسلیم کر لیا۔ اور یہ امر خود محل ہے کہ مہاجرین و انصار کی رائیں اس شخص کی اعلیت پر متفق ہو جائیں جس نے ان پر ظلم کیا ہو اور ان کا حق غصب کر لیا ہو۔ سوائے اس کے کہ روافض یہ دعویٰ کریں کہ اتفاق سے وہ سب لوگ اس عہد کو بھول گئے تھے تو یہ خود ایک عجوبہ ہو گا جو محل و ناممکن ہے۔ پھر اگر یہ ممکن ہو تو پھر ہر شخص کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اس کے بارے میں اسی قسم کے محل کا دعویٰ کرے کہ فلاں واقعہ ایسا ہوا تھا اور یہ کہ سب لوگ اس کو بھول گئے تھے، اس صورت میں تو تمام حقائق کا ابطال لازم آئے گا۔ نیز اگر تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نص کے نہ ماننے اور اسے چھپانے پر اتفاق کر لیا تھا اور ان سب کی طبیعتیں اس کے بھول جانے پر متفق ہو گئی تھیں تو پھر روافض کو اس کا حل کہاں سے معلوم ہوا اور کس نے اس واقعہ کو ان تک پہنچایا؟ یہ محض نفس پرستی، خام خیالی اور محل ہے۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نص کا دعویٰ تو یقیناً اس طرح باطل ہو گیا کہ اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔ واللہ رب العالمین۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتے ہیں:

”افتری لو کان لعلی رضی اللہ عنہ حق ظاہر
 يختص به من نص عليه من رسول الله ﷺ أو من فضل
 بائن علی من معه ينفرد به عنهم أما كان الواجب علی علی
 أن يقول أيا الناس کم هذا الظلم لی؟ وکم هذا الکتمان
 بحقی؟ وکم هذا الجحد لنص رسول الله ﷺ؟ وکم هذا
 الإعراض عن فضلی البائن علی هؤلاء المقرونين لی؟ فإذا

لم يفعل لا يدري لما ذا أما كان في بنى هاشم أحد له
دين يقول هذا الكلام ؟ أما العباس عمه ؟ وجميع العالمين
على توقيره وتعظيمه حتى أن عمر توسل به إلى الله تعالى
بحضرة الناس في الاستسقاء وأما أحد بنيه ؟ وأما عقيل
أخوه ؟ وأما أحد بنى جعفر أخيه أو غيرهم ؟ فإذا لم يكن
في بنى هاشم أحد يتقى الله عز وجل ولا يأخذه في قوله
الحق مدهانة أما كان في جميع أهل الإسلام من
المهاجرين والأنصار وغيرهم واحد يقول يامعشر المسلمين
..... وهذا على له حق واجب بالنص وله فضل

بائن ظاهر لا يمتري فيه ، فبايعوه ، فأمره بين ، أن أصفاق
جميع الأمة أولها عن آخرها من بركة إلى أول خراسان
ومن الجزيرة إلى أقصى اليمن إذ بلغهم الخبر على
السكوت عن حق هذا الرجل واتفاقهم على ظلمه ومنعه من
حقه وليس هناك شيء يخافونه لإحدى عجائب المحال

الممتنع

(کتاب الفصل صفحہ ۱۰۱، جلد ۳)

ترجمہ: ”کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کا کوئی کھلا ہوا حق ہوتا جس
میں وہ مخصوص ہوتے ، خواہ وہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
کوئی نص ہوتی یا کوئی ایسی فضیلت ہوتی جس سے وہ اپنے ساتھیوں میں فائق
ہوتے اور جس کی وجہ سے وہ ان سب میں ممتاز و منفرد ہوتے ، تو کیا علیؑ پر
واجب نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ اے لوگو! مجھ پر یہ ظلم کب تک ؟ میرے حق
کا یہ اخفاء کب تک ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کا یہ انکار کب
تک ؟ اور کب تک میری اس فضیلت سے انکار کیا جائے گا ، جو ان سب
معاصرین سے فائق ہے ؟ جب علیؑ نے یہ نہیں کیا ۔ نہیں معلوم ہو سکا کہ

کیوں نہیں کیا تو کیا بنی ہاشم میں ایک بھی دیندار موجود نہ تھا جو یہی کلام کرتا؟ کیا ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے جن کی تعظیم و توقیر پر تمام عالم متفق تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء کے موقع پر سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی بدگاہ میں انہیں وسیلہ بنایا تھا؟ کیا ان کے لڑکوں میں بھی کوئی موجود نہ تھا؟ کیا حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ نہ تھے؟ کیا ان کے بھائی جعفرؓ کے بیٹوں میں سے کوئی بھی نہ تھا؟ جب بنی ہاشم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور حق کہنے میں مددِ اہست نہ کرتا، تو کیا تمام اہل اسلام یعنی صحابہؓ، انصار اور ان کے علاوہ دیگر حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ اے گروہِ مسلمین!..... یہ علیؓ ہیں نص کی وجہ سے جن کا حق واجب ہے..... اول سے آخر تک تمام امت کا، برقہ سے سرحدِ خراسان تک اور جزیرہ سے انتہائے یمن تک جبکہ انہیں خبر پہنچ جاتی، سب کا اس شخص کے حق سے سکوت کرنے پر متفق ہو جانا اور ان سب کا اس کے ساتھ ظلم پر اور اس کو حق سے محروم کرنے پر متفق ہو جانا۔ درآنحالیکہ ایسی چیز بھی وہاں کوئی موجود نہ ہو جس سے لوگ (اظہارِ حق سے) ڈرتے ہوں ایک عجیب امر محل اور ناممکن ہے۔"

حافظ ابن حزمؒ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ان کے نزدیک حجتِ قطعیہ ہے اور اس کا خلاف محال و ممتنع ہے۔
 جہاں تک حافظ ابن حزمؒ کے اس نظریہ کا تعلق ہے کہ اجماع صحابہؓ نص کے بغیر نہیں ہوتا، اس ناکارہ کے خیال میں ابن حزمؒ اور دیگر اہل علم کے درمیان صرف تعبیر کی شدت اور نرمی کا فرق ہے ورنہ ظاہر ہے کہ "سند اجماع" کے تمام اہل علم قائل ہیں۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ وہ سند کبھی بعد والوں سے مخفی رہ جائے۔ چنانچہ علامہ آمدیؒ "الاحکام فی اصول الاحکام" میں لکھتے ہیں:

"المسألة السابعة عشرة: اتفق الكل أن الأمة لا

تجتمع على الحكم إلا عن مأخذ ومستند يوجب اجتماعها
 خلافا لطائفة شاذة، فإنهم قالوا بجواز انعقاد الإجماع عن

توفیق لا توفیق بأن یوفقهہم اللہ تعالیٰ لاختیار الصواب

من غیر مستند“ (الاحکام فی اصول الاحکام..... صفحہ ۳۷۴، جلد ۱)

ترجمہ: مسئلہ نمبر ۱: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ اجماع امت کسی ایسے ماخذ و سند پر ہی منعقد ہو سکتا ہے جو اجماع کو واجب کر دے۔ ایک گروہ اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ انعقاد اجماع صرف توفیق کے ذریعہ بھی جائز ہے توقیفاً (یعنی ماخذ و سند پر مطلع ہونا) ضروری نہیں۔ اور توفیق سے ان کی مراد یہ ہے کہ بلا سند ہی اللہ تعالیٰ ان کو ”صحیح“ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا کر دے۔“

خلفائے راشدینؓ کا اجماع :

اگر کسی مسئلہ پر چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم متفق ہوں تو اہل علم کے نزدیک وہ بھی اجماع واجب الاتباع ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

”وفی السنن عنہ صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال اقتدوا بالذین من

بعدی ابی بکر وعمر، ولهذا كان أحد قولی العلماء وهو

إحدى الروایتین عن أحمد أن قولهما إذا اتفقا حجة لا

يجوز العدول عنها، وهذا أظهر القولین كما أن الأظهر أن

اتفاق الخلفاء الأربعة أيضا حجة لا يجوز خلافها، لأمر

النبي صلی اللہ علیہ وسلم باتباع سنتهم“ (منہاج السنۃ..... صفحہ ۱۶۲، جلد ۳)

ترجمہ: ”سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ

”میرے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرنا۔“ لہذا علماء امت کا ایک

قول یہ ہے اور یہی امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ ”جب ان دونوں

حضرات کا کسی بات میں اتفاق ہو جاتا ہے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس سے عدول

جائز نہیں۔ اور یہ ایسا ہی بین قول ہے جیسا کہ یہ بین قول کہ جب ان چاروں

خلفاء کا کسی معاملہ میں اتفاق ہو جائے تو وہ حجت قرار پاتا ہے اس کے خلاف

کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی سنت کے اجماع کا حکم دیا گیا ہے۔“

خلفائے راشدینؓ کے فیصلے بھی اجماع ہیں:

اجماع کی ایک صورت یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ میں سے کوئی خلیفہ راشدؓ کوئی فیصلہ صادر فرمائے اور صحابہ کرامؓ اس کو بلا تکبر قبول کر لیں، یہاں تک کہ اکناف و اطراف عالم میں وہ فیصلہ نافذ ہو جائے۔ امام البند شہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

”و معنی اجماع کہ بر زبان علماء دین شفیہ ہاشمی این نیست کہ ہمہ مجتہدین لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند زیرا کہ این صورتی ست غیر واقع بل غیر ممکن عادی، بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بجزی بعد مشاورہ ذوے الرا۱ یا بغیر آن، و نفوذ آن حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم ممکن مہشت، قل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بنی و بستتہ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث۔“
(ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶)

ترجمہ: ”اجماع کا لفظ جو آپ نے علماء دین سے سنا ہوگا، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ایک زمانے کے تمام مجتہدین کسی مسئلہ پر اس طرح متفق ہو جائیں کہ کوئی ایک فرد بھی اختلاف نہ کرے، کیونکہ یہ صورت تو غیر واقع بلکہ عادتاً ناممکن ہے۔ بلکہ اجماع کا مطلب کسی مسئلہ میں خلیفہ راشد کا ایسا حکم کرنا ہے۔ خواہ اہل مشورہ سے مشورت کر کے ہو یا بلا مشورہ کے۔ جس کو وہ نافذ کر دے۔ نفوذ حکم کے بعد وہ مشہور ہو جائے اور دنیا میں اس پر عمل درآمد ہونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم لوگ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو (اور اس کی پیروی میں ثابت قدم رہو)۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو بیس تراویح پر جمع کرنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ کی اذان اول مقرر کرنا اسی اجماع کی مثالیں ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”وما فعلہ عثمان من النداء الاول اتفق علیہ الناس“

بعده أهل المذاهب الأربعة وغيرهم كما اتفقوا على ما سنه
أيضا عمر من جمع الناس في رمضان على إمام واحد“

(منهاج السنة..... صفحہ ۲۰۴، جلد ۳)

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (جمعہ کی) اذان اول مقرر کی تو
تمام لوگ اس پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد بھی چاروں مذاہب کے فقہاء اور
ان کے علاوہ دیگر اہل علم اس پر متفق رہے، یہ بالکل ایسا ہی اتفاق ہے جیسا کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رمضان میں تراویح باجماعت مقرر کرنے پر سب
میں پایا گیا۔“

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلفائے راشدین ”کاہیں تراویح
پر عمل رہا۔“

الف۔ ”عن السائب بن يزيد قال كان القيام على عهد
عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر هذا

محمول على أن الثلاث للوتر“ (عمدة القاری..... صفحہ ۱۲، جلد ۱۱)

ترجمہ: ”حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے عہد میں (تراویح میں) تیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔
ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ان میں تین رکعات وتر کی شکر کی گئی ہیں۔“

ب۔ ”عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد
عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين
ركعة، قال وكانوا يقرعون بالمشين وكانوا يتوكؤن على
عصيتهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة

القيام“ (سنن کبریٰ بیہقی..... صفحہ ۴۹۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”حضرت سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح میں پڑھتے تھے اور وہ میٹن کی

قرأت کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیام طویل ہونے کے باعث لوگ اپنی لائٹیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔“

ج۔ ”عن أبی عبد الرحمن السلمي عن علی رضی اللہ عنہ أنه دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلا یصلی بالناس عشرين رکعة وكان علی یوتر بهم“

(سنن کبریٰ، بیہقی..... صفحہ ۴۹۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”ابو عبد الرحمن سلمیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے قراء حضرات کو رمضان میں طلب کیا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف وتر پڑھایا کرتے تھے۔“

د۔ ”عن عمرو بن قیس عن أبی الحسناء أن علیا أمر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرين رکعة“

(مصنف ابن ابی شیبہ... صفحہ ۳۹۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”عمرو بن قیس ابی الحسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔“

و۔ ”عن شتیر بن شکل وكان من أصحاب علی رضی اللہ عنہ أنه كان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرين رکعة ویوتر بثلاث“

(سنن کبریٰ صفحہ ۴۹۶، جلد ۲۔ قیام اللیل صفحہ ۹۱، طبع جدید صفحہ ۱۵۷)

”شتیر بن شکل سے۔ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں

میں سے ہیں، مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں لوگوں کی بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر میں اہمیت کے فرائض انجام دیتے تھے۔“

خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کے برحق ہونے کا قرآنی ثبوت:

حضرت شہ صاحبؒ نے مندرجہ بالا عبادت میں حضرات خلفائے راشدین رضی

اللہ عنہم کے فیصلوں کو اجماع فرمایا ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ نے ان کو بلا تکثیر قبول کر لیا ہو، اور وہ عالم میں ممکن اور راسخ ہو گئے ہوں، ان فیصلوں کے صحیح اور برحق ہونے پر حضرت شاہ صاحبؒ نے حدیث نبویؐ: ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين“ سے استدلال فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ نے خلفائے راشدینؓ کے اجماع پر اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ اس حدیث نبویؐ کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ النور کی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾
(سورۃ النور..... ۵۵)

ترجمہ: ”وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان کے انگوٹھوں کو لوہر جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں فاسقین۔“

اس آیت شریفہ سے جہاں حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ موعود ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں جو احکام نافذ ہوئے وہ حق تعالیٰ شانہ کا پسندیدہ دین تھا۔ نیز حق تعالیٰ شانہ سورۃ الحج میں فرماتے ہیں:

﴿أَذِّنْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطِينٍ حَقٌّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

لَهْدَمْتُ صَوَامِعُ وَيَبَّعَ وَصَلَوَاتٍ مَسَاجِدَ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ
كَثِيرًا وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ
مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٣٩﴾

(الحج ۳۹ تا ۴۱)

ترجمہ: ”حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر
ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جن کو نکلا ان کے
گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ
ہے اور اگر نہ بنایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے توڑ دے جلتے نیکی
اور مدد سے اور عباد تھانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت،
اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ
زبردست ہے زور والا۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو قائم
رکھیں نماز، اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا، اور منع کریں برائی سے
اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔“

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر ان مظلوم مہاجرین کو، جن کی صفات
اوپر بیان کی گئی ہیں، ہم تمکین فی الارض عطا فرمائیں تو وہ ارکان اسلام کو قائم کریں گے، امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے
راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے جو کچھ ظہور پذیر ہوا
وہ ہے اقامت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں

اجماع کے مباحث سے فدرغ ہونے کے بعد اب میں پھر آپ کی عبادت کی
طرف متوجہ ہوتا ہوں، آنجناب نے اسی بحث میں یہ فرمایا ہے:

”احرام صحابہؓ سے اتباع صحابہؓ مطلقانہ کسی عالم نے یدیت کیا ہے اور نہ
عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔“

اس ناکارہ کے نزدیک آپ کی یہ عہدت صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں تین دعوے ہیں، اور تینوں غلط۔ لہذا میں اس کو تین مباحث میں تقسیم کرتا ہوں :

- بحث اول : اتباع صحابہؓ میں اہل علم کا مسلک۔
 بحث دوم : اتباع صحابہؓ کا واجب ہونا دلائل نقلیہ سے۔
 بحث سوم : اتباع صحابہؓ کا ضروری ہونا دلیل عقل سے۔

بحث اول : اتباع صحابہؓ واجب ہے، اہل علم کا مسلک

صحابہ کرامؓ کے اقوال جمہور اہل علم کے نزدیک حجت ہیں، مگر ان کا درجہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد کا ہے، ایک ایسا مسئلہ جس میں کتاب و سنت کی نص صریح غیر منسوخ موجود نہ ہو، اور اس پر اجماع بھی نہ ہو، اس میں اگر بعض صحابہ کرامؓ کا قول منقول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس قول کے خلاف کسی صحابی کا قول منقول نہیں، دوم یہ کہ اس کے خلاف بھی بعض صحابہؓ کا قول منقول ہے۔ پہلی صورت کی پھر دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور ہو گیا ہو۔ دوم یہ کہ اس دور میں اس کو شہرت نہ ہوئی ہو۔ گویا یہ کل تین صورتیں ہوں گی، ذیل میں تینوں کا حکم الگ الگ لکھتا ہوں :

اجماع سکوتی :

پہلی صورت کہ صحابیؓ کا وہ قول صحابہؓ کے دور میں مشہور و معروف ہو گیا تھا، اس کے باوجود کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ جمہور اہل علم کے نزدیک یہ صورت ”اجماع سکوتی“ کہلاتی ہے۔ لہذا اس صحابیؓ کا قول اس مسئلہ میں حجت ہوگا جس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ رحمہ اللہ ”اعلام الموقعین“ میں لکھتے ہیں :

”وان لم یخالف الصحابی صحابیا آخر فاما أن

یشہر قوله فی الصحابة أو لا یشہر، فإن اشتهر فالذی

علیه جماہیر الطوائف من الفقہاء إنه إجماع وحجة، وقالت

طائفة منهم: هو حجة وليس بإجماع، وقالت شذمة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتأخرين: لا يكون إجماعاً ولا حجة“ (اعلام الموقعين..... صفحہ ۱۲۰، جلد ۴)

ترجمہ: ”اور اگر کسی صحابی (کے قول) سے دوسرے صحابی نے اختلاف نہیں کیا (تو اس کی دو صورتیں ہیں) یا تو اس صحابی کا قول صحابہ کرام میں مشہور ہو گیا یا مشہور نہیں ہوا۔ اور اگر وہ مشہور ہو گیا تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ اجماع کے حکم میں ہو گا اور وہ حجت ہو گا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں کہلائے گا اور متکلمین کے ایک محقق طبقہ اور بعض فقہاء کے نزدیک نہ وہ اجماع ہو گا نہ حجت۔“

امام حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی کشف الاسرار شرح المنذ میں لکھتے

تیس: ”فاما إذا نقل عن الصحابي قول ولم يظهر عن

غيره خلاف ذلك فإن درجته درجة الإجماع إذا كانت

الحادثة مما لا يحتمل الخفاء عليهم وتشتهر عادة“

(کشف الاسرار..... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”ایک صحابی سے ایک قول منقول ہوا اور اس کے خلاف کسی (اور صحابی) کا قول سامنے نہیں آیا تو اس کا درجہ حکم میں اجماع کا ہے بشرطیکہ معلوم ایسا ہو کہ ان حضرات سے مخفی ہونے کا احتمال نہ ہو اور عادتاً اس کی شہرت ہو جاتی ہو۔“

دوسری صورت کہ صحابی ”کا وہ قول صحابہ“ کے دور میں مشہور نہ ہوا ہو لیکن اس کے خلاف بھی کسی صحابی ”کا قول منقول نہ ہو، اس کے اجماع ہونے میں تو کام ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک صحابی ”کا یہ قول حجت شرعیہ ہے، اور ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ”اسی کے قائل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

”وان لم يشتهر قوله أو لم يعلم هل اشتهر أم لا

فاختلف الناس: هل يكون حجة أم لا؟ فالذی علیہ

جمهور الأمة أنه حجة، هذا قول جمهور الحنفية، صرح به محمد بن الحسن، وذكر عن أبي حنيفة نصاً، وهو مذهب مالك وأصحابه وتصرفه في موطنه دليل عليه، وهو قول إسحاق ابن راهوية وأبي عبيد، وهو منصوص الإمام أحمد في غير موضع عنه واختيار جمهور أصحابه، وهو منصوص الشافعي في القديم والجديد

(اعلام الموقعين..... صفحہ ۱۲۰، جلد ۴)

ترجمہ: ”اور اگر صحابی کا قول مشہور نہ ہو یا اس کا مشہور ہونا معلوم نہ ہو۔ اس کا تو اہل علم میں اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ جمهور کا مسلک یہی ہے کہ وہ حجت ہے۔ جمهور فقہاء احناف کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن حسن نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہ سے یہی مذہب نقل کیا ہے۔ اور یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ موطا میں امام مالک کا طرز عمل اس کی بڑی دلیل ہے۔ اور یہی آئق بن راہویہ اور ابو عبیدہ کا مسلک ہے۔ اور یہی قول بیشتر مواقع پر امام احمد سے منصوص ہے جس کو ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی کے قدیم و جدید قول میں بھی یہی منصوص ہے (کہ صحابی کا قول مذکورہ صورت میں حجت ہے)۔“

اجماع مرکب:

تیسری صورت کہ صحابہ کے اقوال کسی مسئلہ میں مختلف ہوں وہاں ائمہ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ان اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس پر جمهور ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایسے مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کے اقوال سے خروج جائز نہیں، مثلاً کسی مسئلہ میں صحابہ کے دو قول ہوں۔ اس مسئلہ میں ان دونوں اقوال کو چھوڑ کر تیسرا قول اختیار کرنا جائز نہیں۔ اور یہ فقہاء کی اصطلاح میں ”اجماع مرکب“ کہلاتا ہے۔

علامہ نسفی شرح المنار میں لکھتے ہیں:

”وکذا إذا اختلفوا فی شیء فإن الحق فی أقوالهم

لا يعدوهم علی ما یجیء فی باب الإجماع إن شاء الله

تعالیٰ“ (کشف المسند..... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”اور ایسے ہی اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں تو بہر حال حق انہی کے اقوال میں موجود ہے اور صحابہ کے اقوال سے عدول جائز نہیں، جیسا کہ اجماع کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔“

اور نور الانوار شرح المسند میں ہے:

”وإن خالفه كان ذلك بمنزلة خلاف المجتہدین

فللمقلد أن یعمل بأیما شاء ولا یتعدی إلى الشق الثالث

لأنه صار باطلا بالإجماع المركب من هذین الخلفین علی

بطلان القول الثالث هكذا ینبغی أن یفهم هذا المقام

(نور الانوار..... صفحہ ۱۰۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”اور اگر (کسی مسئلہ میں قول) صحابی سے کسی صحابی نے اختلاف

کیا ہو تو درحقیقت یہ اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی مانند ہے، پس مقلد کو

جائز ہے کہ کسی ایک بھی قول پر عمل پیرا ہو جائے اور صحابہؓ کے اقوال سے

تجاوز کر کے تیسرا راستہ اختیار نہ کرے۔ کیونکہ صحابہؓ کے دو اقوال سے

اجماع مرکب“ وجود میں آگیا، لہذا ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ

اختیار کرنا باطل ٹھہرا۔ اس مقام کو غور سے سمجھنا ضروری ہے۔“

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ صحابہ کرامؓ کے اقوال حجت شرعیہ ہیں، اور

جمہور سلف خصوصاً ائمہ اربعہؓ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ)

مسائل شرعیہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں، اور ان سے خروج کو جائز

نہیں سمجھتے۔

دور حاضر کے محقق شیخ محمد ابو زہرہ نے ”اصول الفقہ“ میں اس موضوع پر

بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، مناسب ہو گا کہ یہاں ان کی عبارت کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے، وہ لکھتے ہیں:

”هذا وأن المأثور من الأئمة الأربعة أنهم كانوا يتبعون أقوال الصحابة ولا يخرجون عنها، فأبو حنيفة يقول: إن لم أجد في كتاب الله تعالى وسنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه، أخذ بقول من شئت، وادع من شئت منهم، ولا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم.

ولقد قاله الشافعي في الرسالة برواية الربيع، وهي من كتابه الجديد: لقد وجدنا أهل العلم يأخذون بقول واحد (أى الصحابة) مرة ويتركونه أخرى، ويتفرقون في بعض ما أخذ منهم، قال: (أى مناظره) فألى أى شيء صرت من هذا؟ قلت اتباع قول واحدهم إذا لم أجد كتابا ولا سنة ولا إجماعا ولا شيئا في معناه يحكم.

ويقول في الأم برواية الربيع أيضا وهو كتابه الجديد: إن لم يكن في الكتاب والسنة صرنا إلى أقاويل أصحاب رسول الله ﷺ، أو واحد منهم، ثم كان قول أبى بكر أو عمر أو عثمان إذا صرنا فيه إلى التقليد أحب علينا، وذلك إذا لم نجد دلالة في الاختلاف تدل على أقرب الاختلاف من الكتاب والسنة، لنتبع القول الذى معه الدلالة.

وإن هذا يدل على أنه يأخذ بالكتاب والسنة، ثم ما يجمع عليه الصحابة، وما يختلفون فيه يقدم من أقوالهم

أقوالها اتصالاً بالكتاب والسنة، فإن لم يستتب له أقوالها
اتصالاً بهما اتبع ما عمل به الأئمة الراشدون رضوان الله
تبارك وتعالى عنهم، لأن قول الأئمة مشهورة وتكون
أقوالهم محصاة عادة.

وكذلك الإمام مالك رضى الله عنه، فإن الموطأ
كثير من أحكامه يعتمد على فتاوى الصحابة، ومثله
الإمام أحمد.

ومع أنه روى عن أو لئك الأئمة تلك الأقوال
الصريحة، فقد وجد من الكتاب الأصوليين بعد ذلك من
ادعى أن الشافعى رضى الله عنه فى مذهبه الجديد كان
لا يأخذ بقول الصحابى، وقد نقلنا لك من الرسالة والأمر
برواية الربيع لابن سليمان الذى نقل مذهبه الجديد ما
يفيد بالنص القاطع إنه كان يأخذ بأقوال الصحابة إذا
اجتمعوا، وإذا اختلفوا اختار من أقوالهم ما يكون أقرب
إلى الكتاب والسنة.

وكذلك ادعى بعض الحنفية. أن أبا حنيفة رضى
الله عنه كان لا يأخذ بقول الصحابى إلا إذا كان لا يمكن
أن يعرف إلا بالنقل، وبذلك يؤخذ بقوله على أنه سنة لا
على أنه اجتهد، أما ما يكون من اجتهد الصحابى فإنه لا
يؤخذ به، والحق عن أبى حنيفة هو ما نقلنا من أقواله لا
من تصريح أحد

ترجمہ: ”ائمہ اربعہ سے یہی طریقہ منقول ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کا اتباع کرتے تھے اور ان کے اقوال سے نہیں نکلتے تھے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب کتب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے کسی مسئلہ کی تصریح نہیں ملتی تو صحابہؓ کے اقوال میں سے اپنی صوابدید پر کسی ایک قول کو اختیار کر لیتا ہوں۔ ان کے قول کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول کو اختیار نہیں کرتا۔“

اور امام شافعیؒ سے ”الرسالہ“ میں ربیعؒ کی روایت سے یہ قول موجود ہے اور یہی ان کا قول جدید ہے کہ: ”ہم نے اہل علم کا یہ طرز عمل دیکھا کہ وہ ایک جگہ ایک صحابی کے قول کو اختیار کرتے ہیں تو دوسرے مقام پر اس کے قول کو ترک کر دیتے ہیں اس طرح اخذ اقوال میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (تو ان سے منظرہ کرنے والے نے ان سے) سوال کیا کہ پھر آپ نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے؟ فرمایا، ان میں سے کسی ایک کے قول کا اتباع کرتا ہوں اور یہ جیسا ہوتا ہے کہ کتب و سنت اور اجماع یا اس کے ہم معنی ”اجماع سکوتی“ میں مسئلہ کا حل نہیں پاتا۔“

اور کتب ”الائم“ میں ربیعؒ کی ہی روایت سے منقول ہے اور یہ بھی ان کی کتب جدید ہے کہ اگر کوئی مسئلہ کتب و سنت میں نہیں ملتا تو ہم تمام صحابہ کرامؓ یا کسی ایک صحابی کے اقوال پر نگہ ڈالتے ہیں۔ پھر اگر ابو بکرؓ، عمرؓ یا عثمانؓ کا قول موجود ہوتا ہے تو اسی کی تقلید ہمیں محبوب ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ کتب و سنت سے استدلال کرتے تھے۔

پھر اجماع صحابہؓ سے، پھر صحابہؓ کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں اس قول کو اختیار کر لیتے جو قرآن و سنت کے ساتھ اتصال میں قوی تر ہوتا۔ اور اگر کتب و سنت کے ساتھ اتصال میں کسی قول کا قوی ہونا ان پر ظاہر نہ ہوتا تو خلفائے راشدینؓ کے عمل کو مداریتے۔ اس لئے کہ خلفاء کا قول عموماً مشہور ہو جاتا ہے۔ نیز ان کے اقوال عاداتاً مضبوط و قوی شہد ہوتے ہیں۔

اور یہی مسلک امام مالکؒ کا ہے۔ چنانچہ مؤطا میں انہوں نے بیشتر احکام میں صحابہ کرامؓ کے فتویٰ پر ہی اعتماد کیا ہے۔ اور یہی کیفیت امام احمدؒ کی

ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ ان ائمہ کرام سے تو اس طرح کے مرتع اقبال منقول ہوں مگر اس کے برخلاف اصولیین کا امام شافعیؒ کے مذہب جدید کے بدلے میں یہ دعویٰ مذکور ہے کہ وہ قول صحابی کو حجت نہیں مانتے۔ اور ہم آپ کے سامنے ”الرسالہ“ اور ”الائم“ سے ان کے مذہب جدید کے نقل راجع بن سلیمانؒ کی روایت سے ان کا قول جدید نقل کر چکے ہیں جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں عدم اختلاف کی صورت میں مطلقاً اور اختلاف کی صورت میں اقرب الی الکتاب والسنۃ قول کو اختیار کرتے اور حجت سمجھتے تھے۔

اسی طرح بعض احناف کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ صحابی کے قول کو اس وقت نہیں لیتے تھے جب تک کہ وہ مسئلہ ایمانہ ہو جو صرف نقل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اجتہاد سے نہیں۔ اور اسکو بحیثیت سنت کے اختیار کرتے ہیں، اجتہادی قول کے طور پر نہیں۔ کیونکہ صحابی کے اجتہاد کو وہ حجت قرار نہ دیتے تھے۔

اور حق بات وہی ہے جو ہم نے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال سے نقل کی ہے، بعد والوں کی تخریج سے نہیں۔“

ایک شکایت

گزشتہ سطور میں اہل علم کا مسلک واضح طور پر سامنے آچکا ہے۔ اس بحث کو ختم کرتے ہوئے یہ ناکارہ آجناب سے یہ شکایت کرنے میں حق بجانب ہے کہ آجناب نے اہل علم کے رائج مسلک کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفا کیا اور چونکہ یہ قول آجناب کے مسلکی ذوق سے اقرب تھا، اس لئے ساتھ کے ساتھ آپ نے اپنا فیصلہ بھی سنایا کہ:

”حق وہی ہے جو ابن حزمؒ نے کہا، یعنی اجتہادات صحابہؓ کو قرآن و حدیث کی طرف پلٹایا جائے گا، موافق کی اتباع اور مخالف کی رد کی جائے گی۔ ہاں! نقل روایت میں ان کا ثقہ ہونا علمائے اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے۔ یہ وہ

نظریہ ہے کہ آپ (یعنی یہ ناکلوہ) اس کی تردید کی شاید ہی جرأت کر سکیں۔

اول تو آپ کو یہ بحث چھیڑنی ہی نہیں چاہئے تھی۔ کیونکہ میری گفتگو تقلید صحابی کے مسئلہ سے متعلق تھی ہی نہیں، میری گفتگو تو اس میں تھی کہ حضرات صحابہ کرام صراط مستقیم پر قائم تھے اور یہ مضمون میں نے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں لکھا تھا۔ میں نہیں سمجھا کہ اصل مسئلہ سے ہٹ کر آپ نے ایک غیر متعلق بحث کیوں چھیڑ دی؟ علاوہ ازیں اگر آپ نے یہ بحث چھیڑی ہی تھی تو اہل علم کے صحیح مسلک کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ لیکن آپ نے تنہا ابن حزم کا قول نقل کر کے اس پر حقانیت کی مہر بھی ثبت کر دی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ابن حزم کی عبارت میں ”قوم یخطئون ویبسیون“، ”ان ابا بکر قد اخطا“، ”کذب عمر فی تاویل تاویلہ“ اور ”خطا ابا السنابل“ جیسے ثقیل الفاظ آگئے تھے۔ اور ان سے آنجناب کے ”ذوق قدح صحابہ“ کی تسکین ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے اصل بحث کو چھوڑ کر گفتگو کی بسم اللہ اپنے ذوق کی تسکین سے کرنا ضروری سمجھا، اور غریب ابن حزم کے کندھے پر خواہ مخواہ بدذوق رکھ دی تاکہ آپ کا قادی یہ سمجھے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرما رہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ابن حزم کے حوالے سے کہہ رہے ہیں۔

ابن حزم کے نظریہ تقلید صحابی پر تنقید

حلاںکہ اگر آپ نے حق و انصاف کی روشنی میں دو نکتوں پر غور کیا ہوتا تو آپ کو صاف نظر آتا کہ ائمہ اربعہ اور جمہیر سلف کے مقابلہ میں ابن حزم کا نظریہ لائق پذیرائی نہیں اور عقل و دانش کے بازار میں اس کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں۔

پہلا نکتہ: تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ کسی عالم سے شلو و نادر کسی مسئلہ میں بھول چوک کا ہو جانا اس کے علم و فضل میں قاذح نہیں، اور نہ اس کے اتباع سے مانع ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، جو بالاتفاق معصوم ہیں، احیاناً بھول

چوک سے خلاف اولیٰ کا صدور ان سے بھی ممکن ہے۔ (تاہم ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو ایسی خطا پر بھی قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحی الہی فوراً انہیں اس پر متنبہ کر دیتی ہے، اور ان کی خطا کافی الفور تدارک کر دیا جاتا ہے) قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے جو فقہمنا ہا سلیمان فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ و کلاً آتینا حکماً و علماً کا ارشاد آنجناب کی نظر سے اوجھل نہیں ہوگا۔

”وقال الإمام البخاری (۲/۱۰۶۱): باب متى

يستوجب الرجل القضاء، وقال الحسن: أخذ الله على

الحكام إن لا يتبعوا الهوى ولا يخشوا الناس ولا يشتروا

بآياته ثمنًا قليلاً ثم قرأ: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي

الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحَكْمِهِمْ شَاهِدِينَ

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ، وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (الأنبياء

۷۸، ۷۹) فحمد الله سليمان ولم يلم داود ولو لا ما ذكر

الله من أمر هذين لرأيت أن القضاة هلكوا، فإنه اثبتى هذا.

بعلمه وعذر هذا باجتهاده“.

(بخاری..... صفحہ ۱۰۶۲، جلد ۲۔ مسلم..... صفحہ ۷۴، جلد ۲)

ترجمہ: امام بخاری (۲/۱۰۶۱) فرماتے ہیں: ”باب اس بدے میں کہ

کوئی شخص عمدہ قضاء کا کب مستحق ہوتا ہے۔“ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حکام کو اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ (فیصلوں میں) خواہش

نفس کے تابع نہیں ہوں گے، لوگوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور اس کی

آیات کو ثمنِ قلیل کے بدلے فروخت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد آیت

تلاوت فرمائی، ترجمہ: ”اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھڑا،

جب روند گئیں اس کورات میں ایک قوم کی بکریاں، اور سامنے تھا ہلے ان

کا فیصلہ، پھر بھجا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم

اور سمجھ۔“ (سورۃ الانبیاء..... ۷۸، ۷۹) تو یہاں اللہ تعالیٰ نے سلیمان کی

تعریف تو فرمائی مگر داؤد علیہ السلام کو ملامت نہیں کی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملہ میں مذکورہ بات نہ فرماتا تو یقیناً تمام قاضی ہلاکت کے مقام پر نظر آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعریف اس کے علم پر فرمائی اور دوسرے کو اس کے اجتہاد پر معذور قرار دیا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی جناب کے پیش نظر ہو گا:

”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنِّي يَأْتِينِي الْخَصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ أَن يَكُونَ أَبْلَغُ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ، فَأَقْضِي لَهُ، فَمَنْ قَضَيْتَ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيَحْمِلْهَا وَ

يَذَرُهَا“ (بخاری صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔ میرے پاس لوگ مقدمات لے کر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک فریق دوسرے سے چرب زبان ہو۔ میں اس کو سچا سمجھ کر فیصلہ اس کے حق میں کر دیتا ہوں۔ تو غور سے سنو کہ اس طرح جس کو میں نے کسی دوسرے کا حق دلا دیا تو یاد رکھو یہ آگ کا لکڑی کا ٹکڑا ہے اب چاہے تو اس کو لے لے اور چاہے پھوڑ دے۔“

”وعند أبي داود (۱۴۷/۲): إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ

بِرَأْيٍ فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهِ“

ترجمہ: اور ابو داؤد (۱۴۷/۲) میں یہ الفاظ مذکور ہیں: ”جب کسی معاملہ میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی تو تمہارے درمیان فیصلہ اپنی رائے سے ہی کرتا ہوں۔“

اور یہ ارشاد نبویؐ بھی آپ کے علم میں ہو گا:

”إِذَا حُكِمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا

حُكِمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ“

(بخاری صفحہ ۱۰۹۲، جلد ۲۔ مسلم صفحہ ۷۶، جلد ۲)

ترجمہ: جب حاکم نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو اس کے لئے دواجر ہیں۔ اور اگر اس نے فیصلہ تو اپنے اجتہاد سے کیا مگر اس میں غلطی ہو گئی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔“

نیز متعدد مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ”لا ادری“ فرمنا اور چند مواقع پر ”اخیرنی بہ جبریل انفا“ فرمنا بھی جناب کو معلوم ہو گا۔ الغرض کسی مسئلہ میں کسی عالم کا ”لا ادری“ کہنا، یا جواب میں چوک جانا اہل عقل کے نزدیک اس کے علم و فضل کے منافی نہیں، نہ اس کے علم و فہم سے یکسر اعتماد اٹھ جانے کی دلیل ہے۔ اس لئے ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ ایسے لوگوں کی اتباع کیسے کی جائے جن سے ایک آدھ موقع پر خطا کا صدور ہوا محض مشاغفہ ہے۔ مجھے آنجناب جیسے کسی عاقل سے توقع نہیں تھی کہ وہ ابن حزمؒ کے اس مغالطہ کو لے اڑے گا اور صحابہ کرامؓ کے خلاف اسے اپنے دلائل کی فرست میں ٹٹک لے گا۔

دوسرا نکتہ: یہ امر بھی کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں کہ ایک طالب علم اپنے زمانہ طالب علمی میں بسا اوقات بہت سے امتحانی پرچوں میں چوک جاتا ہے اور امتحان اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تا آنکہ یہ طالب علم اپنے تعلیمی مراحل طے کر لیتا ہے اور اپنے نصاب کے اعلیٰ ترین امتحانات میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور بطور مثال ایران و عراق سے ”سند اجتہاد“ حاصل کر لیتا ہے، اور علم و فضل کی بنا پر اسے ”آیت اللہ العظمیٰ“ کے خطاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص ان ”آیت اللہ“ صاحب کی زمانہ طالب علمی کی غلطیوں کا حوالہ دے کر لوگوں کو یہ باور کراتا پھرے کہ اس شخص کا علم و فہم لائق اعتماد نہیں، دیکھو! اس نے فلاں فلاں موقعوں پر غلطیاں کی تھیں، اور اس کے اساتذہ نے اس کی فلاں فلاں غلطیوں کی نشاندہی کی تھی اور اس پر ”قدا خطاء“ کا فتویٰ صادر کیا تھا، پس یہ صاحب جو ”آیت اللہ“ بنے پھرتے ہیں، جب ان کے ماہر اساتذہ ان پر ”قدا خطاء“ کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں تو ان کے علم و فہم کا کیا اعتبار؟ ان کی اتباع و اقتدا کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ اور علمی مسائل میں ان کا قول اور ان کی رائے کس طرح لائق اعتماد قرار دی جاسکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا یہ پروپیگنڈا ہر عاقل کے نزدیک ایک

احتمالہ طرز عمل کھلائے گا، اس لئے کہ اہل عقل کے نزدیک زمانہ طالب علمی کی بھول چوک اور غلطیوں کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے فادرغ التحصیل ہونے پر اس کے نامور اساتذہ نے اسے جو سند فضیلت عطا فرمائی اور اس کو جو خطابات دیئے ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جتنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ مدرسہ نبویؐ کے طالب علم تھے، معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تدریب پر منجاب اللہ مامور فرمایا گیا تھا، زمانہ طالب علمی میں ان حضرات سے امتحانی پرچوں میں یہ بھول چوک بھی ہوتی رہی ہوگی، ان کے استاد مقدس و محترم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح و تربیت بھی فرمائی ہوگی، اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہوگی، لیکن یہ سب ان کی طالب علمی کے واقعات ہیں، مگر مدرسہ نبوتؐ کے یہ باکمال طالب علم جب فادرغ التحصیل ہو کر نکلے تو ”خیر امت“ کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔ ”رضی اللہ عنہم“ کا تمغہ ان کو عطا کیا گیا، ”اخرجت للناس“ کی مسند ارشاد ان کے لئے آراستہ کی گئی، اور مدرسہ نبوتؐ کے ان باکمال شاگردوں کو پوری انسانیت کے مرشد و مربی اور معلم کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ حضرات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید اور تمام دنیا کے استاذ اور معلم تھے۔ ان حضرات کو نبوتؐ کے دارالعلوم کی طرف سے جو سند فضیلت عطا کی گئی، اس کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں:

”عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ قال: کنا

جلوسا عند النبی ﷺ فقال: إني لا أدری ما قدر بقائی

فیکم، فاقتدوا بالذین من بعدی، وأشار إلی أبی بکر

وعمر، واهتدوا بهدی عمار، وما حدثکم ابن مسعود

فصدقوه“ (اخرجہ الترمذی، جامع الاصول..... صفحہ ۵۷۲، جلد ۸)

ترجمہ: ”حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے

ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ اب میں کتنا عرصہ تم لوگوں میں رہوں گا۔ تو میرے بعد تم دو صاحبوں کی اتباع کرنا۔ اور آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور عمارؓ کی راہ سے ہدایت پانا۔ اور جو کچھ عبداللہ بن مسعودؓ (میری طرف سے) بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔“

”عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قال: قال

رسول الله ﷺ: «اقتدوا بالذين من بعدى من

أصحابي: أبى بكر وعمر، واهتدوا بهدى عمار، وتمسكوا

بعهد ابن مسعود“ (رواه الترمذی، مشکوٰۃ..... صفحہ ۵۷۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد میرے اصحاب میں سے دو صاحبوں یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا۔ عمارؓ کی راہ سے ہدایت پانا اور ابن مسعودؓ کے طریقہ کو تھامے رکھنا۔“

”عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله

عنهما، ذكر عنده عبد الله بن مسعود فقال: لا أزال

أحبه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: «خذوا القرآن من

أربعة: من عبد الله، وسالم، ومعاذ، وأبى ابن كعب“

وفى رواية «استقرءوا القرآن من أربعة: من ابن مسعود،

فبداً به، وسالم مولى أبى حذيفة، ومعاذ، وأبى“

(جامع الأصول ص: ۵۶۸، ج: ۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ایک مرتبہ ان کے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے میں تو ہمیشہ سے ان کو محبوب رکھتا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن کریم کو چار حضرات سے حاصل کرو اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ ہیں۔“

”اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ قرآن پڑھنا چاہئے سیکھو۔
ابن مسعودؓ سے، انہی کے نام سے آپؐ نے ابتدا فرمائی، ابو حذیفہ کے غلام
سالمؓ سے اور معلوؓ سے اور ابیؓ سے۔“

اب ان کی اس تکمیل اور سند فضیلت کے بعد اگر کوئی شخص ان کی زمانہ طالب علمی
کی بھول چوک کا حوالہ دے کر ان کی اتباع سے انسانیت کو برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو اہل عقل
کے نزدیک اس کا طرز عمل یا تو اس کی حد سے بڑھی ہوئی عقلیت کا مظہر ہے یا اس کے
بغض و عناد کا آئینہ دار۔ بہر حال مدرسہ نبوتؐ کے باکمال فضلاء کے بارے میں اس کی یہ
رائے اہل عقل کے نزدیک لائق التفات نہیں۔

حافظ ابن حزمؒ بہت بڑے آدمی ہیں، علم و فضل کی بلند چوٹی پر فائز ہیں، اور یہ
ناکارہ ان کے سامنے طفل مکتب اور کودک نادان کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ لیکن حافظ
ابن حزمؒ اپنے علم و فضل کے باوصف۔۔۔ جہاں اکابر امت سے الگ راستہ اختیار کرتے
ہیں وہاں اکثر و بیشتر، اپنی بڑھی ہوئی عقلیت و ذہانت کی بنا پر، ٹھوکر کھاتے ہیں۔ زیر بحث
مسئلہ میں ان کا ٹھوکر کھانا بھی ان کے شذوذ کی نحوست ہے۔ اس لئے ان کے استدلال کا
تیر ٹھیک نشانے پر نہیں لگ سکا اور اس ناکارہ نے اپنی نادانی و کم عقلی اور بے علمی و بیج
میرزی کے باوجود اس مسئلہ میں ابن حزمؒ کی چوک پر جو متنبہ کیا، اس کی مثال وہی ہے جو
بزرگوں نے فرمایا ہے:

گاہ باشد کہ کودک نادان

بغلط بر ہدف زند تیرے

حضرت ابو بکرؓ کی خطا کا واقعہ

نامناسب نہ ہو گا اگر یہاں اس واقعہ کی وضاحت کر دی جائے جس کے بارے
میں ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ ”ان ابا بکر قد اخطأ فی تفسیر فسرہ“ یہ واقعہ صحیح بخاری
و صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ میں مروی ہے:

”إن رجلاً أتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول

اللہ! اِنی اُری اللیلة فی المنام ظله تنطف السمن والعسل
 فأری الناس یتکفون منها بأیدیهم فالمستکثر والمستقل
 وأری سبیا واصلا من السماء إلى الأرض فأراک أخذت
 به فعلوت ثم أخذ به رجل من بعدک فعلا ثم أخذ به رجل
 آخر فعلا ثم أخذ به رجل فانقطع به ثم وصل له فعلا قال
 أبو بکر یا رسول اللہ! بأبی وأمی أنت والله لتدعنی
 ففلا عبرنا قال رسول اللہ ﷺ: اعبرها قال أبو بکر أما الظلة
 فظلة الإسلام وأما الذی ینطف من السمن والعسل
 فالقرآن حلاوته ولینہ وأما ما یتکف الناس من ذلک
 فالمستکثر من القرآن والمستقل وأما السبب الواصل من
 السماء إلى الأرض فالحق الذی أنت علیہ تأخذ به فیعلیک
 اللہ به ثم یأخذ به رجل من بعدک فیعلوبه ثم یأخذ به رجل
 آخر فیعلو به ثم یأخذ به رجل آخر فینقطع به ثم یوصل له
 فیعلو به فأخبرنی یا رسول اللہ بأبی أنت وأمی! أصبت
 أم أخطأت قال رسول اللہ ﷺ: أصبت بعضا وأخطأت
 بعضا قال فواللہ یا رسول اللہ لتحدثنی ما الذی أخطأت
 قال لا تقسم“

(صحیح بخاری..... صفحہ ۱۰۴۳، جلد ۲۔ صحیح مسلم..... صفحہ ۲۴۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”(حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اپنے ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں، کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور

میں نے ایک رسی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی دیکھی اور میں نے آپؐ کو دیکھا کہ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر آپؐ کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑ کر چڑھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، اور پھر چڑ گئی اور وہ بھی چڑھ گیا۔

ابو بکرؓ نے یہ سن کر عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے مل باپ آپؐ پر فدا ہوں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس خواب کی تعبیر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا بیان کرو۔ انہوں نے کہا وہ سابقین تو اسلام ہے اور اس میں سے جو کئی اور شہد ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی حلاوت ہے۔ اور اس کے اٹھانے والے قرآن کے کم زیادہ حاصل کرنے والے ہیں۔ اور جو رسی آسمان سے زمین تک ملی ہوئی ہے وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نازل فرمایا ہے، اسی کو قلمے رکھنے سے اللہ تعالیٰ آپؐ کو اوپر چڑھائے گا۔ اور پھر آپؐ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا، پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔ پھر ایک اور شخص اس کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، مگر پھر چڑ جائے گی اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔

یا رسول اللہ! آپؐ پر میرے مل باپ قربان ہوں، فرمائیے کہ میں نے ٹھیک تعبیر دی یا غلط؟ آپؐ نے فرمایا کچھ ٹھیک دی، کچھ غلط۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپؐ کو خدا کی قسم ہے جو میں نے غلط کہا ہے وہ مجھے بتادیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم نہ دو۔

اس واقعہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا خطا ہوئی تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ اور شلاحین حدیث نے اس سلسلہ میں متعدد احتمالات لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس خواب میں خلفائے راشدینؓ کی خلافت حقہ کی طرف جو اشارہ تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعیین نہیں فرمائی۔ یہ تھی وہ خطا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”قولہ اخطأت بعضا علماء در وجہ خطا سخنہا گفتہ اند، لیکن آنچہ بذہن
 ایں فقیر مقرر شدہ آنست کہ مراد از خطا ترک تسمیہ ایں خلفاء است یوحی
 از استعارہ بلفظ خطا تعبیر کردہ شدہ ست۔
 (ازالۃ الخفاء..... صفحہ ۲۸، جلد ۱)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”اخطأت بعضا“ کی علماء
 نے کئی ایک وجہ بیان کی ہیں۔ مگر اس فقیر کے نزدیک صرف یہی خطا اس میں
 ہوئی کہ خلفاء کے نام ذکر نہیں کئے اس کو بطور استعارہ خطا سے تعبیر فرما
 دیا۔“

اول تو یہ واقعہ۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک خواب کی تعبیر سے متعلق
 تھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسمائے خلفاء کو ذکر نہ کرنا تا دبا مع رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابن حزمؒ کی نازک مزاجی کی داد دیجئے
 کہ وہ اس واقعہ سے یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ کسی صحابی کی تہلیل روا نہیں۔ ذرا انصاف
 کیجئے کہ اگر کسی عالم سے کسی خواب کی تعبیر میں کچھ بھول چوک ہو جائے تو کیا اہل عقل کے
 نزدیک یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ عالم شریعت کے کسی مسئلہ میں بھی لائق اعتماد نہیں رہا؟
 لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت عمرؓ کی تاویل کا واقعہ

حافظ ابن حزمؒ نے (وکذب عمر فی تاویل تأولہ فی الہجرۃ) کے
 مہیب الفاظ سے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی حقیقت بھی سن لیجئے:
 یہ واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مہاجرین حبشہ
 حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کی حبشہ سے واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی تھی، انہی
 مہاجرین میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ایک دن حضرت اسماءؓ
 ام المؤمنین حضرت حفصہؓ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی) سے ملنے ان
 کے گھر آئی ہوئی تھیں، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی صاحب زادی کے گھر
 آئے، پوچھا! یہ کون خاتون ہیں؟ بتایا گیا کہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے ان سے مزاحاً فرمایا:

”سبقنا کم بالہجرة فنحن احق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکم“

ترجمہ: ”ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق تم لوگوں سے زیادہ ہے۔“

اس پر حضرت اسماء بگز گئیں اور کہا کہ ہرگز نہیں! تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپؐ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، ٹاوا قفوں کو تعلیم فرماتے تھے اور ہم دور دراز کی پرانی سرزمین میں تھے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے تھا۔ اور بخدا! میں کھانا نہیں کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ تمہاری اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ نہ کر لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ سے حضرت عمرؓ کی بات ذکر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لیس باحق بی منکم ولد ولا صحابہ ہجرة واحدة ولکم انتم -

اہل السفینۃ ہجرتان -“

(بخاری صفحہ ۶۰۷، جلد ۲ - مسلم صفحہ ۳۰۴، جلد ۲)

ترجمہ: ”ان کا تعلق مجھ سے تم لوگوں کی نسبت زیادہ نہیں، کیونکہ ان

لوگوں کو ایک ہجرت نصیب ہوئی اور اے اہل سفینہ تم لوگوں کو دو ہجرتیں

نصیب ہوئیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ہمیں ہجرت میں سبقت نصیب ہوئی اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے، ازراہ مزاح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اس خاتون نے شکایت فرمائی تو ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ عمرؓ غلط کہتے ہیں، کیونکہ جن حضرات نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ان کو ایک ہجرت کا ثواب ملا، لیکن تم لوگوں کو دہری ہجرت کا ثواب ملا کہ تم لوگوں نے ایک بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار وہاں سے مدینہ کی طرف۔ اس لحاظ سے تمہیں ان پر

فضیلت حاصل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

”ظاہرہ تفضیلہم علیٰ غیرہم من المهاجرین، لکن لا یلزم
منہ تفضیلہم علی الاطلاق بل من الحیثیۃ المذكورۃ۔“
(فتح الباری..... صفحہ ۴۸۶، جلد ۷)

ترجمہ: ”بظاہر اس سے ان کی فضیلت باقی مہاجرین پر معلوم ہوتی ہے۔
لیکن اس سے ان کی فضیلت ہر لحاظ سے لازم نہیں آتی بلکہ صرف مذکورہ
حیثیت سے یہ فضیلت ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
معیت و رفاقت کا زیادہ موقع ملا، اس لئے ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
زیادہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین حبشہ کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ
تمہیں دہری ہجرت کا ثواب ملا۔ اس لئے تمہارا تعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے کم نہیں۔

لیجئے اتنی سی بات تھی جس کو بنگلہ بنا کر پیش کیا گیا۔ اور اس سے یہ ”کلیہ“ اخذ
کر لیا گیا کہ کسی مسئلہ میں کسی صحابی کے قول کو نہ لیا جائے۔ اس عقل و دانش کی داد کون
نہیں دے گا؟

ابو السائبؒ کا واقعہ:

حافظ ابن حزمؒ نے ابو السائب رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سبیعہؓ بنت حارث سعد بن خولہؓ کے نکاح میں تھیں۔
حجۃ الوداع میں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ یہ حاملہ تھیں۔ شوہر کی وفات کے چند دن
بعد ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ چونکہ وضع حمل سے ان کی عدت پوری ہو گئی تھی
اس لئے انہوں نے عقد کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو السائب بن بککؓ نے ان سے کہا کہ
شاید تم نکاح کا ارادہ کر رہی ہو؟ جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزر جاتے تم عقد
نہیں کر سکتیں! سبیعہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ

نے فرمایا کہ وضع حمل سے تہمدی عدت پوری ہو چکی ہے، تم چاہو تو عقد کر سکتی ہو۔
(صحیح بخاری..... صفحہ ۸۰۲، جلد ۲۔ صحیح مسلم..... صفحہ ۳۸۶، جلد ۱)

سورہ بقرہ آیت ۲۳۴ میں متوفی عنہا الزوج کی عدت چار مہینے دس دن بیان کی گئی ہے۔ اور سورہ الطلاق آیت ۴ میں حلالہ عورتوں کی عدت وضع حمل ذکر کی گئی ہے۔ مؤخر الذکر آیت میں چونکہ مطلقہ عورتوں کا ذکر چل رہا تھا، جب کہ اول الذکر آیت متوفی عنہا الزوج کے بارے میں ہے، اس لئے حضرت ابو السئلؓ کے فتویٰ کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے اول الذکر آیت کو حلالہ اور غیر حلالہ کے لئے عام رکھا اور مؤخر الذکر آیت کو مطلقہ عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ سے معلوم ہوا کہ سورہ الطلاق کی آیت ۴ (واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن) تمام حلالہ عورتوں کو عام ہے۔ خواہ مطلقہ ہوں یا متوفی عنہا الزوج ہوں، اور سورہ بقرہ کی محولہ بلا آیت غیر حلالہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو السئلؓ نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی قوی بنیاد موجود تھی اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سببہ کے قصہ میں چار مہینے دس دن سے قبل حلالہ متوفی عنہا الزوج کی عدت کے پورا ہو جانے کی تصریح نہ ہوتی تو شاید اکثر اہل علم وہی فتویٰ دینے پر مجبور ہوتے جو ابو السئلؓ نے دیا تھا۔

الغرض ابو السئلؓ کے قصہ میں زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا ہوئی، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمادی۔ اور جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں، مجتہد اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اس کو بھی ایک اجر ملتا ہے، اس لئے اس واقعہ سے یہ استدلال کرنا کہ صحابیؓ کی تقلید صحیح نہیں، یہ بات حافظ ابن حزمؒ کی عقل ہی میں آ سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

یہاں آنجناب کی توجہ ایک اور نکتہ کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جس حلالہ عورت کا شوہر انتقال کر جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو السئلؓ کے فتویٰ کے خلاف اس کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتویٰ کے بعد جمہور علماء

سلف اور ائمہ فتویٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فتویٰ کے مطابق فتویٰ دیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ وہی رہا جو ابوالسنبلؒ نے دیا تھا۔ اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

”وقد قال جمهور العلماء من السلف رأى أئمة الفتوى

فى الأمصار: إن الحامل إذا مات عنها زوجها تحل بوضع الحمل وتنقضى عدة الوفاة، وخالف فى ذلك على فقال:

تعتد آخر الأجلين، ومعناه أنها أن وضعت قبل مضى أربعة أشهر وعشر تربعت إلى انقضائها ولا تحل بمجرد الوضع، وإن انقضت المدة قبل الوضع تربعت إلى الوضع.

أخرجه سعيد بن منصور وعبد بن حميد عن على بسند صحيح، وبه قال ابن عباس كما فى هذه القصة، ويقال

إنه رجع عنه، ويقويه أن المنقول عن اتباعه وفاق الجماعة

فى ذلك“ (فتح الباری..... صفحہ ۴۷۳، جلد ۹)

ترجمہ: ”جمہور علمائے سلف اور ائمہ فتویٰ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وضع حمل کے ساتھ ہی وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور اسی کے ساتھ اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ حضرت علیؑ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسی عورت دونوں مدتوں میں سے بعد والی مدت تک عدت گزارے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو گیا تو وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی۔ صرف وضع حمل سے وہ آزاد نہ ہوگی۔ اور اگر مدت مذکورہ وضع حمل سے پہلے پوری ہو گئی تو وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

حضرت علیؑ سے یہ فتویٰ سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔ ابن عباسؓ کا قول

بھی یہی تھا۔ پھر انہوں نے اس قتل سے رجوع کر لیا اور ان سے اجماع امت کے ابتداء کا متعلق ہونا اس (رجوع) پر قوی دلیل ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو فتویٰ نقل کیا ہے شیعہ مذہب کی مستند کتابوں میں اسی کے مطابق فتویٰ ہے۔ چنانچہ ”فروع کلنی“ میں اس سلسلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ یہاں دو روایتیں نقل کرتا ہوں:

۴۔ محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد، عن علي بن الحكم، عن موسى بن بكر، عن زورارة، عن أبي جعفر (علیہ السلام) قال: عدة الماتوفی عنها زوجها آخر الأجلین لأن علیها أن تعد أربعة أشهر وعشراً وليس علیها فی الطلاق أن تعد.

۵۔ علی بن ابراہیم، عن أبيه، وعدة من أسعابنا، عن سهل بن زياد، عن ابن أبي بجران، عن عاصم بن جید، عن محمد بن قیس، عن أبي جعفر (علیہ السلام) قال: قضی أمير المؤمنين (علیہ السلام) فی امرأة توفی عنها زوجها وهي حلی فولدت قبل أن تنقضی أربعة أشهر وعشر فتزوجت قضی أن یخلی عنها ثم لا یخطبها حتی تنقضی آخر الأجلین فان شاء أولیاء المرأة أنکحوها وإن شاءوا أنکحوها فان أنکحوها ردوا علیها ماله.

(الفروع من الکلی..... صفحہ ۱۱۳، جلد ۶۔ مطبوعہ تہران)

۴۔ ترجمہ: ”زورارہ نے ابو جعفر سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ متوفی عننا زوجہا کی عدت دونوں مدتوں میں سے آخر میں پوری ہونے والی ہوگی۔ کیونکہ وہ چار ماہ دس دن تو (بہر حال) سوگ منائے گی۔ جبکہ طلاق کی صورت میں اس سوگ کا سوال ہی نہیں۔“

۵۔ ترجمہ: ”محمد بن قیس ابو جعفر“ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت کا مقدمہ آیا جس کا شوہر وفات پاچکا تھا اور وہ حاملہ تھی۔ اس کے ہاں چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو اس نے (کسی سے) نکاح کر لیا۔ مگر آپؐ نے حکم فرمایا کہ شوہر اس کو اپنے سے علیحدہ کر دے اور آخری مدت پوری ہونے تک اس کو پیغام نکاح نہ بھیجے اس کے بعد اگر عورت کے اولیاء چاہیں تو اس کا نکاح کر دیں اور روکنا (منع کرنا) چاہیں تو روک لیں۔ البتہ روکنے (منع کرنے) کی صورت میں اس مرد سے (مروغیرہ میں) لیا ہوا

مل واپس لوٹا دیں۔

ان روایات کی روشنی میں ”تمذیب الاحکام“ اور ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے :

وإذا كانت للتوفیٰ منها زوجاً حاملاً فعدتها أمد الأجلین ، إن اتضعت أربعة أشهر وعشراً ولم تضع حملها فعدتها أن تضع حملها ، وإن وضعت حملها قبل انقضاء الأربعة أشهر وعشراً كلن عليها العدة أربعة أشهر وعشراً
(تمذیب الاحکام صفحہ ۱۵۰، جلد ۸)

ترجمہ: ”اور اگر متوفیٰ عمناء زوجاً حاملہ ہو تو اس کی عدت دونوں میں سے بعد والی مدت شمار ہوگی۔ یعنی اگر اس نے چار ماہ دس دن پورے کر لئے مگر وضع حمل نہ ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اور اگر چار ماہ دس دن گزرنے سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو بھی اس کو چار ماہ دس دن تک عدت میں ہی رہنا ہوگا۔“

۱۔ روی زرارة عن أبي جعفر عليه السلام قال :

والحلی المتوفی عنها زوجها بأمد الأجلین ، إن وضعت قبل أن تضع أربعة أشهر وعشرة أيام لم تنقض عدتها حتى تضع أربعة أشهر وعشرة أيام ، وإن مضت لها أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع لم تنقض عدتها حتى تضع .
(من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۳۲۹، جلد ۳)

ترجمہ: ”حاملہ جس کا شوہر فوت ہو گیا وہ دونوں میں سے بعد والی مدت تک عدت میں رہے گی۔ اگر اس کے ہاں چار ماہ دس دن سے قبل ہی ولادت ہو گئی تو اس سے اس کی عدت پوری نہیں ہوئی، بلکہ وہ چار ماہ دس دن عدت میں رہے گی۔ اور اگر وضع حمل سے پہلے ہی چار ماہ دس دن پورے ہو گئے تو بھی اس کی عدت اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔“

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ابوالستیلؒ اس لئے لائق اعتماد نہیں رہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی

اصلاح فرمادی تھی تو آنجناب کے نزدیک وہ بزرگ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کیسے لائق اعتماد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ صادر ہو جانے کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں؟ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اگر ایک صحابیؓ کے اجتہادی فتویٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح فرمادیں تو وہ صحابیؓ آنجناب کے نزدیک ناقابل اعتماد ٹھہرتے ہیں، اور دوسرے صحابیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فتویٰ کے خلاف فتویٰ صادر فرماتے ہیں وہ آپ کے نزدیک معصوم عن الخطا قرار پاتے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجیبت

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی، کہنا یہ ہے کہ جمہور ائمہ فتویٰ کے خلاف ابن حزمؒ کا موقف غلط اور ان کا استدلال بے جاں ہے۔

دوسری بحث: صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں، اس کے نقلی دلائل

آنجناب نے تحریر فرمایا تھا کہ عقلی و نقلی دلائل اتباع صحابہؓ کے ثبوت کا ساتھ نہیں دیتے۔ نقلی دلائل کی فہرست میں قرآن کریم، احادیث نبویہؐ اور اکابر امت کے ارشادات آتے ہیں۔ آئیے قرآن و سنت اور ارشادات اکابر کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیں۔

اتباع صحابہؓ قرآن کریم کی نظر میں

سب سے پہلے قرآن مجید کو لیجئے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے تصریحاً و تلویحاً صحابہ کرامؓ کا دوسرے لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک آیت میں ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں نقل کر چکا ہوں۔ جس میں صحابہ کرامؓ کے راستہ کو ”سبیل المؤمنین“ فرما کر اس سے انحراف کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ چار آیتیں اوپر ذکر کر چکا ہوں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہؓ صراط مستقیم پر تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ”صراط مستقیم“ پر چلنے کا خواہشمند ہو، اسے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی ہوگی۔ اور ان کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ یہاں مزید چند آیات نقل کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اتباع کا صراحتاً یا اشدۃً حکم فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت:

قوله تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ

قَالُوا أُنُؤِمِنْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ

لَا يَعْلَمُونَ﴾

(البقرة: ۱۳)

”وَأَسَدُ ابْنِ جَرِيرٍ (۱-۱۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ

مَسْعُودٍ وَنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَالرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ

وعبد الرحمن بن زید بن اسلم: فی قوله: ﴿قَالُوا أَوْفُوا كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ یعنون أصحاب محمد ﷺ ویقول الحافظ ابن کثیر فی تفسیره (۱-۵۰): ﴿قَالُوا أَوْفُوا كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ یعنون -لعنهم الله- أصحاب رسول الله ﷺ -رضی الله عنهم- قاله أبو العالیة والسدی فی تفسیره عن ابن عباس وابن مسعود وغیر واحد من الصحابة، وبه یقول ابن أنس وعبد الرحمن بن زید بن أسلم وغیرهم. وأخرج ابن عساکر فی تاریخہ بسند واه عن ابن عباس فی قوله: ﴿آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ قال أبو بکر وعمر وعثمان وعلى كما فی الدر (۱-۳۰).

(سورة البقرة..... ۱۳)

ترجمہ: ”اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے یوقوف۔ جان لو وہی ہیں یوقوف لیکن جاننے نہیں۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

”ابن جریر طبری (۱/۱۲۸) نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمت سے اصحابؓ (کے علاوہ) ربیع بن انس اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے فرمان باری تعالیٰ ”انؤمن کما آمن السفہاء“ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ ”وہ اس سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے تھے۔“ اور حافظ ابن کثیر (۱/۵۰) کہتے ہیں کہ ”انؤمن کما آمن السفہاء“ سے ان ملعونوں کی مراد اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابو العالیہ اور سدی نے بھی ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ہمت سے صحابہؓ سے یہی تفسیر نقل کی ہے اور یہی قول ابن انس اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ حضرات کا ہے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن عباسؓ سے ایک کمزور سند کے ساتھ ان کا یہ قول درج کیا ہے کہ:

”امنوا کما آمن الناس“ یعنی جیسے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم ایمان لائے)۔

اس آیت شریفہ میں منافقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور اس کے جواب میں منافقین کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ منافق خود ہی احمق اور بیوقوف ہیں، مگر ان کو علم ہی نہیں کہ عقل و خرد کسے کہتے ہیں اور حماقت و بیوقوفی کیا چیز ہے؟ اس آیت شریفہ سے چند امور مستفاد ہوئے:

اول: صحابہ کرامؓ کا ایمان کامل اور معیاری تھا، جس کے مطابق ایمان لانے کی منافقین کو دعوت دی گئی، اگر ان کا ایمان ناقص یا مشتبہ ہوتا تو منافقین کو یہ دعوت ہرگز نہ دی جاتی کہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم کے جیسا ایمان لائیں۔

دوم: ایمان اور ایمانیات میں صحابہ کرامؓ کی ابتلع واجب ہے اور وہ تمام لوگ جو ایمان کے مدعی ہیں ان کا فرض ہے کہ اپنے ایمان کا صحابہ کرامؓ کے ایمان کی کسوٹی پر امتحان کریں۔

سوم: صحابہ کرامؓ کے حق میں گستاخیاں کرنا، ان کو احمق و بے عقل کہنا اور ان کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کرنا منافقوں کا وسیعہ ہے۔

چہارم: جو شخص صحابہ کرامؓ کے حق میں زبان درازی کرے حق تعالیٰ شلہ کی جانب سے اس کو اسی طرح کا جواب دیا جاتا ہے۔ جو شخص ان کو احمق کہے، وہ عند اللہ خود احمق ہے۔ اور جو شخص ان کو بے ایمان یا منافق کہے وہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں خود بے ایمان اور منافق ہے۔

پنجم: جو لوگ صحابہ کرامؓ پر طعن کرتے ہیں، ان کی یادہ گوئی ان کی بے علمی، حقیقت ناشناسی اور جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔

دوسری آیت:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ
 مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
 أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ
 فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ
 وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

(البقرہ..... ۱۳۶، ۱۳۷)

ترجمہ: ”تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ابراہیم پر اور جو اسماعیل پر اور جو اسحاق پر اور جو یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرما پروردگار ہیں۔“

سواگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے تو ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر، سواب کلنی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔“

(ترجمہ شیخ السند)

پہلی آیت میں صحابہ کرامؓ کو ایمانیات کے ایک حصہ کی تلقین فرمائی گئی ہے، دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اہل کتب اگر تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت کو پالیں گے، ورنہ وہ شقاق و نفاق میں مبتلا رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے شر سے آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمانیات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان معیاری ہے اور تمام انسانوں کے لئے ہدایت کو ان کے جیسا ایمان لانے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ لہذا ایمان اور ایمانیات میں بھی صحابہ کرامؓ کی اتباع شرط ہدایت ہے۔

تیسری آیت: ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿

(سورہ توبہ..... ۱۰۰، ۱۰۱۔ ترجمہ شیخ المنذ)

ترجمہ: ”اور جو لوگ قدم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے بلع کہ بستی ہیں نیچے ان کے سر میں رہا کریں انہی میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور بعض تسمدے گرد کے گنور منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ والے، اڑ رہے ہیں نفاق پر۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں۔ ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔“

اس آیت شریفہ میں چند افادات ہیں:

اول: حضرات مہاجرین و انصار میں سے جو السابقون الاولون ہیں ان سے غیر مشروط طور پر چار وعدے فرمائے گئے:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے راضی ہوا۔
- ۲۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔
- ۳۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔
- ۴۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا گیا کہ ان چار وعدوں کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

دوم: مہاجرین و انصار کے علاوہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں سے بھی یہی چار وعدے ہیں، مگر اس شرط پر کہ یہ لوگ حسن و خوبی اور اخلاص کے ساتھ مہاجرین و

انصار کی پیروی کریں۔ اس سے واضح ہوا کہ بعد کی پوری امت پر مہاجرین و انصار کی اتباع بلا حسان لازم ہے اور یہ ان کی قبولیت عند اللہ کے لئے شرط اعظم ہے۔

سوم: دوسری آیت میں مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے نفاق میں پختہ کار ہیں۔ حضرات مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ السابقون الاولون مہاجرین و انصار میں سے کوئی شخص منافق نہیں تھا۔

الغرض اس آیت شریفہ میں آنے والی تمام امت پر مہاجرین و انصار کی پیروی لازم کی گئی ہے جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ واجب الاتباع ہیں۔

چوتھی آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(آل عمران ۱۱۰۔ ترجمہ شیخ المنذ)

ترجمہ: ”تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ

پر۔“

اس آیت شریفہ میں خطاب اولاً و بالذات ان صحابہ کرامؓ سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ان کی چار صفات ذکر فرمائی گئی ہیں۔

- ۱۔ ان کا سب سے بہتر جماعت ہونا۔
- ۲۔ تمام انسانیت کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کے لئے ان کا بروئے کار

لایا جانا۔

۳۔ ان کا آمر بالمعروف اور ”ناہی عن المنکر“ ہونا۔

۴۔ اور ان کا قطعی و یقینی مومن ہونا۔

چونکہ آیت شریفہ میں صحابہ کرامؓ کو ”خیر امت“ کا تاج پہنا کر انہیں پوری

انسانیت کا مرشد و مربی قرار دیا گیا ہے اس لئے ان کے بعد کے تمام لوگوں پر ان کے ارشاد کی تعمیل واجب ہوگی۔

نیز ان حضرات کو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر فرمایا گیا ہے، اس سے ہلکتا ہوا کہ ان حضرات نے جس چیز کا حکم دیا وہ عند اللہ معروف ہے، اس لئے اس کی تعمیل واجب ہے۔ اور جس چیز سے ان حضرات نے منع فرمایا وہ عند اللہ منکر ہے، اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

سردست انہی چار آیات پر اکتفا کرتا ہوں جن میں صحابہ کرامؓ کی اقتدا و اتباع پوری امت کے لئے واجب کی گئی ہے، اور یہ ہلکتا کیا گیا ہے کہ بعد کی امت کا کوئی عقیدہ و عمل صحابہ کرامؓ کی اتباع کے بغیر لائق اعتبار نہیں۔

اتباع صحابہؓ احادیث نبویہ کی روشنی میں

احادیث شریفہ میں بھی صراحتاً و اشارۃً حضرات صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے تمسک کا حکم فرمایا گیا ہے۔ یہاں چار احادیث ذکر کرتا ہوں :

پہلی حدیث :

”عن علی قال قلت یا رسول اللہ ان نزل بنا أمر

لیس فیہ بیان أمر ولا نہی فما تأمرنی قال شاوروا فیہ

الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ، (رواہ

الطبرانی فی الأوسط ورجالہ موثقون من أهل الصحيح)

(مجمع الزوائد..... صفحہ ۷۸، جلد ۱)

ترجمہ : ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر (آپ کے بعد) ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جائے کہ اس میں امر و نہی کا کوئی بیان پہلے سے موجود نہ ہو تو آپ کا ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت فقہاء و عابدین سے مشورہ کرو اور کسی ایک خاص شخص کی رائے پر عمل پیرا مت ہونا۔“

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع حجت ہے۔ چنانچہ حافظ نور الدین ہیشمیؒ نے اس حدیث کو ”باب الاجماع“ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اجماع صرف فقہاء و عابدین کا معتبر ہے، غیر فقہاء اور اہل ابھواء کے اقوال لائق التفات نہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فقہاء و عابدین کے مشورہ کے محتاج تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور خاص اس کی وصیت فرمائی تھی۔

دوسری حدیث :

”وعن أبی بردة عن أبيه قال رفع يعني النبي ﷺ رأسه إلى السماء وكان كثيرا ممن يرفع رأسه إلى السماء فقال النجوم أمانة للسماء فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد وأنا أمانة لأصحابي فإذا ذهبت أنا أتى أصحابي ما يوعدون وأصحابي أمانة لأمتي فإذا ذهبت أصحابي أتى أمتي ما يوعدون“ رواه مسلم

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا جیسا کہ اکثر آپؐ (انتظار وحی میں) اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھالیا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ ستارے آسمان کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں، جس وقت یہ ستارے جلتے رہیں گے تو آسمان کے لئے وہ چیز آجائے گی، جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے صحابہؓ کیلئے امن و سلامتی ہوں جب میں انھ جلاؤں گا تو صحابہ اس چیز میں جٹا ہو جائیں گے جو موعود مقدر ہے۔ اور میرے صحابہؓ میری امت کے لئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔ جب یہ دنیا سے اٹھ جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آپزے گی جو موعود مقدر ہے۔“

”قال فی جامع الأصول (۸/۵۵۵): (أتی

اصحابی مایوعدون) إشارة إلى وقوع الفتن، ومبجى الشر عند ذهاب أهل الخير، فإنه لما كان صلی اللہ علیہ وسلم بین أظهرهم كان یبین لهم ما یختلفون فیہ، فلما فقد جالت الآراء واختلفت فكان الصحابة یسندون الأمر إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی قول أو فعل أو دلالة حال، فلما فقد الصحابة قل النور وقویت الظلمة“.

”صاحب جامع الاصول (۵۵۵/۸) لکھتے ہیں کہ ”اے اصحابی مایوعدون“ میں فتنوں کے ظہور اور اہل خیر کے اٹھ جانے کے باعث شر پھیلنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان موجود تھے تو ان کے بھی کسی اختلاف کی صورت میں آپ ان کو صحیح رہا کرتے رہے۔ مگر آپ کے وصال کے بعد مخالف آراء سامنے آئیں اور اختلاف رونما ہوا۔ البتہ صحابہ کرامؓ کسی بھی پیش آمد مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا دلالت حل (تقریر) سے رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ اور جب صحابہؓ اٹھ گئے تو نور (علم) مدھم ہو گیا اور ظلمت قوی تر ہو گئی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت ابواء و بدعات سے پاک تھی، اس لئے امت کو عقائد و اعمال میں ان حضرات کے نقش قدم کی پیروی لازم ہے۔

تیسری حدیث: ”وعن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ أن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین

یلونہم۔ قال عمران: فلا أدری أذكر بعد قرنه: قرنین أو

ثلاثة؟۔ ثم إن بعدہم قوم یشہدون ولا یشہدہون،

وینحونون ولا یؤتمنون، ویندرون ولا یوفون، ویظہر فیہم

السنن“۔ (بخاری..... صفحہ ۵۱۵، جلد ۱۔ مسلم..... صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر لوگ میرے دور کے ہیں، پھر جو ان سے متصل ہوں گے، پھر وہ جو ان سے متصل ہوں گے۔ حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپؐ نے اپنے دور کے بعد دو ادوار کا ذکر فرمایا یا تین کا پھر اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ وہ (خواہ مخواہ) قسمیں کھائیں گے حالانکہ ان سے قسم طلب نہ کی جائے گی۔ خائف ہوں گے امت دار نہ ہوں گے، نذر نہیں گے مگر پوری نہ کریں گے۔ ان پر موٹا چڑھا ہوگا۔“

یہ حدیث متواتر ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ان میں سے چند

اسماء گرامی یہ ہیں:

- ۱- عبد اللہ بن مسعود (بخاری صفحہ ۵۱۵، جلد ۱۔ مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۲- عمر بن خطاب (ترمذی صفحہ ۵۴، جلد ۱۔ عبد الرزاق صفحہ ۳۷۱، جلد ۱۱)
(مسند حمیدی صفحہ ۱۹، جلد ۱۔ مجمع الزوائد صفحہ ۱۹)
- ۳- ابو ہریرہ (صحیح مسلم صفحہ ۳۰۹، جلد ۲)
- ۴- عائشہ (صحیح مسلم صفحہ ۳۱۰، جلد ۲)
- ۵- بریدہ اسلمی (مجمع الزوائد صفحہ ۱۹، جلد ۱۰)
- ۶- نعمان بن بشیر (.....)
- ۷- انس (.....)
- ۸- سمرہ بن جندب (.....)
- ۹- ابو ہریرہ اسلمی (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰، جلد ۱۰)
- ۱۰- جعد بن سبیرہ (.....)
- ۱۱- جلیلہ بنت ابی جہل (.....)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الترتیب تین زمانوں کو خیر القرون فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا بہترین حصہ

حضرات صحابہ کرامؓ تھے۔ یہ حدیث گویا قرآن کریم کی آیت ”کنتم خیر اُمتہ“ کی تفسیر ہے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سب سے افضل حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے اس لئے اس آیت و حدیث کی روشنی میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ صحابہ کرامؓ کے دور کو خیر القرون قرار دینے سے مدعا یہ ہے کہ بعد کی امت کے لئے وہ مثالی نمونہ ہیں۔ لہذا جو شخص صحابہ کرامؓ کی جس قدر پیروی کرے گا وہ اسی قدر موصوف بالخیر ہوگا۔

چوتھی حدیث:

”ومن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ لما بعثه إلى اليمن قال: كيف تقضى إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله، قال فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله ﷺ، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله؟ قال: أجتهد رأيي ولا آلو، قال فضرب رسول الله ﷺ على صدره، وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله ﷺ لما يرضى به رسول الله. (رواه الترمذی وأبو داؤود)

(والدارمی) (مکثورہ..... صفحہ ۳۲۳)

ترجمہ: ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کا والی بنا کر) بھیجا تو پوچھا کہ جب تجھے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا پڑے تو کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا، کتب اللہ سے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر اس کا حل کتب اللہ میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ (تو کیا کرو گے) عرض

کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر چھکی دی اور فرمایا، اس اللہ ہی کے لئے حمد ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس نے رسول اللہ کو خوش کر دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجتہادی فیصلے بھی حجت شرعیہ ہیں اور ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر رضامندی ثبت ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

وَسَيَهْلِكُ فِيْ صِنْفَانِ : مُجِبٌ مُّفْرِطٌ يَنْقَبُ بِهِ
الْعُتْبُ اِلَى غَيْرِ الْحَقِّ ، وَ مُبْتَضِعٌ مُّفْرِطٌ يَنْقَبُ بِهِ الْبُغْضُ اِلَى غَيْرِ الْحَقِّ .
وَيُخَيِّرُ النَّاسَ فِيْ حَالٍ اَلْاَسْطُ اَلْاَوْسَطُ فَالزَّمُوْهُ . وَ اَلزَّمُوْا لِسَوَادِ الْاَعْظَمِ
فَاِنْ يَنْدِ اَللّٰهُ مَعَ الْجَمَاعَةِ . وَاِيَّاكُمْ وَ اَلْمُفْرَقَةَ !

فَاِنْ اَلشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشُّبْطَانِ . سَمَا اَنْ اَلشَّاذَّ مِنَ الْقِسْمِ لِلشُّبْطِ .
اَلَا مَنْ دَعَا اِلَى هَذَا الشَّعَارِ ”““ فَاَقْتُلُوْهُ ، وَلَوْ كَانَ تَحْتَ عِمَامَتِيْ هَذِهِ ،
(نسخ البلاغہ صفحہ ۱۸۳، خطبہ نمبر ۱۲)

ترجمہ..... ”مجھ سے متعلق دو گروہ ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔ ایک میری محبت میں حد سے بڑھ جانے والا گروہ کہ میری محبت ان کو گمراہی میں پہنچا دے گی۔ اور دوسرا گروہ مجھ سے شدید بغض رکھنے والا کہ ان کو میرا بغض گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ اور بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے متعلق اعتدال کی راہ پر ہیں (کہ نہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں نہ محبت میں غلو) لہذا تم اس روش کو لازم پکڑو اور سواد اعظم کے ساتھ منسلک رہو۔ اللہ کی نصرت یقیناً جماعت کے ساتھ ہوتی ہے باہمی انفریق سے بچتے رہو کیونکہ ریوڑ سے چھڑنے والی بکری بھیڑیے کی ہی خوراک بنتی ہے۔ خیردار جو شخص بھی اس (انفریق کی) سمت بلائے اس کو قتل کر ڈالو خواہ وہ میرے اس علم کے زیر سایہ ہی کیوں نہ ہو۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں فتنہ ابن سبا اور فتنہ خوارج کی وجہ سے تین فریق بن گئے تھے:

اول: جو حُبِّ علیؑ میں غلو کر کے ان کو شیخینؑ سے افضل اور خلیفہ بلا فصل قرار دیتا تھا۔

دوم: جو بغضِ علیؑ کی بنا پر ان کو نہ صرف مقبولانِ الہی کی فہرست سے، بلکہ دائرہ اسلام ہی سے خارج قرار دیتا تھا۔

سوم: جو ان کو افضل و اکابر صحابہؓ میں شمار کرتا تھا۔ اور انہیں رابع الخلفاء الراشدینؓ قرار دیتا تھا۔ یہی مسلمانوں کا سوادِ اعظم تھا جس کو لازم پکڑنے کی حضرتؑ نے تاکید فرمائی اور اول الذکر دونوں فریقوں کی تفرقہ پسندی سے مسلمانوں کو بچنے کی تاکید فرمائی۔ اس ارشادِ گرامی سے صحابہؓ و تابعینؓ کا۔ جو حضرتؑ کے زمانہ میں سوادِ اعظم کا مصداق تھے۔ لائقِ اقتدا ہونا واضح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد:

”وعن ابن مسعود قال: من كان مستنًا فليستن بمن

قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب

محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها

علما، وأقلها تكلفا، إختارهم الله لصحبة نبيه، وإقامة

دينه، فأعرفوا لهم فضلهم، واتبعوهم على أثرهم، وتمسكوا

بما استطلعت من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على

الهدى المستقيم“ رواه رزين (مشکوٰۃ..... صفحہ ۳۲)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو کسی کی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ شخص فتنے سے مامون نہیں، یہ (لائقِ اقتدا حضرات) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ پاکیزہ تھے۔ ان کا علم سب سے گہرا تھا۔ اور وہ سب سے

بڑھ کر تکلف سے بچنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے جن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے چلو، جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناؤ۔ کیونکہ یہ حضرات ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے۔“

”وعن ابن مسعود قال: إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ

الْعِبَادِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا ﷺ فَبَعَثَهُ بِرِسَالَةٍ وَانْتَخَبَهُ بَعْلَمَهُ، ثُمَّ

نَظَرَ فِي قُلُوبِ النَّاسِ بَعْدَهُ، فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابًا، فَجَعَلَهُمْ

أَنْصَارَ دِينِهِ وَوُزَرَآءَ نَبِيِّهِ، وَمَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ

اللَّهِ حَسَنًا، وَمَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ“

(مسند ابی داؤد طرابلسی ... صفحہ ۳۳)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو چن لیا۔ پس آپؐ کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپؐ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا۔ پھر آپؐ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو آپؐ کے لئے صحابہ کرامؓ کو چن لیا۔ اور ان کو دین کے مددگار اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر بنایا۔ اور جس چیز کو اہل ایمان (بلا اتفاق) اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے۔ اور جس چیز کو اہل ایمان برا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد:

”قَالَ كَتَبَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْأَلُهُ عَنِ

الْقَدْرِ فَكَتَبَ أَمَّا بَعْدُ: أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالْإِقْتِصَادِ فِي

أَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرْكِ مَا أَحْدَثَ

الْمُحْدَثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ وَكَفُوا مُؤَنَّتَهُ، فَعَلَيْكَ بِلَزُومِ

السَّنَةِ، فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللَّهِ عَصْمَةٌ، ثُمَّ أَعْلَمَ أَنَّهُ لَمْ يَبْتَدِعْ

الناس بدعة إلا قد مضى قبلها ما هو دليل عليها أو عبرة فيها، فإن السنة إنما سنّها من قد علم مافى خلافها - ولم يقل ابن كثير من قد علم - من الخطأ والزلل والحمق والتعمق، فافرض لنفسك ما رضى به القوم لأنفسهم، فإنهم على علم وقفوا، و ببصر نافذ كفوا، ولهم على كشف الأمور كانوا أقوى، بفضل ما كانوا فيه أولى، فإن كان الهدى ما ائتم عليه لقد سبقتموهم إليه، ولئن قلتما إنما حدث بعدهم ما أحدثه إلا من اتبع غير سبيلهم، ورجب بنفسه عنهم، فإنهم هم السابقون، فقد تكلموا فيه بما يكفى، ووصفوا منه ما يشفى، فما دونهم من مقصر، وما فوقهم من محسر، وقد قصر قوم دونهم فجفوا، وطمع عنهم أقوام فغلوا، وأنهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم .

(ابوداؤد صفحہ ۶۳۳، جلد ۲)

ترجمہ: ”ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں خط لکھا، جس میں ان سے مسئلہ تقدیر کے بارے میں سوال کیا تھا۔ آپ نے حمد و صلوة کے بعد تحریر فرمایا:

میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اس کے معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے کی، اور ان بدعت کو ترک کرنے کی جن کو اہل بدعت نے ایجاد کیا ہے، بعد اس کے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری ہو چکی ہے یا اور لوگوں کو اس کی ذمہ داری اٹھانے سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی جان لو کہ لوگوں نے جو بدعت بھی ایجاد کی ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس بدعت کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ) اس بدعت (کے باطل ہونے) پر دلیل قائم ہو چکی ہے، یا اس کے بطلان کی مثل موجود ہے۔ کیونکہ جس

ذات نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ) سنت کو جاری کیا ہے اس کو علم تھا کہ اس سنت کی خلاف ورزی میں کیا غلطی، کیا لغزش، کیا حماقت اور کیا بے جا تکلف ہے۔ لہذا تم بھی اپنی ذات کے لئے اسی طریق کو پسند کرو جو سلف صالحین نے اپنے لئے پسند کیا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان بدعت سے باز رہے۔ بلاشبہ یہ حضرات معاملات کی تہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ اور اس علم و بصیرت کی بنا پر جو ان کو حاصل تھی اس کے زیادہ مستحق بھی تھے۔ پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو سلف صالحین کے برخلاف تم نے اختیار کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ تم لوگ ہدایت کی طرف ان حضرات سے (نعوذ باللہ) سبقت لے گئے (اور یہ ناممکن اور باطل ہے) اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو سلف صالحین کے بعد پیدا ہوئی ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس چیز کو انہی لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو سلف صالحین کے راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر چل پڑے۔ اور انہوں نے سلف صالحین سے کٹ جانے کو اپنے لئے پسند کیا (اور یہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے) کیونکہ یہ حضرات (خیر و ہدایت کی طرف) سبقت کرنے والے تھے۔ انہوں نے زیر بحث مسئلہ میں اتنا کلام کر دیا جو کافی ہے، اور انہوں نے اس کی اتنی تشریح فرمادی جو وافی و شافی ہے۔ پس انہوں نے جو کچھ فرمایا اس میں تفریط اور کمی کرنا کوتاہی ہے۔ اور اس سے بڑھنا اور افراط سے کام لینا بلاوجہ اپنے کو عاجز و ہلکا کرنا ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے سلف صالحین کی تشریح و وضاحت میں تفریط اور کوتاہی سے کام لیا تو جفا کے مرکب ہوئے، اور کچھ لوگوں نے تشریح و وضاحت میں سلف صالحین سے آگے نکلنا چاہا تو غلو میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ حضرات افراط و تفریط کے درمیان رہتے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم تھے۔

تیسری بحث: اتباع صحابہ کے وجوب پر عقلی دلائل

فعلی دلائل کے بعد اب عقل سلیم کی روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ جس طرح مندرجہ بالا آیات و احادیث اور آئمہ سے صحابہ کرام کی اتباع کا ضروری ہونا ثابت ہے اسی طرح اتباع صحابہ عقلاً بھی ضروری و لازم ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ ابو زہرہ نے

تین عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ یہ ناکارہ ان کے ذکر کردہ دلائل کو انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد چوتھی دلیل اپنی طرف سے عرض کرے گا۔ واللہ الموفق۔

”الصحابۃ شاهدوا النبی ﷺ وتلقوا عنہ الرسالة

الحمدیۃ، وہم الذین سمعوا منہ بیان الشریعۃ، ولذلك قرر

جمهور الفقہاء ان أقوالہم حجة بعد النصوص، وقد احتج

الجمهور لحجیۃ أقوال الصحابة بدلیل من النقل، وأدلة من

العقل، أما النقل فقولہ تعالیٰ: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ

الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ﴾ فَإِنَّ اللَّهَ سَبَّحَانَهُ وَتَعَالَى مَدْحُ الَّذِينَ

اتَّبَعُوهُمْ فَكَانَ اتِّبَاعُهُمْ فِي هَدْيِهِمْ أَمْرًا يَسْتَوْجِبُ الْمَدْحَ،

ولیس أخذ کلامہم علی أنه حجة إلا نوعاً من الاتباع،

ولقد قال النبی ﷺ: «أنا أمان لأصحابی، وأصحابی

أمان لأمتی» ولیس أمانہم للأمة إلا بأن ترجع الأمة إلى

قولہم، إذ أمان النبی لهم يرجعہم إلى ہدیہ النبوی

الکرم۔

وأما العقل فمن وجوه:

أولها: أن الصحابة أقرب إلى رسول الله ﷺ من

سائر الناس، وہم الذین شاهدوا مواضع التنزیل، ولہم من

الإخلاص والعقل والاتباع للہدی النبوی ما يجعلہم أقدر

علی معرفة مرامی الشرع، إذ ہم رأوا الأحوال إلى نزلت

فیہا النصوص، فإدراکہم لها یكون أكثر من إدراک

غیرہم، ویكون کلامہم فیہا أجدر الکلام بالاتباع۔

ثانیاً: أن احتمال أن تكون آراؤهم سنة نبویة احتمال قریب، لأنهم کثیرا ما كانوا یذکرون الأحکام الّتی بینها النبی ﷺ لهم من غیر أن یسندوها إلیه ﷺ لأن أحدا لم یسألهم عن ذلك، ولما کان ذلك الاحتمال قاتما مع أن رأیهم له وجه من القیاس والنظر کان رأیهم أولى بالاتباع، لأنه قریب من القول موافق للمعقول.

ثالثاً: إنهم إن أثر عنهم رأی أساسه القیاس، ولنا من بعدهم قیاس ینخالفه، فالاحتیاط اتباع رأیهم، لأن النبی ﷺ قال: «خیر القرون قرنی الذی بعثت فیہ» ولأن رأی أحدهم قد یکون مجمعا علیه منهم، إذ لو کان رأی مخالف لعرفه العلماء الذین تتبعوا آثارهم، وإذا کان قد أثر عن بعضهم رأی، وأثر عن البعض الآخر رأی ینخالفه، فاطحروج عن مجموع آرائهم خروج علی جمیعهم، وذلك شذوذ فی التفکیک یرد علی صاحبه، ولا یقبل

منه۔ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہے، انہوں نے آپ سے پیغام محمدی خود حاصل کیا اور بیان شریعت بلا واسطہ آپ سے سنا اسی بنا پر جمہور فقہانے قرار دیا کہ نصوص شرعیہ کی عدم موجودگی میں صحابہؓ کے اقوال حجت ہیں۔ جمہور نے صحابہؓ کے اقوال کو نقلی و عقلی دلائل نبی کی بنا پر حجت قرار دیا ہے۔

نقلی دلیل تو یہ ہوتی ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے انکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔“ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہوں نے صحابہ کرام کی

پیروی کی۔ لہذا ان کے طریقہ کی پیروی ایسا معاملہ ہے جو قتلِ مدح ہے۔ اور صحابہ کے اقوال کو بطور حجت اختیار کرنا یہ بھی اہلِ ع کی ایک صورت ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرما ہے: ”میں اپنے صحابہ کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہوں اور میرے صحابہ میری امت کیلئے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کیلئے امن و سلامتی کا ذریعہ اسی وقت قرار پائیں گے کہ امت ان کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ نبیؐ ان کے لئے جیسا امن ہوئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال پیروی کی۔

اور علی دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے۔ انہوں نے قرآن کے نزول کے مقالات و مواقع کو چشمِ خود دیکھا۔ ان کو امتحانی اخلاص، عقل سلیم اور تعلیمِ نبویؐ کی اہلِ حاصل تھی جس کی بدولت وہ مقاصدِ شرع کی معرفت پر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے وہ احوال خود ملاحظہ کئے تھے جن کے بارے میں کتاب و سنت نصوص نازل ہوئیں۔ اس لئے کتاب و سنت کے بارے میں ان کا فہم و ادراک دوسروں سے بڑھ کر ہو گا اور اس معاملہ میں ان کا قول زیادہ لائقِ اتباع ہو گا۔

۲۔..... اور یہ بھی احتمال قریب ہے کہ ان کی آراء سنتِ نبویہ ہوں (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کیونکہ یہ حضرات بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر بھی ذکر کر دیا کرتے تھے کیونکہ کسی نے ان سے اس کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا (کہ وہ جو حکم بیان کر رہے ہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے یا خود اپنی رائے سے بیان کر رہے ہیں) چونکہ یہ احتمال قائم ہے (کہ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو) مع ذہان کی قیاس اور نظر کے لحاظ سے معقولیت رکھتی ہو تو ان کی رائے زیادہ لائقِ اتباع ٹھہرے گی کیونکہ وہ منقول کے بھی قریب ہے اور عقل کے بھی موافق ہے۔

۳۔ اگر ان سے ایسی رائے منقول ہو جس کی بنیاد قیاس پر ہو۔ اور اس کے بعد ہمدی رائے قیاس ہی بنیاد پر ان کے خلاف ہو تو احتیاط اسی میں ہے۔ ان کی رائے کی اتباع کی جائے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرما موجود

ہے کہ ”سب سے بہتر دور میری بعثت والا زمانہ ہے“ اور اس لئے بھی کہ ان میں سے ایک کی رائے ان کی اجماعی رائے تھی کیونکہ اگر کسی کی رائے واقعتاً اس کے مخالف ہوتی تو آثار صحابہؓ کی تحقیق کرنے والے علماء کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اور اگر کچھ حضرات سے ایک رائے منقول ہو اور بعض دوسرے حضرات سے ان کے مخالف رائے نقل کی گئی ہو تو ان کی آراء کے مجموعہ سے خروج در حقیقت ان کے اجماع سے خروج کے مترادف ہو گا۔ یہ فکری علیحدگی ایسے مفکر کے منہ پر سے مدی جائے گی اور ناقابل قبول ہوگی۔“

چوتھی عقلی دلیل:

حضرات صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب ہیں، اور محبوب کی اقتدا و اتباع اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے۔

رہا پہلا مقدمہ، یعنی حضرات صحابہ کرامؓ کی محبوبیت! تو یہ چند وجوہ سے ظاہر

و باہر ہے۔

اول: یہ کہ وہ ہمارے محبوب، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق و محب اور جانثار و فداکار تھے۔ ان کی نظر محبت نے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمل جہاں آرا کو آئینہ قلب میں جذب کیا تھا۔ اس لئے ان سے محبت کا ہونا تقاضائے ایمان اور لازمۂ حب رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل ارشاد گرامی میں اسی مضمون کو اپنے کلام بلاغت الہیام میں بیان فرمایا ہے:

”وعن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ

الله الله في أصحابي. الله الله في أصحابي لا

تتخذوهم غرضا من بعدى فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن

أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن

آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه“

(رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب) (مشکوۃ: ۴۰۰)۔

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، مکرر
 کتابوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، ان کو
 میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت
 کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان
 کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا
 دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔"

دوم: وہ حق تعالیٰ شانہ کے محبت و محبوب تھے جیسا کہ یحبہم و یحبونہ
 سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ گویا ان کے ہر بنیٰ مؤ سے یہ آواز آرہی تھی:
 اے زہے جذب محبت من فدائے خویش
 حسن افکند است بر عشقم ردائے خویش
 چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يُوْتِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
 فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
 لَوْمَةً لَائِمَةً، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ
 عَلِيمٌ. إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
 الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. وَمَنْ يَتَوَلَّى اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾،

(سورہ مائدہ ۵۴ تا ۵۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ
 عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔
 نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں
 اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے
 گا اور اللہ کشمکش والا ہے خبردار۔ تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اسکا رسول اور
 جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ عاجزی

کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو اللہ کی جماعت وہی سب پر غالب ہے۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

چونکہ ایمان و اذعان ان کے جذر قلوب میں پیوست تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی اور ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا. لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ، وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الفتح..... ۴ تا ۵)

ترجمہ: ”وہی ہے جس نے اتمہ الطمینان دل میں ایمان والوں کے ماکہ اور بڑھ جائے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ ہے خیردار حکمت والا۔ ماکہ پہنچا دے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں نیچے بہتی ہیں ان کے نہرس، ہمیشہ رہیں ان میں اور اتار دی ان پر سے ان کی برائیاں اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملتی۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (سورۃ فتح..... ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: ”حقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا پھر اتار ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک۔ اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَلَزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقُّ بِهَا وَأَهْلُهَا، وَكَانَ اللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾
(سورہ فتح..... ۲۶)

ترجمہ: ”جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں کد نالائی کی ضد، پھر اتارا
اللہ نے اپنی طرف کا طمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور قائم رکھا ان کو
ادب کی بات پر اور وہی تھے اس لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر چیز سے
خبردار۔“
(ترجمہ شیخ السند)

سوم: محبت کا ایک منشا محبوب کے کمالات ہوتے ہیں۔ اور انبیائے کرام علیہم
السلام کے بعد چشم فلک نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار خدام جیسے
صاحب کمال افراد نہیں دیکھے۔ اس لئے یہ حضرات اپنے ان کمالات ظاہری و معنوی کی بنا
پر بھی ہمارے محبوب ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے علمی، عملی، اخلاقی اور نفسیاتی کمالات
کی شہادت دی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ
لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَبَعْدُ
عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ
مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِنَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ، وَذَلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. الثَّابِتُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ
الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِعُدُودِ اللَّهِ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾
(سورہ توبہ..... ۱۱۲، ۱۱۱)

ترجمہ: ”اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور انکامل اس قیمت پر
کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے

ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیوں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو پابند ہی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو۔"

(ترجمہ شیخ الحداد)

چہل قدمی: یہ حضرات ہمارے عظیم ترین محسن ہیں کہ ہمیں اسلام و ایمان کی دولت انہی کے دم قدم سے میسر آئی۔ اور قیامت تک آنے والی امت کے نیک اعمال ان کے نامہ عمل میں درج ہیں۔

ان چل و چوہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ ہمارے محبوب و محترم ہیں۔ اور ان سے محبت رکھنا لازمہ ایمان ہے۔

رہا دوسرا مقدمہ، یعنی محبوب کا مطلع ہونا! سو یہ ایک فطری امر ہے جس کو ہر خاص و عام جانتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہو اس کے نقش قدم کو اپناتا ہے، اسی کے اطوار و عادات سیکھتا ہے، اور بقدر محبت اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ یہ چیز نہ صرف فطری و وجدانی ہے بلکہ محسوس و مشاہد بھی ہے، تاہم اگر نقل سے بھی اس کی تائید لانا ضروری ہو تو سنئے! حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)۔

ترجمہ: "تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشنے لگا تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ سے محبت کا دعویٰ ہے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔ کیونکہ آپؐ کی اتباع درحقیقت اطاعت الہی ہے، اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾
(آل عمران ۳۲)

ترجمہ: ”تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کی محبت نہیں ہے کافروں سے۔“
(ترجمہ شیخ المنذ)

الغرض محبت مستلزم اتباع ہے اور اتباع خداوندی کی کوئی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں، لہذا مدعیان محبت خداوندی کو اتباع نبوی لازم ہے۔
ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
”المرء علی دین خلیلہ فلینظر أحدکم من ینعزل“

(رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان، و قتل الترمذی: ہذا حدیث حسن غریب و قتل النووی: اسنادہ صحیح۔ کذا فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

ترجمہ: ”انسان اپنے دوست کے طور طریقے اپناتا ہے اس لئے ہر شخص اس کا خیال رکھے کہ کیسے انسان کو اپنا دوست بنانا ہے۔“

جب یہ دونوں مقدمے ثابت ہوئے یعنی صحابہ کرامؓ کا محبوب ہونا اور محبوب کا مطاع و مقتدا ہونا تو اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے لئے واجب الاتباع ہیں۔

اہل محبت کے لئے تو یہ دلیل مقنع ہے لیکن حضرات شیعہ اس کو شاید ہی قبول فرمائیں۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اول تو صحابہ کرامؓ لائق احترام و محبت نہیں، بالغرض ہوں بھی تو محبوب کی اطاعت ان کے نزدیک ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود ان کی صورت و سیرت ان محبوبوں سے کوئی میل نہیں کھلتی۔ عوام کا تو کیا کہنا، ان کے مجتہدین تک کو ہم نے معقر اللحبہ دیکھا ہے۔ حلائکہ داڑھی منڈانا اور کٹانا ان اکابر کی سنت نہیں بلکہ دور قدیم کے مجوسیوں کا وطیرہ ہے۔ چنانچہ کسریٰ شاہ ایران کے دو قصیدے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ان کی موٹھیں بڑھی ہوئی اور داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

و قال : « ويلكما من أمركما بهذا » ، قال : أمرنا بهذا ربنا ، يعنينا كسرى ، فقال رسول الله ﷺ : « لكن ربني أمرني بإعفاء لحيتي وقصر شاربتي »
 (بحر الانوار از علامہ باقر مجلسی صفحہ ۳۹۰، جلد ۲۰)

”تمہاری ہلاکت ہو تمہیں ایسا کرنے کا حکم کس نے دیا، انہوں نے جواب دیا، اہلے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں یہ (داڑھی منڈانے اور موچھیں بڑھانے کا) حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے اپنی داڑھی بڑھانے اور اپنی موچھیں کانٹنے کا حکم فرمایا ہے۔“

خیر اس قصہ کو چھوڑیے! گفتگو اس میں تھی کہ آنجناب نے فرمایا:
 ”احرام صحابہ“ سے اتباع صحابہ“ مطلقاً نہ کسی عالم نے ثابت کیا ہے اور نہ عقل و نقل اس کا ساتھ دیتے ہیں۔“

اس ناکارہ نے ثابت کیا کہ اکابر اہل فتویٰ صحابہ“ کے اقوال کو حجت سمجھتے ہیں اور یہ کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ“ اور آثار سلف سے بھی ثابت ہے اور دلائل عقلیہ سے بھی۔

بحث دوم

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنی اور شیعہ عقیدہ

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”صفحہ ۲۳ سے آپ نے شیعہ اور صحابہ کی مشہور بحث چھیڑی ہے۔ یہ معاملہ واقعی بہت نازک اور حساس ہے۔ اور جتنی خلیج دونوں فرقوں کے درمیان اس لابیائی بحث سے پیدا ہوئی ہے کسی دوسری بحث سے پیدا نہیں ہوئی۔ آپ علما اس حقیقت کو مذاق سمجھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے وہی نظریات ہیں جو اکابر علماء اہل سنت کے ہیں، ان میں چنداں فرق نہیں۔“

سب جانتے ہیں کہ دونوں فرقوں کے نظریات کے درمیان آسمان و زمین کا فاصلہ اور مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ اس لئے آنجناب کے اس فقرہ کو اہل سنت ہی نہیں بلکہ اہل تشیع بھی مذاق ہی سمجھیں گے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل سنت کے نظریات:

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں اکابر اہل سنت کے نظریات ان کی کتب عقائد وغیرہ میں مدون ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے رسالہ ”فقہ اکبر“ میں ہے:

أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر الصديق

رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم

علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،

غابرين على الحق ومع الحق، ولا نذكر الصحابة إلا بخير . (شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۷ تا ۸۵)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابو بکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ یہ سب حضرات ہمیشہ حق پر رہے اور حق کے ساتھ رہے، ہم ان سب سے محبت رکھتے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کا ذکر خیر کے سوا نہیں کرتے۔“

عقیدہ طحاویہ میں ہے:

ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم، وبغير الحق يذكروهم، ولا نذكرهم إلا بالخير وحبهم دين وإيمان وإحسان. وبغضهم كفر ونفاق وطفیان.

(عقیدہ طحاویہ صفحہ ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں افراط و تفریط نہیں کرتے، اور کسی صحابیؓ سے برأت اختیار نہیں کرتے، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھے اور ان کو برائی سے یاد کرے، اور خیر کے سوا ان کا ذکر نہیں کرتے۔ ان سے محبت رکھنا دین و ایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور طغیان ہے۔“

”ونثبت الخلافة بعد رسول الله ﷺ أولا لأبي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلا له، وتقديما على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم لعثمان رضي الله عنه. ثم لعلی بن أبي طالب رضي الله عنه وهم

الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون

(عقیدہ طحاویہ صفحہ ۱۲)

ترجمہ: ”اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کو ساری امت سے افضل اور سب سے مقدم سمجھتے ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے، ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اور یہ چاروں اکابر خلفائے راشدین“ اور ہدایت یافتہ امام ہیں۔“

”وَأَنَّ الْعَشْرَةَ الَّذِينَ سَاهَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَشَدَ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ، عَلَى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَقَوْلُهُ الْحَقُّ، وَهُمْ: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَسَعْدٌ، وَسَعِيدٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي الْجَرَّاحِ، وَهُوَ أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ“ وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلِ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ فَقَدْ بَرَّئَ مِنَ النِّفَاقِ۔

(عقیدہ طحاویہ صفحہ ۱۲، ۱۳)

ترجمہ: ”اور جن دس حضرات کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی، ہم ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر، جنت کی شہادت دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے۔ ان عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح، جو اس امت کے امین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔“

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت طاہرہ سے حسن عقیدت رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔"

اہل سنت کی تمام کتب عقائد میں یہی اصول اجملاً و تفصیلاً مذکور ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت رکھی جائے، ان کے بارے میں زبان طعن و راز نہ کی جائے، ان میں سے کسی کی توہین و تنقیص نہ کی جائے، ان کے عیوب تلاش نہ کئے جائیں، بھلائی کے سوا ان کا ذکر نہ کیا جائے، ان کے باہمی مراتب و فضائل کا لحاظ رکھا جائے، خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب افضل سمجھا جائے، پھر عشرہ مبشرہ کو، پھر اہل بدر کو، پھر اہل حدیبیہ کو، و علی ہذا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں اہل تشیع کا نظریہ

اہل سنت کے برعکس اہل تشیع کے مذہب کی بنیاد ہی بغض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قائم ہے۔ پہلے گزر چکا کہ عبداللہ بن سبا ملعون نے "وصایت علی" کا عقیدہ ایجاد کر کے طعن صحابہ کا دروازہ کھولا اور اہل تشیع نے ابن سبا کی اس تلقین کو پلے باندھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے امام برحق حضرت علیؑ تھے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لئے نامزد فرمایا تھا، لیکن صحابہؓ نے نص نبویؐ سے انحراف کر کے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بلا فصل بنالیا، اور حضرت علیؑ کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھیں بند کرتے ہی تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ "نعوذ باللہ" مرتد ہو گئے تھے۔ اہل تشیع کے یہ نظریات ان کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

چند روایتیں یہاں نقل کرتا ہوں :

۳۴۱۔ حنان، عن ایہ، عن ابی جعفر علیہ السلام قال : کان الناس أهل بدعة بعد النبیؐ

ﷺ (۶) ألا ثلاثة قتل : ومن الثلاثة : قتال : المقداد بن الأسود و أبوذر الغفاري و

سلمان الفارسي رحمہ اللہ و بر کاتہ علیہم (روضہ کافی صفحہ ۲۳۵، جلد ۸)

ترجمہ : "حنان بن سدر اپنے والد سے نقل کرتا ہے کہ امام باقرؑ فرماتے ہیں

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا وہ تین کون تھے؟ فرمایا وہ تین آدمی یہ تھے۔
مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔“

۴۵۵۔ حدیثنا محمد بن یحییٰ، عن أحمد بن محمد بن عیسیٰ، عن الحسین بن سعید عن علی بن النعمان، عن عبد اللہ بن مسکن، عن عبد الرحمن القصیر قال: قلت لأبی جعفر علیہ السلام: إن الناس یفرعون إذا قلنا: إن الناس ارتدوا، قال: یا عبد الرحمن إن الناس عادوا بعد ما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أهل جاهلیة،
(روضہ کلمی صفحہ ۲۹۶، جلد ۸)

ترجمہ: ”عبد الرحمن قصیر کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے کہا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ مرتد ہو گئے تھے تو یہ سن کر لوگ کھج اجاتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ اے عبد الرحمن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد لوگ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے۔“

۴۵۶۔ حمید بن زیاد، عن الحسن بن محمد الکندی، عن غیر واحد من أصحابہ عن أبان بن عثمان، عن أبي جعفر علیہ السلام حول: والفضل بن یسار، عن زکریا النقاہ ^(۱)، عن أبي جعفر علیہ السلام قال: سمعته یقول: الناس صاروا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة من اتبع هارون علیہ السلام ومن اتبع العجل (ایضاً)

ترجمہ: ”زکریا نقاہ کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہو گئی تھیں۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جو ان لوگوں کی مثل تھے جنہوں نے ہارون علیہ السلام کی پیروی کی۔ اور کچھ وہ تھے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔“

مطلب یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ نعوذ باللہ۔ سامری کا گوسالہ تھے، جن حضرات نے ان سے بیعت کی وہ گوسالہ پرست تھے۔

”عن حمران قال قلت لأبی جعفر (ع) ما أقلنا لو
اجتمعنا علی شاة ما أفیناها. قال فقال: ألا أخبرک
بأعجب من ذلك؟ قال، فقلت بلی، قال: المهاجرون
والأنصار ذهبوا إلا (وأشار بیدہ) ثلثة“
(رجال کشی صفحہ ۷۷)

ترجمہ: ”حمران کہتا ہے میں نے امام باقرؑ سے کہا کہ ہماری تعداد کتنی تھوڑی ہے؟ اگر ایک بکری پر جمع ہو جائیں تو اسے بھی ختم نہیں کر پائیں گے۔ امام نے فرمایا میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاؤں؟ میں نے کہا ضرور! فرمایا، مہاجرین و انصار، تین کے سوا سب چلے گئے۔“

شیعہ قرآن سے بڑھ کر ان سبالی روایات پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”واعتقاد مادر برات آنست کہ بیزاری جویند از بت ہائے چہار گانہ، یعنی ابو بکر و عمر و عثمان و معلویہ، و زنان چہار گانہ یعنی عائشہ و حفصہ و ہند و ام الحکم و از جمع اشیاء و ابتلاء ایشاں و آنکہ ایشاں بدترین خلق خدا اند، و آنکہ تمام نمی شود اقرار بخدا و رسول و ائمہ مگر بہ بیزاری از دشمنان ایشاں۔“
(حق یقین..... صفحہ ۵۱۹)

ترجمہ: ”اور تہرا کے بارے میں ہمرا عقیدہ یہ ہے کہ چار بتوں سے بیزاری اختیار کریں، یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و معلویہؓ سے اور چار عورتوں سے بیزاری اختیار کریں، یعنی عائشہؓ، حفصہؓ، ہندؓ اور ام الحکمؓ سے، اور ان کے تمام پیروکاروں سے۔ اور یہ کہ یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر تھے۔ اور یہ کہ خدا پر، رسولؐ پر اور ائمہ پر ایمان مکمل نہیں ہو گا، جب تک کہ ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہ کریں۔“
اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

”در تقریب العارف روایت کردہ کہ آزاد کردہ حضرت علی بن حسین علیہ السلام از آنحضرت پرسید کہ مرا بر تو حق خدمتی بہست، مرا خبر دہ از حال ابو بکر و عمر، حضرت فرمود، ہر دو کافر بودند، و ہر کہ ایشاں را دوست دار کافر است۔“

”وایضاً..... روایت کردہ است کہ ابو حمزہ ثمالی از آنحضرت از حال ابو بکر و عمر سوال کرد، فرمود کہ کافرنہ، و ہر کہ ولایت ایشاں را داشتہ باشد کافر است۔“
”و دریں باب احادیث بسید است، و در کتب متفرق است، و اکثر در بحال الانوار مذکور است۔“
(حق یقین..... صفحہ ۵۲۲)

ترجمہ: ”تقریب العارف میں روایت کی ہے کہ امام علی بن حسینؑ کے آزاد کردہ غلام نے حضرت سے پوچھا کہ میرا آپ کے ذمہ حق خدمت ہے مجھے ابو بکر و عمر کے حال کی خبر دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دونوں کافر تھے۔ اور جو شخص ان سے محبت رکھے وہ بھی کافر ہے۔

”نیز روایت کی ہے کہ ابو حمزہ ثمالی نے حضرت سے ابو بکر و عمر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ کافر ہیں۔ اور جو شخص ان سے دوستی رکھتا ہو وہ بھی کافر ہے۔

”اور اس باب میں بہت سی احادیث ہیں جو کتابوں میں متفرق ہیں ان میں سے اکثر جملہ الانوار میں مذکور ہیں۔“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”مؤلف گوید کہ اگر نیک تامل کنی میدان کی فتنہ ہائے کہ در اسلام بہم رسید و ظلمہا نہی کہ بر اہل بیت رسالت واقع شد ہمہ از بدعتا و فتنہ ہا و تدبیر ہائے اس منافق بود۔“ (حق الیقین..... صفحہ ۲۳۳)

ترجمہ: ”مؤلف (ملاحظہ فرمائیے) کہتا ہے کہ اگر خوب غور کرو گے تو جان لو گے کہ اسلام میں جتنے فتنے برپا ہوئے ہیں اور اہل بیت رسالت پر جو جو ظلم ہوئے ہیں وہ سب اسی منافق (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی بدعتوں، فتنوں اور تدبیروں کا نتیجہ ہیں۔“

اس کے تین صفحے بعد لکھتے ہیں:

”برہنج عاقلی مخفی نتواند بود اشتغال اس قصہ از جہات شتی بر طعن و کفر و ضلالت و خطائے ابو بکر و عمر و عثمان و رفقاء و اعوان ایشان۔“ (حق الیقین..... صفحہ ۲۳۶)

ترجمہ: ”کسی عاقل پر مخفی نہ رہا ہو گا کہ یہ قصہ کئی اعتبار سے ابو بکر و عمر و عثمان اور ان کے اعوان و انصار کے طعن و کفر اور ضلالت و خطا پر مشتمل ہے۔“

حیات القلوب جلد دوم کے باب ۵۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اجداد کا ذکر ہے، اسی میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو

صاحب زاویاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیاہ دی تھیں۔ اس کے حاشیہ میں علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں :

”واضح ہو کہ مخالفین شیعہوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عثمان مسلمان نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو بیٹیوں کو ان سے تزویج نہ کرتے۔ یہ اعتراض چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت کا اپنی یا خدیجہؓ کی بیٹیوں کا ان کے ساتھ تزویج کرنا ممکن ہے قبل اس کے ہو کہ خدا نے کافروں کو بیٹیل و ناسحرام قرار دیا ہو، چنانچہ بائفان مخالفین زینب کو مکہ میں ابو العاص سے تزویج فرما دیا تھا جبکہ وہ کافر تھا، اسی طرح رقیہ اور ام کلثوم کو مخالفین میں شہرت کی بنا پر عتبہ اور عتیق پسران ابولہب سے تزویج فرمایا جو کافر تھے، قبل اس کے کہ عثمان سے تزویج فرمائیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عثمان کے مسلمان ہونے میں اس وقت جبکہ حضرتؐ نے اپنی بیٹیوں کو ان سے تزویج فرمایا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے آخر میں امیر المومنینؑ کے نص خلافت سے انکار کیا اور وہ تمام کام کئے جو موجب کفر ہیں، اور کافر اور مرتد ہو گئے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح ہے یہ کہ وہ لوگ منافقوں میں داخل تھے اور خوف اور لالچ کے سبب بظاہر اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن باطن میں وہ کافر تھے، اور خداوند عالم نے مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر آنحضرتؐ کو حکم دیا تھا کہ ان کے ظاہری اسلام پر حکم جاری کیا کریں، اور طہارت اور مناکت اور میراث وغیرہ تمام احکام ظاہری میں ان کو مسلمانوں کے ساتھ شریک رکھیں۔ لہذا آنحضرتؐ کسی حکم میں ان کو مسلمانوں سے الگ نہیں کرتے تھے، اور ان کے نفاق کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ خاصہ و عام نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کی تالیف قلب کے لئے عبد اللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھی جو نفاق میں مشہور تھا، تو اگر عثمان کو دختر دے دی اس بنا پر کہ ظاہر میں وہ مسلمانوں میں داخل تھے، تو یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ باطن میں کافر نہ تھے، اور ان کی تالیف قلب اور ان سے بیٹی لینا اور اپنی بیٹی ان کو بنادین اسلام کی تزویج اور کلمہ حق کے بلند و رواج دینے میں نہایت درجہ دخل رکھتا تھا۔ اور اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جو غور و فکر کرنے والے کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر سرکار دو عالمؐ ان

کے نفق کا اظہار فرماتے اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول نہ فرماتے تو تمہوڑے سے کمزور اور غریب لوگوں کے سوا حضرتؑ کے پاس کوئی نہ رہ جاتا جیسا کہ آنحضرتؑ کے بعد امیر المؤمنینؑ کے ساتھ چلے افراد کے علاوہ نہ رہ گئے تھے۔" (ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۸۷۱-۸۷۲)

اہل تشیع کی نکتہ آفرینیوں کی داد دیجئے، بتایا جلد ہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرات ابو بکر و عمرو عثمان رضی اللہ عنہم (نعموا باللہ) کافر و منافق تھے۔ اس کے باوجود شیخین رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیوں سے عقد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحب زادیاں بیاہ دیں، ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اسلام انہی تین حضرات کے دم قدم سے پھیل رہا تھا۔ یہ تین بزرگ نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی تین چلے نعرہ جاتے جو امیر المؤمنین کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ فرمائیے! اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کیا ہوگی؟ اور اس سے بہتر حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش کیا ہو سکتی ہے کہ ان اکابر کے وجود کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ”مدارِ اسلام“ قرار دیا جائے؟

اہل تشیع کے ممدوح صحابہؓ کا حال

اور جن تین چلے حضرات کو اہل تشیع نے اپنے فتوئے ارتداد سے معاف رکھا تھا، آلِ سبا کی تصنیف کردہ روایات کی روشنی میں ان کا حال بھی دیکھ لیجئے۔
شیخ کشی روایت کرتے ہیں:

۲۶۔ علی بن الحکم، عن سیف بن عسیرۃ، عن ابی بکر الحضرمی، قال، قال ابو جعفر (ع) ارتدّ الناس الا ثلثۃ نفر سلسان و ابوذر و المقداد۔ قال، قلت فممنار؟ قال قد کان جاس جیضۃ^۱ ثم رجع، ثم قال ان اردت اللہ لم یثکّ ولم یدخلہ شیء فالمقداد، فاما سلسان فانه عرض فی قلبہ عارض انہ عند امیر المؤمنین (ع) اسم اللہ الاعظم لو تکلم بہ لآخذتہم الارض و ہو ہکذا، فلبّ و وجبت^۲ عنقہ حتی ترکت کالسقۃ^۳، فرّ بہ امیر

المؤمنین (ع) فقال له يا ابا عبد الله هذا من ذاك بايع ابا فبايع، و اما ابوذر
فامرہ امیر المؤمنین (ع) بالسکوت ولم یکن یأخذہ فی افہ لومة لانہ فابی
الا ان یتکلم فمر بہ عثمان فامر بہ، ثم اناب الناس بعد فکان اون من اناب
ابو ساسانہ الانصاری و ابو عسرہ و شتیرہ و کانوا سبعة، فلم یکن یعرف
حق امیر المؤمنین (ع) الا هؤلاء السبعة . (رجل کشی..... روایت نمبر ۲۴)

ترجمہ: ”ابو بکر حضری کتا ہے کہ امام ابو جعفرؑ نے فرمایا کہ تین افراد کے
علاوہ باقی سب لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ تین افراد یہ ہیں، سلمان، ابوذر غفاری
اور مقداد..... میں نے کہا، عمل؟ فرمایا، ایک دفعہ تو وہ بھی منحرف ہو گئے تھے،
لیکن پھر لوٹ آئے۔ پھر فرمایا، اگر تم ایسا آدمی دیکھنا چاہتے ہو جس کو ذرا بھی
شک نہیں ہوا اور اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تو وہ مقداد تھے۔ سلمان
کے دل میں یہ خیال گزرا کہ امیر المؤمنین کے پاس تو اسم اعظم ہے، اگر آپ
اسم اعظم پڑھ دیں تو ان لوگوں کو زمین نکل جائے (پھر کیوں نہیں
پڑھتے؟) وہ اسی خیال میں تھے کہ ان کا گریبان پکڑا گیا اور ان کی گردن پٹلی
گئی، یہاں تک کہ ایسی ہو گئی جیسے اس کی کھل کھینچ لی گئی ہو، چنانچہ امیر
المؤمنین ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ! یہ اسی خیال کی
سزا ہے۔ ابو بکر کی بیعت کر لو، چنانچہ انہوں نے بیعت کر لی۔ باقی رہے ابوذر؟ تو
امیر المؤمنین نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا تھا، مگر وہ خاموش رہنے والے
کمل تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔
پس عثمانؓ ان کے پاس سے گزرے تو ان کی پٹلی کا حکم دیا۔ پھر کچھ لوگ
تائب ہو گئے۔ سب سے پہلے جس نے توبہ کی وہ ابو ساسانہ انصاری، ابو عسرہ
اور شتیرہ تھے۔ تو یہ سلت آدمی ہو گئے۔ پس ان سلت آدمیوں کے سوا
کسی نے امیر المؤمنین کا حق نہیں پہچانا۔“

لیجئے! شک و تردد سے صرف ایک مقداد بچے، عمل؟ پہلے منحرف ہو گئے تھے۔ بعد میں
لوٹ آئے، یعنی وہ بھی مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے، سلمانؓ کے دل میں بھی
شبہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی ان کو سزا ملی، اور ابوذرؓ کو امیر المؤمنین نے سکوت کا حکم فرمایا تھا، مگر

وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ:

ما بقى احد الا وقد جال جولة الا القداد بن الاسود فان قلبه كان
مثل زبر الحديد . (رجل کشی روایت نمبر ۲۲)

ترجمہ: ”مقداد کے سوا کوئی بھی بقی نہ رہا جو ایک مرتبہ ادھر ادھر نہ بھاگا ہو،
ہاں! مقداد کا دل لوہے کے ٹکڑوں جیسا تھا۔“

ایک مقدادؓ باقی بچے تھے، اب ان کے بارے میں بھی سنئے!
(۳) عن أبی بصیر قال سمعت أبا عبد الله (ع)

يقول قال رسول الله ﷺ: يا سلمان لو عرض علمك على

سلمان لكفر، يا مقداد لو عرض علمك على سلمان لكفر
(رجل کشی روایت نمبر ۲۳)

ترجمہ: ”ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد
کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ اور اے مقداد! اگر تیرا علم
سلمان کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔“

یہ تو شکر ہے کہ مقدادؓ اور سلمانؓ کے دل کی حالت ایک دوسرے کو معلوم
نہیں تھی، ورنہ نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۴) عن جعفر عن أبيه قال ذكرت التقيّة يوماً

عند علي (ع) فقال: إن علم أبو ذر ما في قلب سلمان

لقتله . (رجل کشی روایت نمبر ۴۰)

ترجمہ: ”امام جعفر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی
رضی اللہ عنہ کے سامنے تقیہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اگر ابو ذرؓ کو سلمانؓ کے
قلب کی حالت معلوم ہو جائے تو ان کو قتل کر ڈالیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین چار حضرات بھی اپنے دل کا بھید آپس میں

کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ رہا یہ عقدہ کہ وہ دل کا بھید کیا تھا جو ایک دوسرے کو نہیں بتاتے تھے؟ اس کا حل یہ ہے کہ وہ بظاہر حضرت علیؓ سے مولات رکھتے ہوں گے، مگر دل میں خلفائے ثلاثہؓ سے عقیدت و محبت اور مولات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کا خلفاء ثلاثہؓ سے مولات رکھنا اس سے واضح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدائن کا گورنر بنایا تھا، اس وقت سے حضرت علیؓ کے دور تک یہ مدائن کے گورنر چلے آتے تھے، اسی حالت میں ۳۶ھ میں ان کا وصال ہوا۔

(ترجمہ حیات القلوب باب ۵۹، صفحہ ۹۵۶، جلد ۲)

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرات خلفاء سے مولات رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ یمامہ میں شرکت فرمائی، اور ۲۱ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا، اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم و وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ اور اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا:

”أما بعد فإني بعثت إليكم عمارا أميرا وعبد الله

بن مسعود معلما ووزيرا وهما من النجباء من أصحاب

رسول الله ﷺ فاطيعوا لهما، واقتدوا بهما“.

(الاصابة صفحہ ۳۶۹، جلد ۲۔ الاستيعاب بر حاشیہ اصابہ صفحہ ۴۸۰)

ترجمہ: ”میں تمہارے پاس عمارؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم و

وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

برگزیدہ اصحابؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ سو ان کا حکم مانو اور ان کی اقتدا

کرو۔“

حضرت مقداد اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بھی حضرات خلفاءؓ سے مولات رکھتے تھے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے کسی علاقے کی حکومت قبول نہیں فرمائی۔ حضرت مقدادؓ کے عمدہ قبول نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قسم کھالی تھی کہ میں آج کے بعد دو آدمیوں کی امدت بھی قبول نہیں

کروں گا (مستدرک حاکم..... صفحہ ۳۵۰، جلد ۳) اور حضرت ابو ذرؓ کو ان کے غلبہ زہد کی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عمدہ کے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ:

”شیخ طبری نے یہ سند معتبر روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ذر! میں تمہارے واسطے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، میں تم کو کمزور و ناتواں پاتا ہوں، لہذا دو شخصوں پر بھی امیر مت بننا اور مال یتیم کے متکفل نہ ہونا۔“

(حیات القلوب..... صفحہ ۹۷۰، جلد ۲)

الغرض جن بزرگوں کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ وہ ارتداد سے محفوظ رہے، وہ بھی حضرات خلفاءؓ سے موالات رکھتے تھے اور انہوں نے عمدے اور مناصب بھی قبول فرمائے، غالباً ان کی یہی قلبی کیفیت تھی، جس کی بنا پر شیعہ روایات میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک کے دل کا حال دوسرے کو معلوم ہو جاتا تو اس کو قتل کر دیتا، یا کافر ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ اور ابن عباسؓ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ”صنوبلی“ فرماتے تھے۔ یعنی ”میرے والد کے مثل“، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے توسل سے استقاء فرماتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد خاص سمجھتے ہیں، لیکن شیعہ راویوں نے حضرت عباسؓ اور ان کے جلیل القدر صاحب زادے کو بھی معاف نہیں کیا۔ رجل کشی میں ہے کہ فضیل بن یزید کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

قال امیر المؤمنین (ع) اللهم الن ابنی فلان! و اعمم ابصارهما کما عیت

قلوبهما۔

(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۲)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ! فلاں کے دونوں بیٹوں (عبداللہ بن عباس اور عبید اللہ ابن عباس) پر لعنت فرما اور انکی آنکھوں کو اندھا کر دے، جیسا کہ ان کے دل اندھے ہیں۔“

یہی فضیل بن یسار کہتا ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے سنا کہ میرے والد (امام زین العابدینؑ) فرماتے تھے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باپ (حضرت عباسؑ) کے بارے میں نازل ہوئیں۔
پہلی آیت:

ومن كان في هذه اعمى فهو في الآخرة اعمى و اضل سبيلا .
ترجمہ: ”اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔
اور زیادہ گمراہ۔“

اور دوسری آیت:

ولا ينفعكم نصحي ان اردت ان انصح لكم .

(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: ”اور تم کو نفع نہیں دے گی میری نصیحت، اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔“

یہ دونوں آیتیں کافروں کے بارے میں ہیں، لیکن طرفہ تماشہ ہے کہ امام ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؑ پر چسپاں کر رہے ہیں۔
شیعہ راوی یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباسؑ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، یہ حضرت بصرہ کے بیت المال کا سدا مال سمیٹ کر مکہ چلے گئے، اور حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ گئے، مال کی مقدار دو لاکھ درہم تھی، حضرت علیؑ کو یہ اطلاع ملی تو منبر پر بیٹھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کا باوجود ان کی قدر و منزلت اور علم و فضل کے یہ حل ہے تو جو لوگ ان سے کم مرتبہ ہیں ان کا کیا حل ہو گا؟ اس کے بعد دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! میں ان سے اکتا گیا ہوں، پس مجھے ان سے راحت دے۔ اور مجھے اپنی طرف قبض کر لے۔“

پھر حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ کو ایک زوردار خط لکھا، اور ان کو بڑی غیرت دلائی۔ مگر انہوں نے ایک پیسہ بھی لوٹا کر نہ دیا، بلکہ حضرت علیؑ کو جواب میں لکھا کہ جتنا روپیہ میں نے لیا ہے اس سے زیادہ میرا حق بیت المال کے ذمہ باقی ہے۔ حضرتؑ نے پھر خط لکھا تو ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ تم نے مسلمانوں کے اتنے خون کئے ہیں، میں نے تو مال ہی لیا ہے۔ ساری دنیا کے خزانے اگر میرے ذمہ ہوں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں کسی مسلمان کا خون اپنے ذمہ لے کر بدرگاہ الہی میں حاضری دوں۔

(رجل کشی..... روایت نمبر ۱۰۹-۱۱۰)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ :

- ۱۔ اہلسنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ ”خیر امت“ اور ”امت وسط“ ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے حق میں شہادت دی ہے۔ لیکن اہل تشیع کے نزدیک وہ معاذ اللہ منافقین و مرتدین کا ٹولا تھا جن کو ”شر امت“ کا خطاب ملنا چاہئے تھا۔
- ۲۔ اہل سنت کے نزدیک خلفائے اربعہؓ بالترتیب افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اور اہل تشیع کے نزدیک خلفائے ثلاثہؓ — نعوذ باللہ — خلق خدا میں سب سے بدتر ہیں۔
- ۳۔ اہل سنت کے نزدیک حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بدگوئی کرنا کفر و نفاق کی علامت ہے۔ اور اہل تشیع کا اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہیں، کہ یہ ان کے نزدیک اعلیٰ ترین عبادت ہے۔
- ۴۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا گمراہی اور باطل پر جمع ہونا ناممکن تھا، اور اہل تشیع کے نزدیک وہ باطل کے سوا کسی اور چیز پر کبھی متفق ہی نہیں ہوئے۔
- ۵۔ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ رسالت محمدیہ علی صاحبہا الف الف الف صلوات و تسلیمات کے گولہ تھے، لقولہ تعالیٰ: ”محمد رسول اللہ والذین معہ“ اور اہل تشیع کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و چادر کے سوا باقی سب منافق جمع تھے۔

ان نکات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کا یہ فقرہ کس حد تک جہنی بر حقیقت و صداقت ہے کہ ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں شیعہ فرقے کے

وہی نظریات ہیں جو اکابر اہل سنت کے ہیں۔ ان میں چنداں فرق نہیں۔“

صحابہ کرامؓ کے بارے میں شیعہ کے آٹھ اصول

آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”وہ اصولی باتیں جو اس ضمن میں (یعنی صحابہ کرامؓ کے بارے میں) اہل سنت اور اہل تشیع دونوں مانتے ہیں، درج ذیل ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل صحبت میں منافقین بھی تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار تنبیہ کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ اے رسول! تم ان منافقین کو نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔

۲۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقتید کی لیکن وہ دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے، چنانچہ وہ مرتد ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل اور جلا وطنی وغیرہ کے احکام دیے۔

۳۔ بیشتر صحابہ کرامؓ مومنین صالحین تھے، لیکن وہ معصوم نہ تھے، لہذا یہ نقصائے بشری ان سے گناہ بھی ہوئے اور لغزشیں بھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی ملانے کا حکم دیا، جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔

۴۔ بعض اہل صحبت وہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تغیر زمانہ اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھا کر یہ مصلحت جہلیت کی روش پر چلے گئے۔ ہم انہیں ایسے صحابی رسولؐ نہیں مانتے جن کے بارے میں بشدتہم آئی ہیں، انہیں کی طرف حدیث حوض میں اشارہ ہے۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت

امیر معلویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا لیکن حضرت عائشہ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔

۶۔ حضرت شلہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں ”الصحابۃ کلہم عدول“ کے تحت دو مقلات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک درست ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور ”محدود“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ اسی طرح مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ”مقام صحابہؓ“ نامی کتب میں جو بحثیں کی ہیں وہ بھی درست ہیں۔
۸۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث حوض (معروف باب حوض کی سدی حدیثیں) اہلے موقف کی تائید کرتی ہیں اور اس سلسلے میں امام خطابی اور اہم نووی کی تشریحات درست ہیں۔“

آنجناب کے مندرجہ بالا آٹھ نکات درحقیقت چھ ہیں، کیونکہ دوسرے، چوتھے اور آٹھویں نکتے میں آپؐ نے ایک ہی چیز کا ذکر کیا ہے یعنی مرتدین کا۔ لہذا یہ کل چھ نکات ہوئے۔ اب میں آنجناب کے ان چھ نکات میں سے ہر نکتہ کے بارے میں مختصراً عرض کرتا ہوں:

اول: صحابہ کرامؓ اور منافقین

آپؐ نے پہلے نکتہ میں منافقین کا ذکر فرمایا، حالانکہ صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں منافقین کا قصہ لے بیٹھنا نہایت دل آزار مغالطہ اور اہلہ فریبی ہے۔ کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافق بھی تھے اور چونکہ وہ اپنے نفاق میں ایسے پکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے نفاق کا علم نہیں ہوسکا، اور چونکہ بعض ایسے منافق تھے کہ بعض مصالح کی بنا پر ان کے نفاق کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کیا جاتا تھا، لہذا ہر صحابیؓ کے بارے میں یہی رائے رکھی جائے کہ وہ۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔ منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اس کے نفاق کو جانتے نہیں تھے، یا اس کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے مصلحت کی بنا پر تقیہ فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ ہے وہ ناحق و سوسہ جس کی بنیاد عبداللہ بن سبائے رکھی اور جو روافض کے سلب ایمان کا موجب ہوا۔

اسی وسوسہ کی بنا پر انہوں نے حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک کو منافقین کی فہرست میں شامل کر لیا۔ اور آنجناب نے بھی بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں اسی پرفرب و سہائی وسوسہ کی تر جملائی فرمائی ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین و دیانت اور عقل و فہم کا کوئی شہ نصیب فرمایا ہو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ :

اولاً: قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بے شمار فضائل و مناقب اور ان کے ظاہری و باطنی کمالات بیان فرمائے گئے ہیں۔ ا جملہ بھی اور تفصیلاً بھی، تلویحاً بھی اور تصریحاً بھی، کسی کے نام کی تعیین کے بغیر بھی اور ایک ایک کے نام کی تعیین کے ساتھ بھی۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کریم میں بھی اور احادیث شریفہ میں بھی منافقوں کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے، ان کے اقوال و افعال پر نفیر کی گئی ہے، ان کی دنیوی اور اخروی سزائوں کو ذکر کیا گیا ہے اور انہیں ”الدرك الاسفل من النار“ یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کی آیات و احادیث کو سامنے رکھئے ! اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ جیسا کہ آپ نے سہلی وسوسہ کے ذریعہ یہی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم نہیں تھا کہ کون آپ کے مخلص صحابی ہیں اور کون منافق ہیں؟ تو گویا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن و حدیث میں کن حضرات کی مدح و ستائش فرمائی جا رہی ہے؟ اور کن لوگوں کی مذمت و نکوہش بیان ہو رہی ہے؟ فرمائیے کیا آپ اس اندھیر مگر کی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جائز رکھتے ہیں؟

ثانیاً: میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی بد بخت ملعون خارجی نعوذ باللہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور ان کے تین چار رفقاء کے بارے میں، جن کو شیعہ، مخلص صحابی مانتے ہیں، یہی یادہ گوئی کرے اور ان آیات کو جو منافقین کے حق میں وارد ہیں، ان اکابر پر چسپاں کرنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار شادات ان اکابر کی فضیلت و منقبت میں وارد ہیں، ان کے بارے میں یہ کہے کہ یہ محض لوگوں کے خود ساختہ اور من

گھڑت ہیں یا ان کو تقیہ پر محمول کرے تو فرمائیے کہ اس ملعون خدجی کا کیا علاج کیا جائے گا؟ اور اس کا یہ طرز عمل گستاخی میں شمار ہو گا یا نہیں؟ اگر حضرت امیرؓ اور ان کے دو چار رفقاء کے بارے میں یہ دعویٰ اور یہ طرز عمل نہایت دل آزار اور کفر آمیز گستاخی ہے تو روافض آل سبا کا ان آیات مقدسہ کو حضرات ثلاثہ اور جلیل القدر مہاجرین و انصار اور پوری جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر چسپاں کرنا کیا اس سے بدتر گستاخی نہیں؟ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلاشبہ محدودے چند منافقین بھی تھے، مگر منافقوں کو صحابی کون احمق کہتا ہے؟ اور منافقوں کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پر کچھ اچھالنے کے آخر کیا معنی ہیں؟ آنجناب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں منافقوں کا حوالہ دینے کی ضرورت آخر کیسے لاحق ہوئی؟ مثلاً: یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین کو نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ روافض آل سبا کو کہاں سے وحی ہو گئی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ عشرہ مبشرہ اور اکابرین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) منافق تھے؟

قرآن کریم کی شہادت کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا
پہلی شہادت:

آنجناب نے منافقوں کے بارے میں قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اگر آنجناب فہم و انصاف سے اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہو گا کہ خود یہی آیت شریفہ شہادت دے رہی ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں کوئی منافق نہیں تھا، جیسا کہ میں اوپر ”صحابہ کرامؓ“ واجب الاتباع ہیں“ کے زیر عنوان تیسری آیت کے ذیل میں اس طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں حضرات سابقین اولین، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کی اور ان کے متبعین بالاحسان کی مدح فرمائی اور ان کے بارے میں چار وعدے فرمائے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

۲۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔

۴- وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور پھر فرمایا کہ ان درجات عالیہ کا حصول وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور ناممکن ہے۔

اس کے بعد آیت ۱۰۱ میں انہی مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ”تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں، اے نبی! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، ہم ان کو بہت جلد دہرا عذاب دیں گے، پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔“

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ
الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾ (سورۃ التوبہ ۱۰۱)

ترجمہ: ”اور بعض تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ والے، اڑ رہے ہیں نفاق پر، تو ان کو نہیں جانتا، ہم کو وہ معلوم ہیں، ان کو ہم عذاب دیں گے دوبارہ، پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔“
(ترجمہ شیخ الحداد)

یہ آیت شریفہ تین وجہ سے اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اس آیت میں خود مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ: ”تمہارے گرد و پیش کے دیہاتوں میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو نفاق میں پختہ ہیں۔“ اہل عقل جانتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کسی تیسرے فریق کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ لہذا ان کو منافقین کی اطلاع دینا اس امر کی دلیل ہے کہ سابقین اولین مہاجرین و انصار میں کوئی منافق نہیں تھا، بلکہ منافقوں کا ٹولا ان دونوں فریقوں کے علاوہ تھا جس کی ان حضرات کو اطلاع دی جا رہی ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ منافقوں کی دو قسمیں ذکر فرمائی ہیں، ایک گرد و پیش کے دیہاتی اور دوسرے مدینہ کے قدیم باشندے، اس سے معلوم ہوا کہ بالخصوص مہاجرین اولین میں کوئی منافق نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا شمار نہ تو گرد و پیش کے دیہاتیوں میں ہوتا ہے، نہ مدینہ کے قدیم باشندوں میں۔ لہذا ثابت ہوا کہ مہاجرین میں ایک شخص بھی منافق نہیں تھا۔

تیسری وجہ: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دینے کی دھمکی دی۔ (ایک مرتبہ دنیا میں اور دوسری مرتبہ قبر میں)۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو دنیا میں کوئی عذاب نہیں ہوا، بلکہ وہ اپنے آخری لمحات حیات تک احائے کلمۃ اللہ اور خدمت دین میں مشغول اور مظفر و منصور رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان حضرات میں سے کوئی منافق نہیں تھا، ورنہ وعدہ الہی کے مطابق یہ حضرات (نعوذ باللہ) ضرور معذب و مخذول ہوتے۔

دوسری شہادت:

انہی مہاجرین و انصار کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے اسی سورہ میں دوسری جگہ

فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْمُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ
فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

(سورۃ التوبہ..... ۱۱۷)

ترجمہ: ”اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے، مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔“ (ترجمہ شیخ السد)

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاص عنایت خداوندی جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال تھی، اس سے وہ حضرات مہاجرین و انصار بھی بہرہ یاب تھے جو غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منافق

اس عنایت خاصہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

تیسری شہادت :

پھر انہی مہاجرین و انصار کو سورۃ انفال آیت ۷۴ میں ان کے سچے مومن ہونے کی قطعی سند عطا فرمائی اور ان سے مغفرت اور اجر کریم کا وعدہ فرمایا :

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آوَا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَدِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (سورۃ الانفال ۷۴)

ترجمہ: ”اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔“
(ترجمہ شیخ المنذ)

قرآن کریم کی اس قطعی شہادت کے بعد ان حضرات کے حق میں یہ یا وہ گوئی کرنا کہ وہ منافق تھے اور جو آیات منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو ان حضرات پر چسپاں کرنا خود سوچئے کہ یہ قرآن کریم کی تکذیب ہے یا نہیں؟

چوتھی شہادت :

سورۃ حشر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے۔
مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والے حضرات، چنانچہ ارشاد ہے :

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصَرُونَ لِلَّهِ
وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾، ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ
وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي

مَدَدِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بَيْنَهُمْ خَصَامَتَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾
﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾

(سورہ حشر..... ۸، ۹، ۱۰)

ترجمہ: ”واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے
ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے ماؤں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل
اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ
وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان
سے پہلے سے، وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے
پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے
اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہوا اپنے اوپر فتنہ۔ اور جو بچایا
گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔ اور واسطے ان
اوغلوں کے جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے
بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دلوں
میں ہیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔“

(ترجمہ شیخ السند)

پہلی آیت مہاجرین کے بارے میں ہے اور حق تعالیٰ شانہ نے اس ضمن میں ان کی چار
صفات ذکر فرمائی ہیں:

- ۱۔ ان کی جائیداد و قربانی کہ وہ اسلام کی خاطر گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہوئے۔
 - ۲۔ ان کا اخلاص و لٹہیت کہ اس ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے الہی تھا۔
 - ۳۔ ان کا اللہ و رسول کا مددگار ہونا۔
 - ۴۔ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے قول و فعل اور دین و ایمان میں قطعاً سچے ہیں۔
- دوسری آیت میں حضرات انصار کے چند فضائل بیان فرمائے:

- ۱۔ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہ حضرات دارالاسلام میں اور ایمان میں قرار پذیر تھے۔
- ۲۔ جو حضرات ہجرت کر کے ان کے پاس آتے وہ محض ایمان کی بنیاد پر ان سے محبت رکھتے تھے۔

- ۳۔ حضرات مہاجرین کو کچھ دیا جاتا تو ان کے دل میں رشک پیدا نہیں ہوتا تھا۔
- ۴۔ یہ حضرات اپنی حاجت مندی کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔
- ۵۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طبیعت کے بخل اور مال کی حرص سے محفوظ رکھا تھا۔ اس لئے یہ حضرات بڑے کامیاب و بامراد تھے۔

تیسری آیت میں مہاجرین ”وانصار“ کے بعد قیامت تک آنے والی امت کا تذکرہ ہے اور ان کی دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں۔

اول: یہ کہ وہ اپنے پیشرو اہل ایمان مہاجرین و انصار کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

دوم: یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے دل میں اہل ایمان مہاجرین و انصار کی جانب سے کینہ اور کھوٹ نہ ہو۔

اہل ایمان کے ان تین طبقات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے گیارہویں آیت سے منافقین کا ذکر شروع فرمایا ہے۔ اس تفصیل سے چند امور کھلے طور پر ثابت ہوئے:

اول: یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات شریفہ میں حضرات مہاجرین و انصار کے ایمان و اخلاص کی قطعی شہادت دی ہے۔ اہل ایمان کو تو شہادت خداوندی کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، لیکن حضرات شیعہ اس شہادت ربانی کے بعد بھی ان حضرات پر نفاق و ارتداد کی تہمت دھرتے ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی کو قبول نہ کرنے والوں کا اسلام میں کتنا حصہ ہے؟

دوم: اللہ تعالیٰ نے ”اولئک ہم الصادقون“ فرما کر ان حضرات کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے جو بالاتفاق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”خليفة رسول اللہ“ کہتے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے قول میں سچے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوا اور اگر یہ حضرات اس قول میں جھوٹے تھے تو گویا — نعوذ باللہ قرآن نے جھوٹوں کو سچا کہا۔

سوم : اللہ تعالیٰ نے ان آیات شریفہ میں قیامت تک کی امت کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرینؓ، (۲) انصارؓ، (۳) اور بعد کے وہ لوگ جو ان مہاجرین و انصار کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور ان سے کینہ نہیں رکھتے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو شخص ان تینوں میں داخل نہ ہو وہ امت مسلمہ سے خارج ہے۔ ملاحظہ اللہ کاشانی تفسیر ”منہج الصادقین“ میں لکھتے ہیں :

”و مخفی نیست کہ بغض مومنان و ارادہ بدی بایشان از حیثیت ایمان کفر است و از حیثیت غیر آن فسق..... و صاحب انوار آورده کہ حق سبحانہ مومنان را بر سر فرقہ فرو و آورده مہاجر و انصار و تابعین کہ موصوف باشند پناہی عقیدت و پاکیزگی طینت پس ہر کہ بدین صفت نبود از اقسام مومنان خارج افتد، و از ابن ابی لیلی مرویست کہ اہل ایمان سہ طبقہ اند صحابہ از مہاجر و انصار کہ خدای تعالیٰ در حق ایشان فرمودہ کہ ”والذین تبشوا الدار والايمان“ و تابعین و اتباع تابعین و اینہا آئند کہ خدای در شان ایشان فرمودہ کہ ”والذین جاؤ امن بعدہم“ پس چہ کن تا از این سہ گروہ بیرون نباشی، و بعد از مدح مہاجر و انصار و تابعین بیان احوال منافقان مینماید بقولہ : (الم تر)“

(منہج الصادقین..... صفحہ ۲۳۴، جلد ۹)

ترجمہ : ”اور پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل ایمان سے بغض رکھنا اور ان سے برائی کا ارادہ کرنا اگر ان کے ایمان کی وجہ سے ہو تو کفر اور کسی دوسری وجہ سے ہو تو فسق ہے... اور صاحب انوار نے ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اہل ایمان کے تین طبقے ذکر فرمائے ہیں۔ (۱) مہاجرینؓ، (۲) انصارؓ، (۳) اور ان کے بعد آنے والے وہ لوگ، جو عقیدہ کی پاکی اور دل کی صفائی کے ساتھ موصوف ہوں۔ پس جو شخص اس صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو وہ اہل ایمان کی قسموں سے خارج ہے۔

”اور ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ اہل ایمان کے تین طبقے ہیں۔

(۱) مہاجرینؓ صحابہؓ، (۲) انصار جن کے بارے میں فرمایا، ”اور وہ لوگ جنہوں نے قرار پکڑا دارالاسلام اور ایمان میں“، (۳) ان دونوں فریقوں

کے بعد آنے والے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”اور وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آئے“ پس کوشش کرو کہ تم ان تین گروہوں سے باہر نہ رہو۔ مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین کی مدح کے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کا حال ذکر فرماتے ہیں۔ (یعنی اگلی آیت میں)۔“

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

”امام جعفر اپنے والد ماجد محمد باقر سے اور وہ اپنے والد امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ عثمانؓ کے بارے میں کیفرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میرے بھائی! کیا تم اس گروہ میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”للفقراء المهاجرین“؟ کہنا نہیں، فرمایا، اچھا اگر تم اس فریق میں سے نہیں تو دوسرے فریق میں سے ہو گے جن کے بارے میں فرمایا ہے: ”والذین تبووا الدار والایمان“؟ کہنا نہیں! فرمایا، اب صرف تیسری آیت باقی رہ گئی، اگر تم اس آیت کا مصداق بھی نہیں ہو گے تو اسلام ہی سے نکل جاؤ گے۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”امام زین العابدین کے پاس اہل عراق کے کچھ لوگ آئے۔ پہلے شیخینؓ کے بارے میں، پھر عثمانؓ کے بارے میں بدگوئی کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا، کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ بولے نہیں۔ فرمایا، پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو، جنہوں نے ٹھکانا پکڑا دارالاسلام میں اور ایمان میں مہاجرین کے آنے سے پہلے۔“ بولے، نہیں۔ فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

”اور واسطے ان لوگوں کے، جو آئے ان کے بعد، کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں پیر ایمان والوں کا، اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔“

”میرے پاس سے اٹھ جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہارا استیاس کرے۔ یہ واقعہ
نحاس نے ذکر کیا ہے۔“ (تفسیر قرطبی..... صفحہ ۳۱-۳۲، جلد ۱۸)

قرآن کریم کی ان شہادتوں سے بخوبی واضح ہے کہ حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے کوئی منافق نہیں تھا۔ اس لئے آل سبا کا یہ کہنا کہ یہ حضرات منافق تھے (نعوذ باللہ) قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہؓ، حضرات مہاجرین و انصارؓ کے رئیس و امام تھے، اب اگر مہاجرین و انصارؓ اہل ایمان تھے (اور بلاشبہ اہل ایمان تھے) تو خلفائے ثلاثہؓ رئیس المہاجرین اور امام المسلمین تھے۔ بے شمار نصوص سے ان کا مومن عند اللہ ہونا ثابت ہے۔ یہاں بطور نمونہ ایک ایک حوالہ ذکر کرتا ہوں:

ابو بکر رضی اللہ عنہ ”صدیق“ تھے:

رجال کشی میں حضرت ابن عباسؓ کا ایک طویل مناظرہ ام المؤمنین عائشہؓ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا:

انا جعلناك للمؤمنين امًا وانت بنت ام رومان وجعلنا اباك صديقًا
وهو ابن ابي قحافة. (رجال کشی..... صفحہ ۵۹، روایت ۱۰۸)

ترجمہ: ”ہم نے تجھے کوام المؤمنین بنا دیا، حالانکہ تو ام رومان کی بیٹی تھی اور ہم نے تیرے آبا کو ”صدیق“ بنا دیا، حالانکہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے تھے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ تمام اہل ایمان حضرت عائشہؓ کو ام المؤمنین اور ان کے والد گرامی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ”صدیق“ سمجھتے اور کہتے تھے۔

ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما:

رجال کشی میں بریدہ اسلمیؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت تین شخصوں کی مشاق ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے کہا گیا کہ ”اے ابو بکر! آپ صدیق ہیں اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

یار غار ہیں۔ ” آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ وہ تین آدمی کون ہیں؟ مگر انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ ”آپ فاروق ہیں، جن کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔“

(رجل کشی صفحہ ۳۰، روایت ۵۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق اور ”یار غار“ کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ”فاروق“ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتے ہیں

علامہ کلینی نے ”روضہ کافی“ میں امام صادقؑ سے غزوہ حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا ہے، اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

و کان رسول اللہ ﷺ أراد أن بیعت عمر . فقال : یا رسول اللہ ! إن عثمینی قابلٌ و إنی فیہم علی ما تعلم ولكنی أدلک علی عثمان بن عفان ، فأرسل إلیہ رسول اللہ ﷺ ، فقال : انطلق إلی قومک من المؤمنین فبشّرهم بما وعدنی ربی من فتح مکة فلما انطلق عثمان لقی أبان بن سعید فتأخّر عن السرح^(۱) فحمل عثمان ین یدیه ودخل عثمان فأعلمهم وكانت المناوشة^(۲) فجلس سبیل بن عمرو عند رسول اللہ ﷺ وجلس عثمان فی عسکر المشرکین وبایع رسول اللہ ﷺ المسلمین وضرب باحدی یدیه علی الأخری لثمان^(۳) و قال المسلمون : طوبی لثمان قد طاف بالیت و سعى بین الصفا و المروة وأحل فقال رسول اللہ ﷺ : ما کان لیفعل فلما جاء عثمان قال له رسول اللہ ﷺ أحضت بالیت ؟ فقال : ما كنت لأطوف بالیت و رسول اللہ ﷺ لم یطف به

(روضہ کافی صفحہ ۳۲۵ ج ۸)

ترجمہ: ”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اہل مکہ کے

پاس سفیر بنا کر بھیجنا چاہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہاں میرے

قبیلے کے لوگ کم ہیں اور مجھے کفار مکہ میں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ آپ

کو معلوم ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ عثمان بن عفانؓ کو بھیجئے۔ چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا، مکہ میں اپنے اہل ایمان بھائیوں کے پاس جاؤ اور ان کو اس کی خوشخبری دو کہ میرے رب نے مجھ سے فتح مکہ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفانؓ گئے تو راستہ میں ان کو ابان بن سعید ملے، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی سواری پر اپنے آگے سوار کر لیا اور حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ کی تیاری ہونے لگی تو سہیل بن عمروؓ (کافروں کے نمائندے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور حضرت عثمانؓ کفہ کے لشکر میں روک لئے گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مل کر فرمایا ”یہ میں عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔“

اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام سے فارغ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، ”عثمانؓ ایسا نہیں کر سکتے۔“ جب حضرت عثمانؓ واپس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے بیت اللہ کا طواف کر لیا؟ عرض کیا کہ جس حالت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہ کیا ہو، میں کیسے طواف کر سکتا تھا؟“

یہ حدیث چند اہم فوائد پر مشتمل ہے:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کرنا، ان کے مومن مخلص ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایسی نازک سفارت کے لئے کسی مشتبہ آدمی کو بھیجنا کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کا کام بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ سید العقلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا وسوسہ کیا جائے۔

دوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینا اور آپؐ کا ان کے مشورہ پر عملدرآمد کرنا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا مشورہ نہایت مخلصانہ تھا، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص مشیر تھے۔

سوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ ”میں اہل مکہ کی نظر میں جیسا ہوں، وہ آپ کو معلوم ہے“ اس سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عداوت و دشمنی معروف تھی اور یہ محض ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھی۔ اگر وہ سچے مسلمان نہ ہوتے تو اہل مکہ کو ان سے دشمنی کیوں ہوتی؟

چہارم: حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ بھیجنا، اور ان سے یہ فرمانا کہ اہل ایمان کو خوشخبری دو، ان کے اخلاص و ایمان کی شہادت ہے۔

پنجم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”عثمانؓ ہمارے بغیر بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتے“ ان کے ایمان و اخلاص پر کمال اعتماد کی دلیل ہے۔
ششم: یہ ”بیعت رضوان“ اس وقت ہوئی تھی جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، گویا اس بیعت رضوان کی علت غائیہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا تھا۔

ہفتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے دست مبارک سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کرنا، ان کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں، جو شخص اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو اس کے بارے میں تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) منافقانہ طور پر بیعت کر رہا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جس کی طرف سے بیعت فرمائیں اس کے بارے میں ایسا خیال کرنا تو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باذکت اور مقدس ہاتھ کی توہین ہے، جو کفر خالص ہے۔

۲۔ صحابہ کرامؓ اور مرتدین

دوسرے نکتہ میں آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہو گئے تھے۔ اور چوتھے نکتہ میں ان مرتدین کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ آپ نے لکھا ہے کہ حدیث حوض میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آٹھویں نکتہ میں بھی حدیث حوض کا ذکر

ہے۔

گویا آپ کے تین نمبروں کا خلاصہ ایک ہے کہ ان میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے، اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: آنجناب نے ان مرتدین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”ہم انہیں ایسے صحابی“ رسول نہیں مانتے، جن کے بارے میں بشارتیں آئی ہیں۔“

سوال یہ ہے کہ جب آپ ان مرتدین کو ”صحابی“ نہیں مانتے (اور اہلسنت میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ مرتدین کو بھی صحابہ میں شامل کیا جائے) تو صحابہ کی بحث میں مرتدین کا تذکرہ درمیان میں لانے کا کیا مطلب؟

دوم: آپ نے مرتدین کے لئے صحیح بخاری کی حدیث حوض کا حوالہ دیا ہے، اس حدیث میں جن مرتدین کا ذکر آیا ہے، یہ وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاہلیت کی روش پر لوٹ گئے تھے اور جن سے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا۔ ان ہی حضرات کے حق میں قرآن کریم کی درج ذیل پیش گوئی صادق آئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ عَنْكُمْ مِنْ حَيْثُ

فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

أَعَزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ

لَوْمَةَ لَائِمٍ، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ

(سورۃ المائدہ ۵۴)

﴿عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے، یہ فضل ہے اللہ کا، دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔“

(ترجمہ شیخ النذہ)

اوپر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرے میں تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں کہ اس آیت شریفہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء کے وہ فضائل و کمالات بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی فضیلت متصور نہیں۔ پس صحیح بخاری کی حدیث حوض، جس کو اعدائے صحابہؓ، صحابہؓ کی مذمت میں پیش کرتے ہیں، درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اعلیٰ درجہ کی منقبت پر مشتمل ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الانبیاء ”باب نزول عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم“ سے قبل مذکور ہے:

«هم المرتدون الذین ارتدوا علی عهد أبی بکر،

فقاتلهم أبو بکر رضی اللہ عنہ» (صحیح بخاری صفحہ ۳۹۰، جلد ۱)
ترجمہ: ”یہ مرتدین (جن کا حدیث حوض میں ذکر ہے) وہی لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتد ہو گئے تھے اور جن کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔“

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

”لم یؤتد من الصحابة أحد، وإنما ارتد قوم من جفاة الأعراب ممن لا نصرة له فی الدین، وذلك لا یوجب قدحا فی الصحابة المشهورین، ویدل قوله ”أصحابی“ بالتصغیر علی قلة عددهم“

(فتح الباری صفحہ ۳۸۵، جلد ۱۱۔ کتاب الرقاق، باب المحشر)
ترجمہ: ”صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، ہاں! اکثر قسم کے دیہاتوں کی ایک جماعت ضرور مرتد ہوئی، جن کی دین میں کوئی نصرت نہیں تھی، اور یہ بات مشہور صحابہؓ میں موجب قدح نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صیغہ تصغیر کے ساتھ ”اصحابی“ فرمانا ان مرتدین کی قلت کو بتاتا ہے۔“

جن صحابہؓ نے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا وہ ارتداد سے محفوظ تھے اوپر امام خطابیؒ کے اس قول میں کہ ”مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کی دین

میں کوئی نصرت نہیں تھی ” اس طرف اشارہ ہے کہ جن اکابر نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان و مال کی قربانیاں دیں وہ ارتداد سے محفوظ تھے۔ یہ مضمون قرآن کریم سے مستنبط ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ہے :

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً، وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً، وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿﴾
(سورۃ النساء ۹۵، ۹۶)

ترجمہ: ” برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھاد یا لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں۔ جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ “
(ترجمہ شیخ الحداد)

اس آیت شریفہ میں مال و جان کے ساتھ جماد کرنے والوں سے عظیم ترین درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ مجاہدین اور قاعدین دونوں کے بارے میں فرمایا:

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى
” اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا۔ “
اور سورۃ الحديد میں ارشاد ہے :

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾
(سورۃ الحديد ۱۰)

ترجمہ: ”برابر نہیں تم میں جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

(ترجمہ شیخ الہند)

اس آیت شریفہ میں دو مضمون ذکر فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جن مقدور والوں نے فتح مکہ (یا بقول بعض حدیبیہ) سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور جہاد کیا، بعد والے مسلمان ان کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ حق کے ماننے والے اور اس پر لڑنے والے اقل قلیل تھے۔ اور دنیا کافروں اور باطل پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت اسلام کو جانی و مالی قربانیوں کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور مجاہدین کو بظاہر اسباب اموال و غنائم وغیرہ کی توقعات بہت کم تھیں۔ ایسے حالات میں ایمان لانا اور خدا کے راستے میں جان و مال لٹا دینا بڑے اولوالعزم اور پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم انسانوں کا کام ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ و رزقنا اللہ اتباعہم وحبسہم آمین۔

(نوائد عثمانی)

دوسرا مضمون یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہؓ سے ”الحسنی“ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن حضرات نے فتح سے قبل انفاق و قتال کیا ان سے بھی اور جنہوں نے بعد میں انفاق و قتال کیا ان سے بھی۔

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا

(الانبیاء: ۱۰۱)

مُبَعَّدُونَ﴾

ترجمہ: ”اور جن کے لئے پہلے سے نھری چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس

(ترجمہ شیخ الہند)

سے (یعنی دوزخ سے) دور رہیں گے۔“

ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن صحابہؓ نے انفاق و قتال

فی سبیل اللہ کیا وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ لہذا ان کا خاتمہ برا ایمان یقینی ہے، اگر وہ خدا انخواستہ مرتد ہو جائیں تو وعدۃ الہی میں تخلف لازم آئے گا، جو شرعاً و عقلاً ممتنع ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو حضرات اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے اور انہیں شرف صحابیت حاصل ہو گیا وہ بھی مرتد نہیں ہو سکتے اس لئے ”الحسنی“ کا وعدہ ان کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ مرتد صرف وہی لوگ ہوئے جن کا اسلامی خدمات اور جان و مال کی قربانیوں میں کوئی حصہ نہیں تھا اور وہ سچے دس سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے۔ الغرض جن اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جان و مال کی قربانیوں کی سعادت میسر آئی، ان کا مرتد ہونا مندرجہ بالا آیات کی رو سے ناممکن تھا۔ واللہ الموفق لکل خیر وسعادة۔

۳۔ صحابہ کرام ”معصوم نہیں تھے، لیکن محفوظ تھے

تیسرے نکتہ میں آنجناب لکھتے ہیں کہ: ”بیشتر صحابہ“ مومنین صالحین تھے لیکن وہ معصوم نہیں تھے۔ ”آنجناب کا یہ فقرہ نہ اہل سنت کے اصول پر صحیح ہے، نہ اہل تشیع کے اصول پر۔ اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک ”بیشتر“ صحابہ ”نہیں، بلکہ“ ”کل“ کے ”کل“ مومنین و صالحین تھے۔ ”الصحابۃ کلہم عدول“ ان کا طے شدہ اصول ہے۔ اور اہل تشیع کے نزدیک دو چلہ کے سوا باقی تمام صحابہ ”نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ صحابہ ”معصوم نہیں تھے، اہل سنت کے نزدیک یہ قاعدہ صحیح ہے۔ لیکن آنجناب نے جس مفہوم میں اس کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بقول ”کلمۃ حق ارید بہا الباطل“ کے قبیل سے ہے۔ بلاشبہ اہل سنت کے نزدیک تمام صحابہ ”بشمول حضرت علی اور حضرات حسنین“ غیر معصوم تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ وہ فاسق و فاجر تھے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، لیکن اکابر اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ اور حضرات صحابہ ”تمام اولیاء اللہ کے سر تاج اور مقدا و پیشوا ہیں۔ اس لئے وہ اعلیٰ درجہ کے متقی و پرہیزگار تھے۔ ارشاد خداوندی ”اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم“ اگر ان کے حق میں نہیں تو امت میں اور کون ہو گا جو اس کا مصداق ہو؟

آنجناب کا یہ ارشاد کہ :

”لذا يتقاضاے بشری ان سے گناہ بھی ہونے اور اغفر شمس بھی۔
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حدیں بھی ملنے کا حکم دیا۔
جیسا کہ اکابرین علمائے اہل سنت نے اس کی وضاحت کی ہے۔“

اس میں چند امور لائق توجہ ہیں :

اول : صحابہ کرامؓ اسلام سے قبل جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنے جاہلی ماحول کی وجہ سے وہ قبیح ترین جرائم کے عادی تھے، ان کا معاشرہ (فطری خویوں اور جوہری صفات اور صلاحیتوں کے بلوجود) بدترین معاشرہ شمار کیا جاتا تھا لیکن جب یہ حضرات اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو وحی الہی کے نور سے ان کے قلوب منور اور ”خورشید بدایان“ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت اور نظرِ کیمیا اترنے ان کی کایا پلٹ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تزکیہ کی برکت سے ان کا معاشرہ ”رشتک ملائک“ بن گیا۔ اس قلبِ مابیت کے بعد ان میں جرائم کی شرح اس قدر حیرتناک حد تک کم ہو گئی کہ عقلِ انگشت بدنداں ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں سے کرید کرید کر لائقِ تعزیر واقعات تلاش کئے جائیں تو پورے دورِ نبویؐ میں ایسے واقعات کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اور بغیر کسی مبالغہ کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ایسے پاکیزہ معاشرہ اور ایسے فرشتہ خصلت انسانوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ الغرض صحابہ کرامؓ میں لائقِ تعزیر واقعات اگر پیش بھی آئے تو نہایت شاذ و نادر۔ اور عقلاء کا قاعدہ ہے کہ ”النادر کالمعدوم“ یعنی شاذ و نادر واقعات معدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اب ان حضرات کے معاشرہ کی پاکیزگی اور اس کی مجموعی کیفیت کو نظر انداز کر کے جرائم کے ان معدودے چند واقعات کو اچھاننا اور ان واقعات سے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت پر قرح کرنا، جیسا کہ آپ نے کیا ہے، کیا یہ صحتِ فکر کی علامت ہے ؟

دوم : جن حضرات سے ایسے افعال کا صدور ہوا، ان کا شمار مشاہیرِ صحابہؓ میں نہیں۔

اور غالباً ان کو طویل صحبت بھی میسر نہیں آئی۔ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ، جن کے رجم کا واقعہ مشہور ہے، اگر ان کا یہ واقعہ پیش نہ آتا تو شاید کوئی شخص ان کے نام سے بھی آشنا نہ ہوتا۔ اسی طرح جتنے صحابہؓ کے ایسے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اکثر اسی قسم کے گنہگار صحابہؓ ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ان گنہگار صحابہؓ میں بھی پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ جب ان سے نفس کے فوری جذبہ کی بنا پر گناہ کا صدور ہوا تو وہ گناہ ان کے دل کی پھانس بن گیا کہ جب تک ان کی تطہیر نہیں ہو گئی انہیں کسی کروٹ چھین نہیں آیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگاہ میں کوئی زبردستی پکڑ کر نہیں لایا بلکہ اپنے ضمیر کے بوجھ سے دب کر وہ از خود آکر اپنے گناہ کے معترف ہوئے۔ انہیں مشورہ دیا گیا کہ جا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں، مگر یہ تلقین بھی ان کی بے چینی و بے قراری کو ختم نہ کر سکی جب تک انہوں نے خدا کے راستہ میں جان نہ دے دی۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ ان گنہگار کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم ترین منقبت ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا عظیم الشان شاہکار اعجاز ہے۔ اس لئے یہ حضرات، جن سے مختلف قسم کے گناہ صادر ہوئے، اہل حق کے نزدیک بعد کے تمام اولیاء امت سے افضل ہیں۔ کیونکہ کردار کی یہ بلندی اور تقویٰ و طہارت اور پاکیزہ نفسی کی یہ کیفیت، جو ان حضرات کو صحبت نبویؐ کی برکت سے میسر آئی بعد کے کسی شخص کو نصیب نہیں۔

سوم: یہ گنہگار صحابہؓ جن سے جرائم کا صدور ہوا، انہوں نے ایسی سچی توبہ کی جو ہم سب کے لئے لائق رشک ہے اور گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

تر دامنی پہ اپنی اے زاہد نہ جانیو

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

یہاں تین واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن سے ان حضرات کی توبہ و اثابت ثابت ہوتی ہے:

پہلا واقعہ :

رحم کا سب سے مشہور واقعہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ صحیح مسلم (صفحہ ۶۸، جلد ۲) میں بروایت بریدہ مروی ہے کہ لوگوں کی ماعزؓ کے بارے میں دو جماعتیں بن گئیں، کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہو گیا، اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ماعزؓ کی توبہ سے بڑھ کر کس کی توبہ ہو سکتی ہے، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ مجھے پتھروں سے قتل کیجئے۔ لوگ اسی حال میں دو یا تین دن ٹھہرے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، لوگ بیٹھے تھے، آپؐ نے سلام کیا، پھر تشریف فرما ہوئے۔ پھر فرمایا، ماعزؓ بن مالک کے لئے استغفار کرو۔ لوگوں نے دعا کی، ”غفر اللہ لماعز بن مالک“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لو سعتهم .

ترجمہ: ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کر دی جاتی تو پوری امت کو کافی ہوتی۔“

نسائی میں بروایت ابو ہریرہؓ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لقد رأيته بين أنهار الجنة ينغمس .

(کذا في الطح (۱۲-۱۳۰) عزوا الى النسائي - وهو عند النسائي في الكبرى

(۲-۲۷۷) بالفاظ مختلفة)

ترجمہ: ”میں نے اسے دیکھا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے“

مسند احمد میں بروایت ابو ذر رضی اللہ عنہ یہ ارشاد مروی ہے:

غفر له وأدخل الجنة .

(مسند احمد صفحہ ۱۷۹ ج ۵)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔“

ابوداؤد (۲-۲۵۲) مصنف عبدالرزاق (۷-۳۲۲) اور موارد الضمان

(صفحہ ۳۶۳) میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے سنا کہ ”اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تھا، مگر اس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ آگے ایک مرے ہوئے گدھے کے پاس سے گزر ہوا تو آبؓ نے ان دونوں سے فرمایا:

انزلا فکلا من جيفة هذا الحمار.

ترجمہ: ”اتر کر اس گدھے کی لاش کو کھاؤ۔“

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کو کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا:

فلما نلتما من عرض أخیکما أنفا أشد من أکل

المیتة والذی نفسی بیدہ إنه الآن لئی أنہار الجنة ینغمس

فیہا.

ترجمہ: ”جو تم نے اپنے بھائی کی نیت کی ہے وہ اس مردار کھانے سے بدتر

ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک وہ اس

وقت جنت کی نمریوں میں غوطے لگا رہا ہے۔“

صحیح ابو عوانہ میں بروایت جابرؓ یہ الفاظ ہیں:

”فقد رأیتہ یتخفخض فی أنہار الجنة“

(فتح الباری صفحہ ۱۳۰، جلد ۱۲)

دوسرا واقعہ:

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا مشہور واقعہ غامیہؓ کا ہے۔ یہ خاتون بھی

بغیر کسی کی نشاندہی کے خود بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئیں۔ صحیح مسلم (۲-۶۸) میں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ان کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

”عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے مجھے پاک کیجئے۔

آپؐ نے اسے واپس کر دیا۔ اگلے دن پھر آئی، کہنے لگی یا رسول اللہ! آپ

مجھے واپس کیوں کرتے ہیں، شاید آپ مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں جیسے

ماغز کو واپس کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں توبہ کاری کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر ولادت کے بعد آنا۔ بچے کی پیدائش کے بعد وہ پھر آئی، تو فرمایا، بچے کی دودھ پھرائی کے بعد آنا۔ دودھ چھڑا کر بچے کو لائی، اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی، یا رسول اللہ! اب تو یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے۔ آپؐ نے اس کے رجم کا حکم دیا، لوگ رجم کر رہے تھے کہ حضرت خالدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا، جس سے خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے منہ پر آگرے۔ انہوں نے اس خاتون کو کوئی نامناسب لفظ کہا (نسبھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: **مہلا یا خالد! فوالذی نفسی بیدہ لقد تابت توبہ** لو تابہا صاحب مکس لغفر لہ۔

ترجمہ: ”خالد! برا بھلا کہنے سے باز رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کی بھی بخشش ہو جلتی۔“

پھر آپؐ نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور اسے دفن کیا گیا۔“

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ رجم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، اس نے تو زنا کا ارتکاب کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا:

لقد تابت توبہ لو قسمت بین سبعین من أهل

المدينة لو سعتهم وهل وجدت توبه افضل من أن جادت

بنفسها لله تعالى

(صحیح مسلم..... صفحہ ۶۹، جلد ۲)

ترجمہ: ”اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کو بھی کافی ہو۔ کیا تمہیں اس سے افضل توبہ مل سکتی ہے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کر دی؟“

تیسرا واقعہ:

۳: ابو داؤد (۲-۲۵۲-۲۵۳) مسند احمد (۳-۴۷۹) میں ایک اور واقعہ

مذکور ہے:

”حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک عورت بچے کو اٹھائے ہوئے گزری۔ لوگ اس کے ساتھ ہوئے، میں بھی ان میں شریک تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟ عورت خاموش رہی، ایک نوجوان نے کہا، یا رسول اللہؐ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پھر سوال کیا۔ نوجوان نے پھر کہا، یا رسول اللہؐ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے تحقیق فرمائی (کہ اس کو جنون تو نہیں، عرض کیا گیا) یہ تندرست ہے۔ آپؐ نے اس نوجوان سے فرمایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا، آپؐ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا۔ ہم نے اسے سنگسار کر کے ٹھنڈا کر دیا۔ ایک شخص اس مرحوم کے بارے میں پوچھنے آیا، ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ہم نے کہا، یہ شخص اس خبیث کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

هو أطيب عند الله عز وجل من ریح المسك .

ترجمہ: ”وہ خبیث نہیں۔ بخدا! وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشبو سے زیادہ

پاکیزہ تر ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو کلمات طیبات ارشاد فرمائے، کون مسلمان اس کی تمنا نہ کرے گا کہ کاش! نبوت کی زبان وحی تر جہان سے یہ دو لٹیں اس کو میسر آجائیں!

جس گنہگار کو توبہ کی توفیق ہو جائے، پھر اس کی توبہ قبول بھی کر لی جائے اور پھر اس کی قبولیت کی اطلاع بھی کر دی جائے اس سے بڑھ کر خوش بخت اور کون ہو سکتا ہے؟ التائب من الذنب کمن لا ذنب له ”گنہگار سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا

اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔" (مختلّوۃ شریف صفحہ ۲۰۶)

کا قانون تو ہم گنہگاروں کے لئے ہے، صحابہ کرامؓ جن کے مقبول التوبہ ہونے کی بشارتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق تر جہان سے دلائل گئیں، ان کا کیا پوچھنا؟ ان کے ایسے گناہوں پر صد زہد و طاعت قربان! الغرض جبکہ ساری تک و دو اور سعی و عمل سے مقصود رضائے الہی اور قرب عند اللہ ہے اور یہ دولت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بالقطع حاصل ہے تو یوں کہو کہ بہ برکت فیض صحبت نبویؐ ان حضرات کے گناہ بھی ہم سنگ طاعات ٹھہرے۔ اس کے بعد ان اکابر کے ان مغفور گناہوں کا ذکر کرنا میں نہیں سمجھتا کہ بجز اپنے نامہ عمل کو سیاہ کرنے کے اور کیا فائدہ دیتا ہے؟

صحابہ کرامؓ سے معاصی کے صدور کی تکوینی حکمت

جن حضرات کو حق تعالیٰ شانہ نے حقیقت و معرفت سے بہرہ ور فرمایا ہے وہ جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ان افعال میں بھی، جن کو شریعت نے لائق تعزیر قرار دیا، حق تعالیٰ شانہ کی تکوینی حکمت کار فرما تھی۔ اس لئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر کت دور میں ایسے واقعات رونما نہ ہوتے تو حدود شرعیہ کا نفاذ کیسے ہوتا؟ اور دین کی تکمیل کے عملی مظاہر کیسے سامنے آتے؟ کارکنان قضا و قدر نے تکمیل دین محمدیؐ کے لئے صحابہ کرامؓ کو پیش کر کے ان پر حدود کا نفاذ کرایا اور ان کے پاک دامن پر گناہ کے جو داغ دھبے آگئے تھے فوری طور پر توبہ و اثابت کے ذریعہ ان دھبوں کو صاف کر دیا گیا۔ اور تاکید کر دی گئی کہ خبردار! آئندہ کوئی شخص ان نفوس قدسیہ کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"اللہ اللہ فی أصحابی اللہ اللہ فی أصحابی لا

تتخذوہم غرضا من بعدی" (مختلّوۃ صفحہ ۵۵۳)

ترجمہ: "اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، اللہ سے

ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا

لینا۔"

مولانا عاشق الہی میرٹھی ” تذکرۃ التخلیل “ میں قطب الارشاد حضرت شاہ
عبدالرحیم رائے پوری کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

” ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں چار پائی پر بیٹھے ہوئے
اور چاروں طرف موندھوں پر خدام و حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا بالہ بنا
بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہ کی باہمی جنگ و رنجش
کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور
فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں تک نبوت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش
آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھر جھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا، راؤ
صاحب ایک مختصر سی بات میری سن لیجئے، بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات
دین و دنیا سے باخبر کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی
بڑی تعلیم کے لئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کے
لئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور
عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہئے، پس اصول کے
درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ بابرکت میں
حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے۔ ایک وہ جو منصب نبوت
کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمت شان نبوت کے منافی ہیں۔ پس
جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آنے مثلاً
تزوج اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا و فنانا کفنانا وغیرہ وغیرہ تمامی خوشی و غمی کے
واقعات حضرت کو پیش آگئے اور دنیا کو عملیہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے
پر ہم کو فلاں فلاں کلمہ کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ اور کسی کی
ولادت و ختنہ و نکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف
سنت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول پر پیش آویں تو عظمت رسالت کا
خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیم محمدی نامتتام رہے۔ مثلاً زنا و چوری وغیرہ
ہو تو اس طرح حد و تعزیر ہونا چاہئے اور باہم جنگ و قتل یا نفسانی اغراض پر

دنوی امور میں نزاع و رجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہئے۔ یہ امور ذات محمدیؐ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہذا حضرات صحابہؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ پر وہ سب ہی کچھ پیش آیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر پھلے برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ پس کوئی ہو تو ایسا باہمت جانتے جو تکمیل دین محمدیؐ کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانہ ملامت بننے پر فخر کرے اور بڑباز حل کئے کہ ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغ
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چلایا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثری میں کیا لطف ہے اور کوچہ معشوق کی تنگ و عار کیا لذیذ شے ہے ۔

از تنگ چہ گوئی مرا نام ز تنگ ست
و از نام چہ پرسی کہ مرا تنگ ز نام است

سچے عاشق تو اس طرح ہمدی تہمدی اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو ٹکد کریں اور ہم ان کے منصف و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لئے بینصیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہرالت سنیہ کے قدردان نہیں بن سکے تو کم سے کم بدزبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ،
اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو ہم من بعدی غرضاً ۔
(تذکرۃ التحلیل صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۸)

۴۔ مشاجرات صحابہؓ

پانچویں نکتہ میں آپ نے لکھا ہے کہ :

”حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں حضرت عائشہؓ اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، ان میں حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا، لیکن حضرت عائشہؓ کی اس فعل پر پشیمانی اور توبہ ثابت ہے۔ یہی اکابرین اہل سنت کا نظریہ ہے۔“
اس بحث میں چند امور قابل ذکر ہیں :

اول : امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو حالات پیش آئے اور جو بالآخر جنگ جمل اور جنگ صفین پر منتج ہوئے، وہ تاریخ میں مدون ہیں۔ یہ حالات ایسے ہو شربا تھے کہ عقل حیران تھی کہ کیا کیا جائے، کیانہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان شہیدؓ کے بعد بار خلافت اٹھانے کی جب درخواست کی گئی تو ارشاد فرمایا :

دَعُونِي وَالْقَبْرَ غَيْرِي ، فَإِنَّا مُسْتَقْبِلُونَ أَمْرًا لَهُ وَجْهٌ وَالْزَّوَانُ ، لَا نَقُومُ لَهُ الْقُلُوبُ ، وَلَا نَنْبُتُ عَلَيْهِ الْقُفُوفُ ^(۱۱۱۱) . وَإِنْ أَلَّا فَاقَ قَدْ أَغَامَتْ ^(۱۱۱۲) ، وَالْمَحْجَةُ ^(۱۱۱۳) قَدْ تَنَكَّرَتْ ^(۱۱۱۴)
(نسخ البلاغہ صفحہ ۱۳۶، خطبہ نمبر ۹۲)

ترجمہ : ”مجھے رہنے دو، کسی اور کو تلاش کرو، کیونکہ ہمیں ایسے امر کا سامنا ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں۔ جس کے سامنے نہ دل قائم ہو سکتے ہیں، نہ عقلیں ٹھہر سکتی ہیں۔ افق پر گھٹائیں چھلی ہوئی ہیں اور راستہ مشتبہ ہو گیا ہے۔“

یہ حالات کا صحیح نقشہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس وقت درپیش تھے۔ درم : ظاہر ہے کہ وحی کا دروازہ تو بند ہو چکا تھا، اب ان سنگین حالات میں ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا اور اس ضمن میں آراء کا اختلاف بھی ایک فطری چیز تھی۔ پتہ ناچہ ”ان حالات میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء میں بھی اختلاف رونما ہوا۔

جن صاحب نے اپنے اجتہاد سے جس چیز کو عند اللہ حق سمجھا، محض رضائے الہی کی خاطر اس کو اختیار کیا۔

ایک فریق نے یہ سمجھا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے، اس نے آپ کی حمایت میں جانبازی کے جوہر دکھائے۔ دوسرے فریق نے یہ سمجھا کہ مفسدین کا ٹولا، جس نے خلیفہ مظلومؑ کو شہید کر کے خلافت اسلامیہ کے پرچے اڑا دیئے، وہ نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں ہے بلکہ عملاً وہی بالادست ہے یہ ٹولا خلیفہ کے قابو میں نہیں، بلکہ خود ادارہ خلافت اس ٹولے کے قابو میں ہے۔ چنانچہ بیخ البلاغہ میں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے حضرت امیرؑ سے ان فتنہ پردازوں کی گوشمالی کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

بَا إِخْوَنَاهُ ! إِنِّي لَسْتُ أَجْهَلُ مَا تَعْمَلُونَ . وَذِكْرُ كَيْفٍ لِي بِفِتْنَةِ
وَالْفَوْمِ الْمُجْلِبُونَ^۱ "عَلَى حَدِّ شَوْكَتِهِمْ"^۲ . "بَسْلُكُونَنَا وَلَا تَسْلُكُهُمْ !
وَمَا نُمْ مَوْلَاهُ . قَدْ نَابَتْ مَعَهُمْ عَيْنَانُكُمْ . وَالْقَسْتُ إِلَيْهِمْ إِنْ غَرَبَتْكُمْ .
وَهُمْ يَخْلَعُكُمْ"^۳ "بَسْمُونُكُمْ"^۴ مَا شَاؤُوا ، وَهَلْ نَرَوْنَ مَوْضِعًا لِقُدْرَةِ
غُلٍّ شَيْءٍ تُرِيدُونَهُ

(بیخ البلاغہ ص ۲۴۳)

ترجمہ: "بھائیو! جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں، لیکن میرے پاس یہ قوت کہاں ہے؟ (کہ ان لوگوں کی گوشمالی کروں) جبکہ فوج کشی کرنے والے پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر حاوی نہیں، یہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور تمہارے بادیہ نشین بھی ان کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ تمہارے درمیان (مدینہ میں) موجود ہیں، جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی ایسی صورت نظر آتی ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو، اس کی قدرت حاصل ہو؟"

اس دوسرے فریق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، ان کے ظاہر و باطنی کمالات اور ان کے مقبول عند اللہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں تھا۔ ان کو جو مشکل درپیش تھی وہ یہ تھی کہ جب تک ان مفسدوں کو بالادستی حاصل ہے، حضرت علی رضی

اللہ عنہ کا ساتھ کیسے دیا جائے؟ ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ ان مفسدین کا قلع قمع کرنا اور خلافت کو ان کے چنگل سے نجات دلانا ضروری ہے۔

تیسرے فریق نے یہ خیال فرمایا کہ اب تک ہم کفار کے مقابلے میں صف آرا تھے اور ہماری تلواریں کافروں کو کاٹ رہی تھیں، لیکن اب مفسدوں کی فتنہ پردازی نے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا ہے۔ جن تلواروں سے ہم نے کافروں پر جہاد کیا انہی کو مسلمانوں کی گردن پر کیسے چلائیں؟ ان حضرات نے ورع و احتیاط کے طور پر اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے کنارہ کشی کی۔ تاکہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین نہ ہوں جیسا کہ احادیث میں متعدد صحابہ کرامؓ سے منقول ہے۔

الفرض حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، جیسا کہ حضرت امیرؓ نے فرمایا، افریقہ پر فتنہ کی گھنائیں چھا گئیں، راستہ مشتبہ اور بے پہچان ہو گیا، اور حالات نے کئی رخ اور کئی رنگ اختیار کر لئے۔ اس لئے جس فریق نے اپنے اجتہاد اور اپنی صوابدید کے مطابق جو پہلو اختیار کیا وہ محض رضائے الہی کے لئے تھا، اور ہر فریق اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف تھا۔ صحابہ کرامؓ کو جو حالات درپیش تھے ان کی حسی مثل ایسی سمجھنی چاہئے کہ ایک قافلہ دن کی روشنی میں سفر کر رہا تھا کہ ادھر آفتاب غروب ہوا، اور ادھر نہایت کالی گھٹا اٹھی اور آندھی کے جھکڑ چلنے لگے کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اور فضائیسی تلیک ہو گئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھانی نہیں دے رہا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوا۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بستہ حاضر ہو گئے۔ مگر کسی کو معلوم نہیں کہ قبلہ کس طرف ہے۔ اس لئے ہر شخص نے اپنی تحری اور اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کیا۔ ان رفقاء میں کسی کا منہ کسی طرف ہے اور کسی کا کسی طرف۔ مگر چونکہ ہر ایک اخلاص و للہیت کے ساتھ قبلہ رخ متوجہ ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ ایسے اشتباہ کی حالت میں ہر شخص اپنی صوابدید اور تحری پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے سب کی نماز صحیح ہے، اور وہ عند اللہ مقبول ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُس فتنہ کی تدریک کے دور میں صحابہ کرامؓ کا حل سمجھنا چاہئے، کہ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں وہ مختلف نظر آتے ہیں، مگر چونکہ ہر ایک کا مقصد ”قبلہ رضائے الہی“ کی طرف رخ کرنا ہے، اور چونکہ ان میں سے

ہر ایک اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک عند اللہ مقبول اور ”رضی اللہ عنہ ورضوانہ“ کا مصداق ہے۔

سوم: اس سے بھی بڑی مشکل یہ تھی کہ ان فتنہ پرداز مفسدوں کی پروپیگنڈہ مشینری پوری قوت اور شدت کے ساتھ اہل اخلاص کے درمیان منافرت پھیلانے میں مصروف تھی، ایک دوسرے کے خلاف کدورتیں پیدا کرنے کے لئے افواہیں گھڑی جا رہی تھیں اور دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ اکابر صحابہ کرامؓ کی پوسٹیں درری کی جا رہی تھیں۔ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے مندرجہ بالا اقتباس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

”وہ جس طرح چاہتے ہیں تمہیں آزار پہنچاتے ہیں۔“

حدیہ ہے کہ جب جنگ جمل سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمروؓ کو حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس بطور سفیر بھیجا اور ان کی گفتگو سے دونوں فریقوں کے درمیان مصلحت پر اتفاق رائے ہو گیا تو ان مفسدین نے رات کی تاریکی میں دونوں فریقوں پر شبنون ملا، ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے بد عمدی کی ہے اور پھر جو ہونا تھا ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں طبری کے حوالے سے لکھا ہے:

”ثم بعث علي إلى طلحة والزبير يقول: إن كنتم علي ما فارقتم عليه القعقاع بن عمرو فكفوا حتى ننزل فننظر في هذا الأمر، فأرسلنا إليه في جواب رسالته: إنا علي ما فارقنا القعقاع بن عمرو من الصلح بين الناس، فاطمأنت النفوس وسكنت، واجتمع كل فريق بأصحابه من الجيشين، فلما أمسوا بعث علي عبدالله بن عباس إليهم، وبعثوا إليه محمد بن طلحة السجاد وبنات الناس بخير ليلة، وبنات قتلة عثمان بشر ليلة، وبناتو يتشاورون وأجمعوا على أن يثيروا الحرب من الغلس، فنهضوا من

قبل طلوع الفجر وهم قريب من ألفی رجل فانصرف کل
 فريق إلى قراباتهم فہجموا علیہم بالسیوف، فثارت کل
 طائفة إلى قومهم لیمنعوهم، وقام الناس من منامهم إلى
 السلاح، فقالوا طرقتنا أهل الکوفة لیلًا، وبيتونا وغدروا
 بنا، وظنوا أن هذا عن ملأ من أصحاب علی فبلغ الأمر
 علیا فقال: ما للناس؟ فقالوا، بیتنا أهل البصرة، فثار
 کل فريق إلى سلاحه ولبسوا اللأمة وركبوا الخیول، ولا
 يشعر أحد منهم بما وقع الأمر علیہ فی نفس الأمر، وكان
 أمر الله قدرًا مقدورًا وقامت الحرب علی ساق وقدم!

(البدایة والنهاية ص ۲۳۹ ج ۷)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام
 بھیجا کہ اگر تم لوگ اس گفتگو پر قائم ہو جو قعقاع بن عمروؓ سے طے ہوئی تھی
 تو کسی مزید کارروائی سے باز رہو، یہاں تک کہ ہم اس معاملہ میں غور
 کر لیں۔ ان دونوں حضرات نے پیغام کے جواب میں کھلا بھیجا کہ ”قعقاع
 بن عمروؓ سے لوگوں کے درمیان مصالحت کی جو بات ہوئی ہے، ہم اس پر قائم
 ہیں۔“ پس لوگوں کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ اور دونوں
 لشکروں کے لوگ اپنے دوستوں سے ملنے لگے۔ جب شام ہوئی تو حضرت علی
 رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ
 عنہما کو بھیجا اور ان حضرات نے آپ کے پاس محمد بن طلحہ و سجاد کو بھیجا۔
 تمام لوگوں نے نہایت سکون و اطمینان اور خیریت سے رات گزاری۔ مگر
 قاتلین عثمانؓ نے یہ رات نہایت بے سکونی میں گزاری، وہ ساری رات
 مشغورے کرتے رہے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ صبح ہونے سے پہلے
 رات کے اندھیرے میں جنگ کی آگ بھڑکادیں۔ چنانچہ یہ لوگ صبح صادق
 سے پہلے اٹھے، جو قریباً دو ہزار آدمی تھے، پس ہر فریق اپنے اہل قرابت کے

پاس گیا اور ان پر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ پھر ہر گروہ اپنی قوم کی طرف اٹھا تاکہ ان کی حفاظت کرے۔ اور لوگ نیند سے اٹھے تو سیدھے ہتھیاروں کی طرف گئے، اور انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ نے ہم پر شکنجہ مارا ہے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یکمپ سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا؟ ان کو بتایا گیا کہ اہل بصرہ نے ان پر شکنجہ مارا ہے، چنانچہ ہر فریق ہتھیاروں کی طرف بھاگا۔ زرہیں پہنیں اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے، اصل قصہ کیا ہوا؟ اس کی کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر نافذ ہو کر رہی اور جنگ بھڑک اٹھی۔

چہارم: غلط فہمی کی بنا پر نفوس قدسیہ کے درمیان کشاکشی کا پیدا ہو جانا مستبعد نہیں، قرآن کریم میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے، سورۃ اعراف میں ہے:

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا، قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ، وَالْقَى الْأَلْوَابَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (الأعراف: ۱۵۰)

ترجمہ: ”اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوسناک، بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری میرے بعد، کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے؟ اور ڈال دیں وہ تختیں اور پکڑا سراپے بھلی کا، لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف، وہ بولا کہ اے میری ماں کے بچے، لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسنا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں۔“ اور سورۃ طہ میں ہے:

﴿قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا، أَلَا

تَتَّبِعْنِ، اَفْعَصَيْتَ اَمْرِي، قَالَ يَا ابْنُ اُمٍّ لَا تَاْخُذْ بِمُحِبَّتِي
وَلَا بِرَأْسِي، اِنِّي خَشِيتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَقْتُ بَيْنَ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۲﴾ (سورہ طہ ۹۲ تا ۹۴)

ترجمہ: ”کہا موسیٰ نے اے ہارون! کس چیز نے رو کا تجھ کو جب دیکھا تھا تو
نے کہ وہ ہمک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو نے رد کیا میرا حکم؟ وہ بولا
اے میری ماں کے بنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا
پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات۔“

(ترجمہ شیخ السند)

باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے جو
سلوک کیا، یہ ایک نبی کی صریح توہین تھی اور غیر نبی اگر کسی نبی کی ایسی توہین کرے تو اس پر
جو حکم جاری ہو گا وہ سب کو معلوم ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ
محض للہ فی اللہ تھا، اور اس کا منشا غلط فہمی تھا، اس لئے ان کا یہ فعل مدح و ستائش کے طور
پر قرآن کریم میں ذکر کیا گیا۔

ٹھیک یہی حیثیت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان واقعات سے سمجھنی
چاہئے، جن حضرات نے جو موقف اختیار کیا، اگرچہ اس کا منشا غلط فہمی تھا تب بھی انہوں
نے جو کچھ کیا چونکہ محض للہ فی اللہ تھا اس لئے ان کا یہ طرز عمل لائق طعن نہیں، بلکہ
موجب مدح و ستائش ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان اکابر کو شرف صحابیت کے ساتھ
مشرف فرمایا ہے اور بغیر کسی مبالغہ کے ان اکابر کے مقابلہ میں ہماری حیثیت وہی ہے جو
شہزادوں کے مقابلہ میں ایک بھنگی کی ہو سکتی ہے۔ شہزادوں کی لڑائی میں اگر بھنگی کسی ایک
پر طعن کرنے بیٹھ جائے تو شہزادوں کی شان میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ بھنگی کی
رزالت میں اضافہ ہو گا۔

چشم: اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے، اولی
الطائفین بالحق تھے۔ لیکن دوسرے اکابر پر نہ طعن و تشنیع جائز ہے، اور نہ ان کو
قطعیت کے ساتھ اہل باطل کہنا صحیح ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ہر فریق

اپنے اجتہاد کے مطابق اپنے تئیں حق پر سمجھتے ہوئے محض رضائے الہی کے لئے کوشاں تھا۔ ان تمام حضرات نے اپنے اجتہاد سے حق کو پانے کی کوشش کی۔ اور مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی اس سے چوک ہو جاتی ہے۔ پہلی صورت میں اس کو دہراجر ملتا ہے اور دوسری صورت میں وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دہراجر ہے، بلکہ ایک روایت کے مطابق دس گنا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اپنے اجتہاد کے مطابق معذور و مایوس ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اجر سے محروم نہیں۔

ششم: مشاہرات کے دوران جو امور غیر ارادی طور پر پیش آئے وہ بہر حال لائق افسوس تھے۔ ان واقعات کو سن کر آج ہم ایسے سیاہ باطن اور سنگدل لوگوں تک کو صدمہ ہوتا ہے، جن اکابر کے سر سے یہ واقعات گزرے ان نفوس قدسیہ کے تاثر و تاسف کا کیا عالم ہوگا؟ اظہار تاسف کے الفاظ حضرت ام المومنین حبیبہ حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیہا وسلم) ہی سے منقول نہیں، بلکہ امیر المومنین و یعسوب المسلمین مولانا علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں نقل کیا ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتولوں کے لاشوں میں گھوم رہے تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھی، آپ ان کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرما رہے تھے:

”رحمة الله عليك أبا محمد، يمز علي أن أراك

مجدولا تحت نجوم السماء. ثم قال: إلى الله أشكو عجری

وبعجری، والله لو ددت أنى كنت مت قبل هذا اليوم

بعشرين سنة“ (البدایہ والنہایہ..... صفحہ ۷۴۷، جلد ۷)

ترجمہ: ”ابو محمد! تم پر اللہ کی رحمت ہو، مجھ پر یہ بات نہایت شوق گزر رہی ہے کہ میں تجھے آسمان کی چمت کے نیچے مقتول پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا: میں اپنے غم و حزن کی اللہ کے سامنے شکایت کرتا ہوں، بخدا! میں تمنا

کرتا ہوں کہ میں آج کے دن سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔“

اس واقعہ کو حاکمؒ نے ”مستدرک“ (۳/۳۷۲) میں، حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے ”سیر اعلام النبلاء“ (۱-۳۶) میں اور حافظ نور الدین بیہمیؒ نے ”مجمع الزوائد“ (۹/۱۵۰) میں بھی ذکر کیا ہے، نیز مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے بہ سند جیدہ روایت نقل کی ہے:

”عن قیس بن عباد قال شهدت علیاً یوم الجمل
 یقول لابنہ حسن: یا حسن! وددت انی مت منذ عشرين
 سنة“ رواه الطبرانی واسنادہ جید

(مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۰، جلد ۹)

ترجمہ: ”قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ کے پاس موجود تھا، آپ اپنے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے، حسن! میں تمنا کرتا ہوں کہ آج سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔“

الغرض اظہار تأسف کے کلمات دونوں طرف سے منقول ہیں، اس لئے ام المؤمنینؓ کے حق میں توبہ کے الفاظ استعمال کرنا سوء ادب سے خالی نہیں، ہاں! اس کو ”حسنات الابراہیم المقربین“ میں شمار کرنا چاہئے۔

ہفتم: حضرات شیعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔ اور ان کا نام برائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ انصاف سے کام لیتے تو جس طرح وہ دیگر صحابہؓ کا نام کم سے کم رسمی طور پر تعظیم کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں، اسی طرح انہیں چاہئے تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا نام بھی تعظیمی الفاظ میں ذکر کرتے۔ کیونکہ:

اولاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے خلافت ان کے حوالے کر دی تھی۔ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی، جیسا کہ اس سے قبل نقل کر چکا ہوں۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ

عنه مومن صلح نہ ہوتے تو نہ خلافت ان کے سپرد کی جاتی اور نہ یہ اکابر ان کے ہاتھ پر بیعت فرماتے۔ روایات کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے شیعوں سے افضل اور بہتر مسلمان سمجھتے تھے، کیونکہ شیعہ مومنین نے حضرت امام کو اس قدر ستایا کہ آپ نے تنگ آکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران صفحہ ۱۴۸ میں ہے :

۴- ج : عن زید بن وہب الجہنی قال : لما طعن الحسن بن علیؑ بالمدائن اثبتہ و هو متوجع فقلت : ماتری یا ابن رسول اللہ فان الناس متحبرون ؟ فقال : اری و اللہ معاویہ خیراً لی من هؤلاء ، یزعمون انہم لی شیعۃ یتقوا قتلی و انتہبوا ثقلی ، و اخذوا مالی ، و اللہ لان آخذ من معاویہ عہداً احقن بہ دمی و آمن بہ فی اہلی خیر من ان یقتلونی فتضیع اہل بیٹی و اہلی ، و اللہ لو قاتلت معاویہ لاخذوا یسقی حتی یدفعونی الیہ سلماً .

(بحار الانوار صفحہ ۲۰، جلد ۴۴)

ترجمہ : ”زید بن وہب جہنی سے روایت ہے کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا اس وقت ان کو زخم کی تکلیف تھی۔ میں نے کہا، اے فرزند رسول ! آپ کی کیا رائے ہے، لوگ بہت متحیر ہو رہے ہیں۔ امام نے کہا کہ اللہ کی قسم ! میں معاویہؓ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں، جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا سہل لونا اور میرا مال لے لیا۔ اللہ کی قسم ! میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے متعلقین ضائع ہو جائیں۔ واللہ ! اگر میں معاویہؓ سے لڑتا تو شیعہ میری گردن پکڑ کر مجھے معاویہ کے حوالے کر دیتے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شیعوں کو اپنے امسوں سے کیسی محبت و عقیدت تھی ؟ ان کے گھر کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے اور ان کے قتل تک کے درپے ہوتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو اپنے شیعوں کے ”حسن عقیدت“ کی وجہ سے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ باعزت طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لیں اور یہ بھی

ثابت ہوا کہ حضرت امامؑ، امیر معاویہؓ کو کم سے کم شیعوں سے بہتر مسلمان سمجھتے تھے۔

الغرض جب شیعوں کے دو عالی قدر اماموں (حضرات حسین رضی اللہ عنہما) نے امیر معاویہؓ سے مصالحت کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور خلافت ان کے سپرد کر دی تو ان کے تمام شیعوں پر ان کی بیعت لازم ہو گئی۔ اس لئے حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ ائمہ کی اقتدا میں اپنے تئیں بیعت معاویہؓ کا پابند سمجھیں اور ان اکابر کی محبت و عقیدت کے تقاضے سے حضرت امیر معاویہؓ کا احترام کریں۔ اب یہ کتنی بری بات ہوگی کہ باپ تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور باخلف بیٹا اس کو گالیں بکے۔ لام ایک شخص کے حلقہ بیعت میں داخل ہو اور مقتدی اس کو برا کہیں۔

ثانیاً: اگر شیعہ امامین ہمامین الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کی نہیں مانتے تو کم سے کم ان کے پدر بزرگوار اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ارشاد ہی پر کان دھریں :

۱۔ نبج البلاغہ میں ہے کہ حضرتؑ نے جنگ صفین کے بعد اپنے لشکر کے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ اہل شام کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو آپؑ نے ان کو منع فرمایا۔ اہل شام کے لئے دعائے خیر کرنے کا حکم فرمایا :

إِنِّي أَمَرْتُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَّابِينَ ، وَلَكِنْكُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ أَعْمَالَهُمْ ، وَذَكَرْتُمْ حَالَهُمْ ، كَانَ أَضَوَّبَ فِي الْقَوْلِ ، وَأَبْلَغَ فِي الْمَعْنَى ، وَكَلَّمْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ لِأَيَّامِهِمْ : اللَّهُمَّ اخْتِنِ دِمَائَنَا وَدِمَاءَهُمْ ، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ ، وَأَهْلِهِمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ ، حَتَّى يَتَرَفَّ الْحَقُّ مِنْ جَهْلِهِ ، وَيَرْهَوِي ^(۸۸) عَنِ الْقِي وَالْعُلُوِّانِ مَنْ لَيْسَ بِهِ ^(۸۹)

(نبج البلاغہ صفحہ ۳۲۳)

ترجمہ: ”بے شک میں تمہارے لئے اس امر کو پابند کرتا ہوں کہ تم گالیں بکنے والے بن جاؤ، لیکن اگر تم ان کے اعمال اور ان کے صحیح حالات بیان کرتے تو یہ زیادہ صحیح بات ہوتی۔ اور اس سے حجت بھی تمام ہو جاتی۔ اور تم

ان کے سبب و شتم کے بجائے ان کے لئے یہ دعا کرتے کہ :
 ”یا اللہ ! ہمارے اور ان کے خونوں کو محفوظ رکھ، ان کے اور ہمارے درمیان
 تعلقات کی اصلاح فرما اور ان کو اس گمراہی سے ہدایت فرما“
 تو جو شخص حق سے بے خبر ہے وہ حق کو پہچان لیتا اور جو گمراہی و سرکشی کی باتیں
 کرتا ہے وہ اس سے باز آجاتا۔“

۲۔ حضرت امیرؓ اہل شام کو کافر نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کو اپنے بھائی سمجھتے تھے اور یہ
 کہ انہوں نے اطاعت سے جو سرباکی کی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں خون عثمانؓ
 میں مستہم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔ نبج البلاغہ میں ہے کہ جنگ صفین
 کے بعد حضرتؓ نے اہل امصار کے نام گشتی فرمان جاری فرمایا جس میں اس قضیہ کی تشریح
 فرمائی :

وَكَاَنَ بَدْءُ أَمْرِنَا أَنَا التَّقَبُّنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ
 رَبَّنَا وَاحِدٌ^(۲۲۸) ، وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ ، وَدَعْوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ ، وَلَا
 نَسْتَفْرِيدُهُمْ^(۲۲۹) فِي الْإِيمَانِ بِاللهِ وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا يَسْتَفْرِيدُونَنَا :
 الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ ، وَنَحْنُ مِنْهُ بِرَاءٌ
 (نجم البلاغہ صفحہ ۴۴۸)

ترجمہ : ”ہمارے قضیہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا۔
 حالانکہ ظاہر ہے کہ ہمارا خدا ایک ہے، نبی ایک ہے اور دعوت فی الاسلام ایک
 ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
 تصدیق کا تعلق ہے، نہ ہم ان سے اس بارے میں کوئی مزید مطالبہ کرتے تھے
 نہ وہ ہم سے، ہمارا سب کچھ ایک تھا، سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی
 اللہ عنہ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری
 ہیں.....“

حضرت امیرؓ کے اس نامہؓ غبر شامہ سے واضح ہے کہ اہل شام بھی ایسے ہی کچے
 سچے مسلمان ہیں جیسا کہ خود حضرت امیرؓ کے رفقاء۔ اختلاف ہے تو صرف اس نکتہ میں
 کہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوہ کرنے والوں میں سے بقیۃ السیف حضرت امیرؓ کے

سایہِ مہمانیت میں پناہ گزین تھے اور حضرت "کوان" کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کا موقع میسر نہیں آیا تھا اس لئے اہل شام حضرت امیرؒ سے برگشتہ ہو گئے، بلکہ انہیں یہ تک خیال ہوا کہ خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ ہے۔ وحاشا جنابہ من ذالک

۳۔ اور جنگ صفین سے واپسی کے بعد لوگوں سے حضرت امیرؒ فرماتے تھے کہ امدت معاویہؓ کو بھی برانہ سمجھو، کیونکہ وہ جس وقت نہ ہوں گے تو تم سروں کو گردنوں سے اڑتے ہوئے دیکھو گے۔

(مقام صحابہؓ صفحہ ۱۳۰، بحوالہ عقیدہ واسطیہ صفحہ ۴۵۸)

۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خون عثمانؓ کے قصاص کی وجہ سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے برسرِ پیکار ہوئے، ورنہ وہ حضرت امیرؒ کے علم و فضل کے دل و جان سے معترف تھے۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حلفا فرماتے تھے کہ "علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں" اور یہ کہ میرا اور ان کا اختلاف صرف حضرت عثمانؓ کے مسئلہ میں ہے۔ اگر وہ خود خون عثمانؓ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۹، جلد ۷ - ۱۲۹، جلد ۸)

۵۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ رونے لگے، اہلیہ نے پوچھا کہ آپ زندگی میں ان سے لڑتے رہے، اب روتے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم نہیں جانتیں کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیسا علم دنیا سے رخصت ہو گیا۔" (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۲۹، جلد ۸)

۶۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ضرار صدائی سے کہا کہ "میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو" اس پر انہوں نے غیر معمولی الفاظ میں حضرت علیؓ کی تعریف کی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: "اللہ ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے، خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

(الاستیعاب تحت الاصابہ صفحہ ۴۳ - ۴۴، جلد ۳)

۷۔ قیصر روم نے مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصر کے نام

ایک خط لکھا:

”اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کر لوں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہو گا اس کے پہلے سپاہی کا نام معاویہؓ ہو گا۔ اور میں قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا، اور تمہاری حکومت کو گاجر مولیٰ کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا۔“ (تاج العروس صفحہ ۲۰۸، جلد ۷۔ مادہ ”اصطغلین“)

۸۔ متعدد مورخین نے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین وغیرہ کے موقع پر دن کے وقت فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔

(الہدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۷، جلد ۷)

الغرض جب حضرت امیرؓ اور ان کے رفقاء، حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں تو جناب امیرؓ کے نام لیواؤں کو یہی لازم ہے کہ ان کو مسلمان سمجھیں اور یہ کہ شبہ کی بنا پر ان حضرات سے چوک ہو گئی اور جیسا کہ حضرت امیرؓ نے ہدایت فرمائی اس پر ان کو برا بھلا کہنے کے بجائے ان کے لئے دعائے خیر کریں۔

مثلاً: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شرف صحابیت حاصل تھا اور جس کثرت و شدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افراد امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان حضرات کا تعلق چونکہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبت رسولؐ ہے اور ان سے بغض، بغض رسولؐ کا شعبہ ہے۔ ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اللہ اللہ فی أصحابی . اللہ اللہ فی أصحابی لا

تَتَخَذُوهُمْ غُرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحْبَبَهُمْ وَمَنْ
أَبْغَضَهُمْ فَبِإِبْغَضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ

آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ“
(ترمذی ص ۲۲۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: ”اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، مکرر
کتابوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے معاملہ میں، ان کو
میرے بعد بدف تقدیر نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت
کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان
کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا
دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔“

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی
سے بڑی نیکی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
اس لئے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ چنانچہ
ارشاد ہے:

”لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ

أَحَدِ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مِنْ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ“
(بخاری ص ۵۱۸ ج ۱، مسلم ص ۳۱۰، مشکوٰۃ ص ۵۵۳)

ترجمہ: ”میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ
میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں
سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو
نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشر کو۔“

مقام صحابہؓ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا
پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس
کا اظہار کریں۔ فرمایا:

”إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا لَعْنَةُ اللَّهِ

(ترمذی ص ۲۲۷ ج ۲)

”علی شرکم“

ترجمہ: ”جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔ (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔“

آج سے تیس سال پہلے اس ناکارہ نے مؤخر الذکر حدیث کے چند فوائد مابینہ بینات محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں ذکر کئے تھے۔ بتصرف یسیر ان فوائد کو یہاں نقل کرتا ہوں:

- ۱۔ حدیث میں ”سب“ سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ یہ ایسے شخص کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔
- ۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے۔ (وقد صرح به بقوله فمن اذا هم فقد آذني) اور آپ کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حبط اعمال کا خطرہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون لئذا سب صحابہ میں سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔
- ۳۔ صحابہ کرام کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا طاعت اسلامیہ کا فرض ہے۔

(فان الامر للموجب)

- ۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے: لعنة الله على شرکم

- ۵۔ ”شرکم“ کے لفظ میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ”شر“ مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمہارے پھیلانے ہوئے شر پر اللہ کی لعنت! دوسرا احتمال یہ کہ ”شرکم“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو مشکلات کے طور پر استعمال ہوا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ”تم میں سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم

سے جو بھی بدتر ہو، اس پر اللہ کی لعنت۔ ” اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ناقدین صحابہؓ کے لئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے
 لئے تنقید صحابہؓ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل
 کھلی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا
 پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بد مر کر جی لو۔ مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جاسکے گا، آخر تم
 وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا
 دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ ہاں! تم وہ دل
 کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ میحالی محمدیؐ سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو
 انوارِ قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۃ محمدیؐ سے مس
 ہوئے اور ساری عمر ان کی بوئے غبرس نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ
 محمدیؐ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زبان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم
 وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ
 گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کے دیئے جاتے اور تشنہ کا مان
 محبت، ”ہل من مزید“ کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے، جو
 کافی اری اللہ عیاناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں
 کا تھا علی رؤسنا الطیر کا سہل بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشین تختِ رسالت کہاں سے
 لاؤ گے، جس کی طرف هذا الا بیض المتکی سے اشارے کئے جاتے تھے؟ (صلی اللہ
 علیہ وسلم) تم وہ شمیم غبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی
 کوچے معطر ہو جاتے تھے؟ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خواب نیم شبی
 کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو توحید حاصل کیا جاتا تھا؟
 تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوتؐ سے ناپ ناپ کر ادا کئے جاتے تھے؟ تم وہ
 اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدیؐ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ
 کہاں سے لاؤ گے جو ”صبغۃ اللہ“ کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے
 جو دیکھنے والوں کو نیم نسل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں

کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی (نعوذ باللہ) میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمت باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو۔

علامہ طبریؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسانؓ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے۔

”اتھجوه ولست له بکفوء
فشر کما لخير کما فداء

ترجمہ: ”کیا تو آپؐ کی جھو کرتا ہے جبکہ تو آپؐ کے برابر کا نہیں ہے؟
پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔“

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہؓ کا نشانہ نقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا نشانہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابیؓ کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابیؓ کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابیؓ سے بڑھ کر صفت عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ ”شر“ اور نفس کا وہ ”خبث“ جو تنقید صحابہؓ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ”شر“ کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے۔ یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا

چاہئے۔ اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب رہا یہ قصہ کہ ”تم دونوں میں برا“ کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں۔ دونوں کے مجموعی حالات کو سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابیؓ برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸۔ حدیث میں فقہولوا کا خطاب امت سے ہے، گویا ناقدین صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں۔ اور یہ ناقدین کے لئے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر ”فلیس منا“ کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا، اسی طرح ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا۔ کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدین صحابہؓ کی جماعت بھی ان ”مارقین“ سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رابعاً: جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مومن بھی ہیں اور صحابیؓ بھی، اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان کو خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قیامت کے دن رسوا نہیں کریں گے بلکہ توبہ کی برکت سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و حرمت کی برکت سے ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا
عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ، نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ

لَنَا نُودِنَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۸﴾

(سورۃ التحریم..... ۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ، امید ہے تمہارا رب تار دے گا تم پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس دن کہ اللہ ذیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر ہم کو، بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔“

(ترجمہ شیخ النذ)

انشاء اللہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء اس آیت شریفہ کا مصداق ہوں گے۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر بے مقصد تنقید کرنے کے بجائے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے اور ہمیں وہی دعا کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ

رَحِيمٌ﴾

(سورۃ الحشر..... ۱۰)

ترجمہ: ”اے رب بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیز ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔“

(ترجمہ شیخ النذ)

خامساً: حضرت امیرؓ اس پر تعجب کا اظہار فرماتے تھے کہ زمانہ کی بو العجیبی اور ستم ظریفی دیکھو کہ ان کا مقابل معاویہؓ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نبج البلاغہ میں ہے کہ حضرتؓ نے امیر معاویہؓ کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا:

”فيا عجباً للدهر! إذ صرت يقرن بي من لم يسع

بقدمي، ولم تكن له كسابقتي“

(نبج البلاغہ صفحہ ۳۶۹)

ترجمہ: ”زمانہ کی ہوا العجیبی دیکھو! کہ میرے ساتھ ملایا جاتا ہے اس شخص کو جو مجھ سے قدم ملا کر نہیں چل سکا۔ اور جس کے سواہق اسلامیہ مجھ جیسے نہیں۔“

مطلب یہ کہ ایک طرف حضرت علیؑ کے فضائل و کمالات، ان کے سواہق اسلامیہ اور دین کی خاطر ان کی جاں فروشی کے واقعات کو رکھو اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہؓ کے حالات کو دیکھو! دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت علیؑ سے کیا مقابلہ؟ یہ السابقون الاولون کے ائمہ میں سے ہیں، اور وہ مسلمۃ الفتح کے لوگوں میں سے، یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی صف کے آدمی ہیں اور ان کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے، دونوں کو ایک ہی ترازو سے تولنا اور ایک ہی پیمانے سے ناپنا ہوا العجیبی اور ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے؟

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کو حضرات خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو (خواہ وہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اگر امیر معاویہؓ خلفائے راشدینؓ کے مقابلہ میں فروتر نظر آتے ہیں تو بعد کے لوگ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں صفر نظر آتے ہیں۔ اگر وہاں آسمان و زمین کا فاصلہ ہے تو یہاں عرش سے تحت الثریٰ تک کا فاصلہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

”فلم یکن من ملوک المسلمین خیر من معاویہ، ولا

کان الناس فی زمان ملک من الملوک خیرا منهم فی زمن

معاویہ، إذا نسبت أيامه إلى أيام من بعده، وأما إذا

نسبت إلى أيام أبی بکر وعمر ظہر التفاضل“

(منہاج السنۃ صفحہ ۱۸۵، جلد ۳)

ترجمہ: ”جب تم حضرت معاویہؓ کے دور کا بعد کے زمانوں سے مقابلہ کر کے دیکھو گے تب معلوم ہو گا کہ سلاطین اسلام میں کوئی جس معاویہؓ سے

اچھا نہیں تھا۔ نہ کسی بادشاہ کے زمانے میں لوگ اتنے اچھے تھے، جتنے کہ حضرت معلویہؓ کے زمانے میں۔ ہاں! ان کے دور کا مقابلہ شیخینؓ کے دور سے کرو گے تو دونوں زمانوں کا فرق ظاہر ہوگا۔

الغرض جس طرح حضرت امیر معلویہؓ کا مقابلہ خلفائے راشدینؓ سے کرنا بوالعجبی ہے، اسی طرح ناقدین معلویہؓ کا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم بوالعجبی و ستم ظریفی نہیں۔ ان ناقدین میں آخر کون ہے جس کو بحالت ایمان زیارت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو، اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادر نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں بادی و مہدی ہونے کی دعا ہو؟

عن عبد الرحمن بن أبی عمیرۃ عن النبی ﷺ أنه

قال لمعاویۃ «اللهم اجعلہ ہادیا مہدیا و اہدیہ»

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۹)

ترجمہ: ”عبدالرحمن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معلویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی: اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا، ہدایت یافتہ بنا دیجئے۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دیجئے۔“

سلف صالحین اس فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے تھے اور حضرت معلویہؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ امام قوادہؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معلویہؓ جیسے عمل کرنے لگو تو اکثر لوگ تمہیں مہدی سمجھنے لگیں، امام مجاہدؒ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ حضرت معلویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کو مہدی سمجھتے۔ امام اعمشؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے اگر تم معلویہؓ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کیا گیا، کیا ان کے حلم و بردباری کو دیکھ کر؟ فرمایا نہیں! اللہ کی قسم! ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر۔ امام ابو اسحق سبیعیؒ فرماتے ہیں اگر تم حضرت معلویہؓ کو اور ان کے زمانہ کو دیکھ لیتے تو یہ کہتے کہ یہ تو

مہدی ہیں۔ امام ابو اٹحیٰؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کے بعد ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔
(منہاج السنۃ صفحہ ۱۸۵، جلد ۳)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے:

”لمشهد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغير فيه وجهه، خیر من عمل أحدكم عمره، ولو عمر عمر نوح“

(ابوداؤد کتاب السنۃ صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ: ”ان میں سے ایک آدمی کا کسی ایک موقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا، جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، تہلکے عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے، خواہ کسی کو عمر نوح“ نصیب ہو جائے۔“

قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے کہ امام معافی بن عمرانؒ سے عرض کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا درجہ کیا ہے؟ سن کر نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا:

”لا يقاس بأصحاب النبي ﷺ أحد، معاوية

صاحبه، وصهره، وكاتبه، وأمينه على وحى الله“

(تطهير الجنان: ابن حجر مکی صفحہ ۱۰)

ترجمہ: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے مقابلہ میں کسی کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ معاویہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، آپؐ کے برادر نسبتی ہیں، آپؐ کے کاتب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر آپؐ کے امین ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

”والله إن الغبار الذي دخل في أنف فرس معاوية

مع رسول الله ﷺ أفضل من عمر بألف مرة، صلى

معاویہ خلف رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ:

«سمع الله لمن حمده» فقال معاویہ رضی اللہ عنہ: ربنا

لك الحمد، فما بعد هذا الشرف الأعظم؟

(حوالہ بالا)

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو غبار حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ٹانگ میں داخل ہوا، وہ بھی عمر بن عبدالعزیزؓ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے اٹھتے ہوئے سماع اللہ لمن حمده کہا، پیچھے سے حضرت معاویہؓ نے کہا، ربنا لك الحمد پس اس عظیم تر شرف کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے؟“

انصاف کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت اور صحابیت کا جو شرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میسر آیا کیا بعد کے لوگوں کو اس دولت کا کوئی شرمہ نصیب ہو سکتا ہے؟ تو کیا پھر تائیدین معاویہؓ کو ”ایاز! قدر خویش بشناس!“ کا مشورہ نہ دیا جائے؟

حضرت معاویہؓ کے لئے تو زبان نبوتؐ سے جنت واجب ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری ”باب ما قيل في قتال الروم“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

«أول جيش من أمتي يغزو البحر قد أوجبوا»

(صحیح بخاری..... صفحہ ۴۱۰، جلد ۱)

ترجمہ: ”میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لئے) واجب کر لیا۔“

بالاجماع اس ”اول جيش“ کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے ان کا جنتی ہونا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ کیا تائیدین میں سے بھی کسی کو جنت کی سند حاصل ہے؟ ﴿إِنْ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

۵۔ فتاویٰ عزیزی میں الصحابة کلمہ عدول کی بحث

آنجناپ نے چھٹے نکتہ میں فرمایا ہے کہ:

”حضرت شہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں ”الصحابة کلمہ عدول“ کے تحت دو مقلات پر جو تصریحات کی ہیں وہ اس حقیر کے نزدیک درست ہیں، جن سے صحابہ کرامؓ کا غیر معصوم اور ”محدود“ ہونا ثابت ہوتا ہے۔“

حضرت شہ صاحب نے ”الصحابة کلمہ عدول“ کی بحث میں دو باتیں ذکر

فرمائی ہیں۔

اول: یہ کہ اکابر صحابہ کرامؓ گناہوں سے محفوظ تھے لیکن معصوم نہیں تھے۔ صحابہؓ میں سے بعض پر حدود کا بھی اجرا ہوا۔ اس کے باوجود شرف صحابیت کا مقتضایہ ہے کہ ان پر طعن نہ کیا جائے جس طرح کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زلات پر طعن جائز نہیں۔

دوم: یہ کہ تمام صحابہ کرامؓ روایت حدیث میں ثقہ اور عادل ہیں۔ شہ صاحب کی عہدیت بقدر حاجت درج ذیل ہے:

”علم عقائد کے متون میں جو ذکر ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہئے، تو متون میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارہ میں ہو، تو اس روایت سے عقائد کے اس مسئلہ میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اصحاب متون کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجود طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں اس واسطے کہ کسی صحابی کے بارہ میں شرب خمر ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے اور بارہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے حدود ان پر قائم کیا ہے۔ اور حسان بن ثابت اور مسطح بن اثامہؓ سے قذف کا صادر ہونا ثابت ہوا۔ ان پر حد بھی جاری ہوئی اور ماعز اسلمیؓ سے زنا صادر ہوا اور وہ رجم کئے گئے۔“

”البتہ حضرات صحابہ کرامؓ بحیثیت صحابہ ہونے کے واجب الاحرام ہیں۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن کی زبان دراز نہ کریں تاوقتیکہ ان میں سے کسی کا نفاق و ارتداد قطعی طور پر معلوم نہ ہو، مثلاً ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

انک امرء فیک جاہلیۃ

ترجمہ: ”تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔“
تو اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ ”مرد جاہل تھے اور ایسا ہی ابو جہیمؓ کے بارے میں، جو بہترین صحابہ میں سے تھے، صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:

لا یضع عصاه عن عاتقہ

ترجمہ: ”اپنے کندھے سے اپنی لٹھ نہیں اتارتا۔“
یہ کنایہ ہے اس سے کہ آپ بہت زود کوب اور سیاست اپنی عورتوں اور خادمہوں کی کرتے تھے، اس سے لوگوں کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ ابو جہیمؓ مرد ظالم تھے۔ بلکہ اگر ان سے اوپر نظر کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے لفظ عتب آمیز وارد ہوا، تو امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان الفاظ کے لحاظ سے ان انبیاء علیہم السلام کی شان میں کچھ کلام کریں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

وعصی آدم ربہ فغوی

ترجمہ: ”اور آدم نے سرکشی کی اور نافرمان ہو گیا۔“
حلائکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عاصی و غوی کہتا ہے اور مثلاً یہ کلام پاک میں ہے:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ

الظَّالِمِينَ﴾

ترجمہ: ”نہیں ہے معبود دیگر سوا تیرے، پاک ہے تو اور میں ظالموں میں سے ہوں۔“

اور یہ کلام پاک میں ہے :-

﴿إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْفَلَكَ الْمَشْحُونِ، فَسَامَهُ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ، فَالْتَقَتَهُ الْحَوْتَ وَهُوَ مُلِيمٌ﴾ (الصفات) .

یہ آیتیں شان میں حضرت یونس علیہ السلام کے ہیں۔ حالانکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ”بھگوزا“ اور ظالم و ملیم کناکسی کے لئے جائز نہیں۔ متون کی عبادت بھی صحیح ہے کہ بلحاظ رعایت ادب کے امت کے افراد کو چاہئے کہ کسی صحابی کی شان میں طعن نہ کریں اور حدیث مذکور بھی صحیح ہے وہ باتبرد واقع کے ہے اور یہی صحیح عقیدہ اہل سنت کا ہے۔ شکر اللہ سعیدہم اور کتب اصول میں جو مرقوم ہے کہ :-

الصحابۃ کلہم عدول

ترجمہ : ”یعنی سب حضرات صحابہ عادل ہیں۔“

تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کے بدلے میں معتبر ہیں۔ ہرگز صحابہ سے کذب روایات حدیث میں ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بدلے میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے۔ نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گنہہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے۔ البتہ صحابہ کبائر سے عدا گنہہ صادر نہ ہوئے۔ وہ اس سے محفوظ رہے۔“ (فتاویٰ عزیزی اردو صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)

کاش ! کہ حضرات اہل تشیع حضرت شاہ صاحب کی ان دونوں باتوں کو پلے بندھ لیتے تو سدا جھگڑا ختم ہو جاتا۔

۶۔ مقام صحابہ : از مفتی محمد شفیع

ساتویں نکتہ میں آنجناب نے مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا مفتی محمد شفیع کے رسالہ ”مقام صحابہ“ میں ذکر کی گئی بحثوں کی تصویب فرمائی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے رسالہ کے مباحث اوپر ضمنا آچکے ہیں۔ تاہم ”سلف صالحین اور علماء امت کے

ارشادات کا خلاصہ ” کے عنوان سے حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مباحث کا جو خلاصہ درج کیا ہے اس کو جناب کی عبرت کے لئے نقل کر دیتا ہوں :

”۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے حق میں فرمایا: ”وہ پاک دل عادات و اخلاق میں سب سے بہتر، اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔“

”۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے جب حضرت عثمان غنیؓ پر تین الزام لگائے گئے، تو باوجودیکہ ان تین الزاموں میں ایک صحیح بھی تھا مگر حضرت ابن عمرؓ نے ممانعت فرمائی اور الزام لگانے والوں کو طرم ٹھسرایا۔“

”۳۔ افضل الرائعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ صحابہ کرام، امت کے سابقین اور ان کے مقتداء ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔“

”۴۔ حضرت حسن بصریؒ سے قبل صحابہؓ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ معللہ ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس میں حاضر اور موجود تھے اور ہم غائب، وہ حالات و معللات کی صحیح حقیقت جانتے تھے، ہم نہیں جانتے۔ اس لئے جس چیز پر وہ متفق ہو گئے ہم نے ان کا اتباع کیا اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا اس میں ہم نے توقف اور سکوت کیا۔“

”۵۔ حضرت محاسبیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حضرت حسنؒ نے فرمائی کہ ان حضرات صحابہؓ نے جو عمل اختیار کیا اس میں وہ ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اس لئے ہمارا مسلک یہ ہے کہ جس معللہ میں ان کا اتفاق ہو تو ہم ان کا اتباع کریں اور جس میں اختلاف ہو وہاں توقف اور سکوت اختیار کریں، کوئی نئی رائے اپنی طرف سے قائم نہ کریں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے اجتہاد کی بناء پر کیا اور ان کا مقصود اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل تھی کیونکہ یہ حضرات دین کے معللہ میں متہبہم نہیں تھے۔“

”۶۔ حضرت امام شافعیؒ نے مشاہیر صحابہؓ میں گفتگو کرنے کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ (کیوں کہ ہم اس وقت موجود نہ تھے) اس لئے ہمیں چاہئے کہ ان

ذہنوں کو بھی اس خون سے آلودہ نہ کریں (یعنی کسی صحابیؓ پر حرف گیری نہ کریں اور کوئی الزام نہ لگائیں بلکہ سکوت اختیار کریں)۔

”۷۔ امام مالکؒ کے سامنے جب ایک شخص نے بعض صحابہ کرامؓ کی تنقیص کی تو آپؐ نے قرآن کی آیت، ”والذین معہ“ سے ”لیغیظ بہم الکفار“ تک تلاوت فرمائی اور کہا کہ جس شخص کے دل میں کسی صحابیؓ کی طرف سے غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔
ذکرہ الخطیب ابو بکرؓ اور حضرت امام مالکؒ نے ان لوگوں کے بارے

میں فرمایا جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اصل مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے۔ مگر اس کی جرات نہ ہوئی تو آپؐ کے صحابہؓ کی برائی کرنے لگے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے آدمی تھے، اگر وہ اچھے ہوتے تو ان کے صحابہؓ بھی صالحین ہوتے۔“

”۸۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرامؓ کی برائی کا تذکرہ کرے یا ان پر کسی عیب اور نقص کا طعن کرے۔ اور اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے سزا دینا واجب ہے اور فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کا برائی کے ساتھ ذکر کرتے دیکھو تو اس کے اسلام و ایمان کو متہم و مشکوک سمجھو۔“

”اور ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود ملّا ہو مگر ایک شخص جس نے حضرت معلویہؓ پر سب و شتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔“

”۹۔ امام ابو زرہ عراقيؒ، استاذ مسلمؒ نے فرمایا کہ تم جس شخص کو کسی صحابیؓ کی تنقیص کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے جو قرآن و سنت سے امت کا اعتماد زائل کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کو زندیق اور گمراہ کہنا ہی حق و صحیح ہے۔“

”یہ تو چند اسلاف امت کے خصوصی ارشادات ہیں اس کے علاوہ مذکور الصدر روایات و عبارات میں اس کو امت کا اجماعی عقیدہ بتلایا ہے جس سے انحراف کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔“

”مشاجرات صحابہ“ کے معاملہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عقیدہ اور فیصلہ ہے کہ خواہ اس وجہ سے کہ ہم ان پورے حالات سے واقف نہیں جن میں یہ حضرات صحابہؓ گزرے ہیں یا اس وجہ سے کہ قرآن و سنت میں ان کی طرح و ثنا اور رضوان خداوندی کی بشارت اس کو متقاضی ہے کہ ہم ان سب کو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سمجھیں، اور ان سے کوئی لغزش بھی ہوئی ہے تو اس کو معاف قرار دے کر ان کے معاملے میں کوئی ایسا حرف زبان سے نہ نکالیں جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسر شان ہوتی ہو، یا جو ان کے لئے سبب ایذا ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کی ایذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہے۔ بڑا بد نصیب ہے وہ شخص جو اس معاملہ میں محقق بن کر بہادری کا مظاہرہ کرے اور ان میں سے کسی کے ذمہ الزام ڈالے۔“

(مقام صحابہ..... صفحات ۱۱۶ تا ۱۱۹)

صحابہؓ کی سیرت، سیرت نبویؐ کا جز ہے

اس ناکارہ کے اس فقرہ پر کہ ”صحابہؓ کی سیرت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک حصہ ہے“ آنجناب نے شدید احتجاج فرمایا، مجھے توبہ کی تلقین فرمائی اور یہ لکھا کہ ”ایسا دعویٰ تو کوئی پڑھا لکھا نہیں کر سکتا، کیونکہ اس طرح صحابہ کرامؓ کے سارے گناہ اور لغزشیں بھی آنحضرتؐ کی سیرت کے کھاتے میں چلی جائیں گی۔“ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ مجھے توبہ سے تو عذر نہیں جو شخص بھی اس گنہگار کو توبہ کی تلقین کرے وہ اس کا محسن ہے، لیکن آنجناب کی توجہ چند امور کی طرف دلانا چاہتا ہوں:

اولاً: آپ اوپر ساتویں نکتہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ ”مقام صحابہؓ“ سے اتفاق کر چکے ہیں، اور یہ مفتی صاحب کے الفاظ ہیں جن پر مجھے آپ توبہ کی تلقین فرما رہے ہیں: ”ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزو ہے۔“

(مقام صحابہؓ..... صفحہ ۸)

ثانیاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان پر اوپر گفتگو آچکی ہے کہ اول تو وہ معدوم کے حکم میں ہیں۔ پھر ان سے توبہ و انابت ثابت

ہے، جس سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اس کی جگہ نیکی لکھ دی جاتی ہے۔
 ”اولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات“ آپ حضرات کے لئے ”یدان نبی“ کے
 عیوب مزرے لے لے کر بیان کرنا ایک لذیذ مشغلہ ہے، لیکن اس ناکارہ کے لئے ان الفاظ
 کا سننا بھی شدید مجاہدہ ہے، آپ کی نظر صفائی اسپیکٹر کی طرح ہمیشہ گندی جگہوں پر ہی جاتی
 ہے اور اس ناکارہ کو حسن محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اب میں اپنی نظر کو کیا
 کروں؟ اور آپ کو اپنی نظر کہاں سے خرید کر لا دوں؟

مثلاً: زبان و محاورہ کی عدالت میں میرا زیر بحث فقرہ پیش کر دیجئے، کیا کوئی خن واں اس
 سے وہ مفہوم کشید کرے گا جو آپ نے کشید کرنا چاہا ہے؟ بندہ خدا! ”سیرت“ کا لفظ
 بول کر گناہ اور لغزشیں کون مراد لیا کرتا ہے؟ آپ نے ”سیرت“ کے لفظ میں گناہوں
 اور برائیوں کا مفہوم ٹھونس کر لفظ ”سیرت“ ہی کی مٹی پلید کر ڈالی۔

رابعاً: اچھا فرض کر لیجئے کہ یہ لفظ برائیوں کو بھی شامل ہے، میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ
 کرامؓ سے جو لغزشیں سرزد ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو عتاب یا
 عقاب فرمایا، کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حصہ نہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کا
 ذکر کئے بغیر سیرتِ نبویؐ کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ الغرض صحابہ کرامؓ کے کمالات تو
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تربیت کا مرقع ہیں ہی، ان اکابر کی لغزشیں بھی
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مادہ ہی پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ اور ان سے
 حسن جمالِ محبوبؐ کی جھلک نظر آتی ہے۔

باب سوم

شیعہ اور قرآن

اس ناکارہ نے اختلاف امت میں ایک مختصر سائوٹ لکھا تھا کہ شیعوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، اس ضمن میں درج ذیل نکات کی طرف اشارہ کیا تھا:

- ۱۔ شیعوں کے عقیدہ امامت اور بغض صحابہؓ کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ ان کا قرآن کریم پر ایمان نہ ہو۔
- ۲۔ شیعوں کے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایات کتب شیعہ میں موجود ہیں کہ ظالموں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی۔
- ۳۔ ان روایات کے بارے میں شیعہ علماء کے تین اقرار ہیں:
پہلا اقرار یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں۔
دوسرا اقرار یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن کریم پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں اور ان میں تاویل کی گنجائش نہیں۔
تیسرا اقرار یہ کہ شیعہ کا ان روایات کے مطابق عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ہاتھ میں جو قرآن ہے، وہ نعوذ باللہ تحریف شدہ ہے۔
- ۴۔ تیسری صدی تک شیعوں کے ائمہ، مجتہدین اور علماء اس پر متفق تھے کہ اصل قرآن ائمہ کے پاس ہے اور موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ البتہ چوتھی اور پانچویں صدی میں گنتی کے چار آدمی ایسے تھے جنہوں نے عقیدہ تحریف قرآن کا انکار کیا۔
- ۵۔ ان اشخاص کا انکار محض تقیہ پر مبنی تھا۔ ورنہ وہ تحریف قرآن کے خود بھی قائل تھے۔

۶۔ یہ چار اشخاص اپنے دعویٰ کی تائید میں اپنے ائمہ معصومین کا قول پیش نہیں کر سکتے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

۷۔ جن شیعوں نے تحریف کا انکار کیا انہیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کی بزرگی و عظمت پر ایمان لانا پڑا، جس سے شیعہ مذہب کی جڑ بنیاد اکھڑ کر رہ جاتی ہے۔ اور تشیع کی پوری عملت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

ان سات نمبروں سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح ”آتش و پنبہ“ کو جمع کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح شیعہ عقیدہ، ایمان بالقرآن کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو ایمان بالقرآن عزیز ہے تو اس کو لازم ہے کہ شیعہ مذہب سے توبہ کر لے اور اگر کسی کو شیعہ مذہب سے عشق ہے تو یہ دولت اسے اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کہ ایمان بالقرآن سے دستبردار ہو جائے۔ اگر کوئی شخص شیعہ مذہب کا بھی دم بھرتا ہے، اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو یا تو وہ اپنے مذہب کی حقیقت سے ناواقف ہے، یا پھر دیدہ و دانستہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے اور اپنے مذہب کو چھپانے کی غرض سے ”دروغ مصلحت آمیز“ سے کام لے کر تقیہ کرتا ہے، کیونکہ سید ابو الحسن شریف کے بقول عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے۔

مومن قرآن شدن با رفض دوں

ایں خیال است و محال است و جنوں

مختصر یہ کہ اگر قرآن سچا ہے تو شیعہ مذہب جھوٹا ہے اور اگر شیعہ مذہب سچا ہے تو قرآن کریم کو (نعوذ باللہ) غلط کہے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

آنجناب نے میرے ذکر کردہ مندرجہ بالا نکلت میں سے نہ کسی پر جرح کی، اور نہ میرے کسی جملہ سے تعرض فرمایا۔ اس کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کے بارے میں آپ نے شیعہ نظریات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔

ہمارے عقیدے کے مطابق یہ وہی قرآن مجید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم پر آغاز بعثت سے لے کر تا وقت وفات وحی الہی کے ذریعہ نازل

ہو تا رہا اور بلا کم و کاست ہم تک لفظ لفظ پہنچا ہے۔ جہاں تک اس کی ترتیب

کا تعلق ہے تو وہ زمانی اعتبار سے مطابق نزول نہ علمائے اہل سنت مانتے ہیں اور

نہ ہم، جس طرح اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اس کی ترتیب مطابق نزول تو نہیں البتہ توفیقی ضرور ہے اسی طرح ہمارے نزدیک بھی اس کی ترتیب توفیقی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم نے فرمائی تھی اور یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔"

آنجناب کا یہ الزام کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح تر جمالی نہیں کی، یا تو اپنے مذہب سے بے خبری پر مبنی ہے، یا آپ نے تقیہ کر کے اپنے مذہب کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال میں نے جو اوپر سات نمبرز کر کئے ہیں، شیعوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے ان کی شرح و تفصیل کئے دیتا ہوں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ راقم الحروف نے شیعہ نظریات کی صحیح تر جمالی کی تھی، یا آنجناب لیلائے تشیع کے حسین چہرے کو تقیہ کی سیاہ نقاب میں چھپانے کی کوشش بے سود فرما رہے ہیں۔

واللہ الموفق و ہوالمستعان

کسی شیعہ کا قرآن پر ایمان نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی تین وجوہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کسی شخص کے لئے شیعہ مذہب پر رہتے ہوئے ایمان بالقرآن ممکن ہی نہیں۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ ان میں سے یہاں صرف تین وجوہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ: راویان قرآن (نعوذ باللہ) جھوٹے تھے

یہ بات تو ہر خاص و عام بلکہ ہر مسلم و کافر جانتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو قریباً سو لاکھ افراد اپنی نبوت کے گواہ چھوڑ گئے، جن کو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے۔ دین و ایمان کی ایک ایک چیز بعد کی امت کو صحابہ کرامؓ ہی کی نقل و روایت اور ان ہی کے واسطے سے پہنچی، قرآن کریم بھی انہیں کے ذریعہ سے پہنچا۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی تھی۔ کیونکہ شیعوں کے مطابق اس جماعت کے دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ خلفاء ثلاثہؓ اور ان

کے ہم نواؤں کا۔ یہی بڑا گروہ تھا اور چار پانچ کے علاوہ باقی تمام صحابہؓ اسی گروہ میں شامل تھے۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کا اور ان کے رفقاء کا، جس میں گنتی کے کل چار پانچ آدمی شامل تھے اور بس۔ چنانچہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ مذہب کے بقول تین چار کے سوا باقی تمام صحابہؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے مرتد ہو گئے تھے۔

یہاں احتجاج طبری کی روایت کا ایک جملہ مزید ملاحظہ فرمائیے:

”ما من الأمة أحد بايع مكرها غير علي وأربعتنا“

(احتجاج طبری..... صفحہ ۴۹)

ترجمہ: ”امت میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس نے ناخوشی سے

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی ہو، سوائے حضرت علیؓ کے اور ہمارے چار

اشخاص کے۔“

چار اشخاص سے مراد سلمانؓ، ابو ذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ ہیں۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ اشخاص کے علاوہ پوری امت نے دل و جان سے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی تھی۔ صرف یہ پانچ آدمی تھے، جن کی زبان تو ابو بکرؓ کے ساتھ تھی، مگر دل کسی اور طرف تھے۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ کی (جو بقول شیعہ رئیس المرتدین تھے) بیعت ان پانچ نے بھی کی۔

شیعہ مذہب کہتا ہے کہ پوری امت نے (سوائے ان پانچ افراد کے) دل و جان سے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے ارتداد و نفاق کا راستہ اختیار کیا اور ان پانچ افراد نے بہ امر مجبوری حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے تقیہ کا راستہ اختیار کیا، اس لئے صحابہ کرامؓ کی پوری کی پوری جماعت جھوٹی تھی۔ فرق یہ ہے کہ پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام نفاق ہے۔ اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا گروہ جھوٹ کو عبادت نہیں سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ تقیہ کے نام سے جھوٹ کو بہت بڑی عبادت سمجھتا تھا۔ جیسا کہ تقیہ کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اب انصاف سے بتائیے کہ جب شیعہ مذہب کی رو سے صحابہ کرامؓ کی ساری کی ساری جماعت جھوٹی نھری، تو جو قرآن (نعوذ باللہ) ان جھوٹوں کی نقل و روایت کے ذریعہ بعد کی امت کو پہنچا اس پر شیعوں کو ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نہ صرف قرآن کا

بلکہ دین کی کسی چیز کا شیعوں کو کسی طرح اعتبار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی ہر چیز صحابہ کرامؓ کی نقل و روایت ہی سے بعد والوں کو پہنچی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں اور جھوٹ پر اتفاق کرنے والوں کی نقل و روایت پر کسی طرح یقین و ایمان نہیں ہو سکتا۔
حضرات خلفاء ثلاثہؓ کو برحق نہ ماننے کا یہ بدیہی نتیجہ ہے کہ دین کی کوئی ایک بات بھی لائق اعتبار نہیں رہتی۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”ازالۃ الخفاء“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

”لاجرم نور توفیق الہی در دل اس بندہ ضعیف علمی را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت اس بزرگواران اصلی مست از اصول دین تاقی کہ اسن اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود“
(ازالۃ الخفاء صفحہ ۱، جلد ۱)

ترجمہ: ”بغیر شک و شبہ کے نور توفیق الہی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک عظیم الشان علم کو کھولا، یہاں تک علم الیقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کا اثبات، اصول دین میں سے ایک اہم ترین اصول ہے۔ جب تک کہ اس اصل کو محکم نہ پکڑیں، تب تک مسائل شریعت میں سے کوئی مسئلہ بھی حلیت نہیں ہو سکتا۔“

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

”ہر کہ در شکستن اسن اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فتون دینیہ خواہد۔“

ترجمہ: ”جو شخص کہ اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ در حقیقت تمام علوم دینیہ کو منہدم کر دیتا چاہتا ہے۔“
(ایضاً)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی دوسری وجہ

یہ وجہ تین مقدمات سے مرکب ہے:

اول: شیعوں کے ائمہ معصومین کی روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ قرآن مجید جو اس

وقت دنیا میں موجود ہے، جو ہمیشہ سے پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور جس کے ہزاروں لاکھوں حافظ دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں، اور انشاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ الغرض یہ قرآن مجید جو سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے، حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے اہتمام و انتظام سے جمع ہوا اور انہیں کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیلا۔

دوم: شیعوں کے ائمہ معصومین کی طرف سے اس قرآن مجید کی کوئی قلیل اعتماد تو بیشک و تصدیق بھی منقول نہیں۔

سوم: خلفائے ثلاثہؓ کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف بے دین تھے، بلکہ دین کے بدترین دشمن تھے۔ دین کے خلاف سازشیں کرنا ان کا پیشہ تھا۔ اسی کے ساتھ وہ ایسی بافوق الفطرت قوت و طاقت کے مالک تھے جو ناممکن کو ممکن بنا لیتی تھی۔ چنانچہ ہزاروں افراد کے مختلف المزاج اور مختلف الاغراض مجمع کو جھوٹی بات پر متفق کر لینا اور ایک ایسا واقعہ جو ہزاروں آدمیوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہو، ان سب کو اس واقعہ کے انکار پر متفق کر لینا عقلاً ناممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ان کے لئے بڑا آسان تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرات شیعہ کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع سے واپسی پر غدیر خم میں ستر ہزار انسانوں کے عظیم مجمع کے سامنے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب بیان کر کے ان کی خلافت و ولی عہدی کا اعلان فرمایا۔ خطبہ کے بعد تمام حضرات نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔ تین دن تک مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب نے بیعت کی۔ (ترجمہ حیات القلوب صفحہ ۸۲، جلد ۲)

لیکن تھوڑے دنوں بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت علیؓ کی خلافت کا وقت آیا تو شیعہ روایات کے مطابق خلفائے راشدینؓ نے ان بے شمار انسانوں کو اس بات پر متفق کر دیا کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنے کا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ اور سب سے کہلوا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”علی کی جانشینی“ کا کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا اور ”سن“ اور حسینؓ کی انگلی پکڑ کر مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک کے دروازے پر گئے

مگر نہ اجانے خلفائے ثلاثہؓ نے لوگوں پر کیا جادو کر دیا تھا کہ سوائے تین چار آدمیوں کے ایک فرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ (احتجاج طبری..... صفحہ ۴۷۷)

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں حضرت ابو بکرؓ کو امام نماز نہیں بنایا تھا۔ مگر خلفائے ثلاثہ نے خلاف واقعہ اس بات کو تمام صحابہؓ سے منوالیا کہ مرض الوفا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا گویا خلفائے ثلاثہ نے اس جھوٹ کو متواتر بنادیا اور سب کو اس پر متفق کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کسی صحابیؓ کے سامنے یہ سوال آیا کہ مرض الوفا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کس کو مقرر فرمایا تھا؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ حضرت ابو بکرؓ کو! کسی نے بھی ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا۔

الغرض کسی متواتر واقعہ سے دنیا بھر کے آدمیوں کو مکر اور بنا اور جو واقعہ کبھی پیش نہ آیا ہو اس کو متواتر بنا کر خلفائے ثلاثہؓ کے لئے، بقول شیعہ، نہایت آسان کام تھا، مزید برآں یہ کہ یہ حضرات بڑی پر شوکت مسطرت اور تاج و تخت کے مالک تھے۔ شیعوں کے بقول دین کے خلاف سازشیں کرنا اور دھونس اور دھاندلی کے ساتھ کسی چیز کو منوالیماں کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

ان تین امور کو سامنے رکھو اور پھر انصاف کرو کہ جو قرآن، شیعوں کے بقول، ایسے مکمل دشمنان دین کے ذریعہ پہنچا ہو اور کسی باوثوق ذریعہ سے اس قرآن کی تصدیق بھی نہ ہو سکی ہو، کیا دنیا کا کوئی عقلمند شیعہ ایسے قرآن پر ایمان رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ لکھتے ہیں :

”ان تینوں باتوں کو غور کرنے کے بعد انصاف سے بتاؤ کہ قرآن مجید کا کیا اعتبار رہ گیا؟ دین کی اتنی بڑی چیز اس دین کے دشمن کے ہاتھ سے ملے اور دشمن بھی کیسا طاقتور اور پھر اس کے بعد کاذب و خائن بھی ہو، کسی دوسرے ذریعہ سے اس چیز کی تصدیق بھی نہ ہو۔ تو کیا وہ چیز لائق اعتبار ہو سکتی ہے؟ اور

کس طرح یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس دشمن نے اس میں کچھ تصرف نہ کیا ہو گا؟ حاشا! حاشا! ہرگز نہیں!

وہ زمانہ تو بالکل آغاز اسلام کا تھا اس وقت پر یس وغیرہ بھی نہ تھے، آج اگر کوئی یہودی یا آریہ قرآن شریف لکھ کر فروخت کرے تو کوئی مسلمان اس پر اعتبار نہ کرے گا نہ اس کو خریدے گا، تاوقتیکہ کسی معتبر حافظ کو دکھلا کر یا کسی صحیح نسخہ سے مقابلہ کر کے اطمینان نہ کر لے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا۔

(اقامت البرہان علی ان الشیعۃ اعداء القرآن، مندرجہ یازدہ نجوم صفحہ ۱۵)

شیعوں کے قرآن پر ایمان نہ ہونے کی تیسری وجہ

اس وجہ میں چند امور لائق توجہ ہیں:

۱۔ شیعوں کی نہایت معتبر کتابوں میں جن پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، اس مضمون کی دو ہزار سے زائد روایتیں ان کے ائمہ معصومین سے مروی ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن کریم کے جمع کرنے والوں نے قرآن کریم میں تحریف کر دی ہے۔ اور یہ تحریف پانچ قسم کی ہے:

اول: قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اور سورتیں نکال دیں۔

دوم: اپنی طرف سے عبادتیں بنا کر قرآن میں داخل کر دیں۔

سوم: قرآن کے الفاظ بدل دیئے۔

چہارم: حروف تبدیل کر دیئے۔

پنجم: اس کی ترتیب الٹ پلٹ کر دی۔

قرآن کریم میں ترتیب چار قسم کی ہے۔

اول: سورتوں کی ترتیب۔

دوم: آیتوں کی ترتیب۔

سوم: الفاظ کی ترتیب۔

چہارم: حروف کی ترتیب۔

ان چاروں قسم کی ترتیب کے خراب کئے جانے کا بیان شیعہ روایات میں موجود ہے۔

۲۔ علمائے شیعہ نے تحریف قرآن کی ان روایات کے بارے میں تین باتوں کا اقرار کیا ہے

پہلا اقرار: یہ کہ تحریف کی روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کی روایت سے کسی طرح کم نہیں۔

دوسرا اقرار: یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، ان کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا اقرار: یہ کہ شیعہ ان روایات کے مطابق تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

میں اپنے رسالہ ”ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر“ میں تحریف قرآن کی روایات اور علمائے شیعہ کے یہ تینوں اقرار نقل کر چکا ہوں۔ یہاں مزید اضافوں کے ساتھ پانچ قسم کی تحریف کی روایات اور علمائے شیعہ کے تینوں اقرار دوبارہ نقل کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں کم کئے جانے کی روایات

۱۔ اصول کافی شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے جس کے مصنف جناب محمد بن یعقوب کلینی ”ثقہ الاسلام“ کے لقب سے ملقب ہیں۔ اور وہ بیک واسطہ امام معصوم مفترض الطامہ امام حسن عسکریؑ کے شاگرد ہیں۔ یہ کتاب امام غائب کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں لکھی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ سفیروں کے ذریعہ یہ کتاب امام غائب کی خدمت میں بھیجی گئی۔ امام غائب نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصدیق فرمائی۔ اور فرمایا: ”ہذا کاف لشیعتنا“ یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اس لئے اس کا نام ”الکافی“ رکھا گیا۔ (مقدمہ اصول کافی، صفحہ ۲۰ جلد ۱۔ مطبوعہ ایران)

اصول کافی کتاب الامامہ کے ایک باب کا عنوان ہے:

”باب انه لم یجمع القرآن کله الا الائمة علیہم السلام“
(صفحہ ۲۲۸، جلد ۱)

اس باب کی احادیث میں ثابت کیا گیا ہے کہ پورا قرآن ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ ائمہ کا جمع کیا ہوا نہیں۔ لہذا اس کا ناقص ہونا ثابت ہوا۔

۲۔ اسی کتاب میں ایک باب کا عنوان ہے ”باب فیہ نکت و تنف من التنزیل فی الولاية“ یعنی، ”یہ باب ہے اس بیان میں کہ امامت کے متعلق قرآن میں قطع و برید کی گئی۔“ اس باب میں ایک روایت یہ ہے:

۸۔ الحسن بن محمد، عن معلى بن محمد، عن علي بن أسباط، عن علي بن أبي حمزة، عن أبي بصير، عن أبي عبد الله (عليه السلام) في قول الله عز وجل: ”وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (في ولاية علي) [ولاية] الأئمة من بعده“ فقد فاز فوزاً عظيماً ^(۱)، هكذا نزلت. (اصول کافی صفحہ ۴۱۴، جلد ۱)

ترجمہ: ”ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”وَمَنْ يَطْعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ فی ولاية علی و ولاية الأئمة من بعده فقد فاز فوزاً عظيماً ” اسی طرح نازل ہوا تھا۔“

اب قرآن مجید میں ”فی ولاية علی و ولاية الأئمة من بعده“ کے الفاظ نہیں، ان الفاظ کے بغیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ مگر ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کامیابی کا وعدہ صرف ان احکامات سے متعلق ہے جو حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کی امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں عبد اللہ بن سنان سے روایت ہے:

عن أبي عبد الله عليه السلام في قوله ولقد عهدنا إلى آدم من قبل (كلمات في محمد وعلي وفاطمة والحسن والحسين والأئمة من ذريتهم فَنَسِيَ هَكَذَا) وَاللَّهُ أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ. (صفحہ ۴۱۶، جلد ۱)

ترجمہ: ”امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول

”ولقد عهدنا الى آدم من قبل كلمات في محمد وعلی وفاطمه و
الحسن والحسين والائمة من ذريتهم فَنَسِيَ -“ اللہ کی قسم اسی طرح
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کیا گیا تھا۔“

ف : اب قرآن شریف میں ”کلمات فی محمد و علی و فاطمہ
والحسن والحسين والائمة من ذريتهم“ کے الفاظ نہیں، بغیر ان الفاظ کے
آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے ہی حکم دیا تھا، مگر وہ بھول
گئے۔ اور وہ حکم دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے کھانے کی
ممانعت کی گئی تھی۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ یہ مطلب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو محمد و علی
وفاطمہ و حسین و دیگر ائمہ کے متعلق کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ حکم کافی کی دوسری
روایات میں، نیز اور بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدم کو ائمہ پر حسد
کرنے کی ممانعت کی گئی تھی مگر انہوں نے حسد کیا اور اسی کی سزا میں جنت سے نکال
دیئے گئے۔ (یہ روایات مسئلہ امامت کی چھٹی بحث کے گیدہویں غلو کے ذیل میں
نقل کر چکا ہوں، وہاں ملاحظہ فرمائیے)۔
۴۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں روایت ہے :

عن أبي جعفر عليه السلام قال: نزل جبرئيل بهذه
الآية على محمد صلى الله عليه وآله ”بئسما اشتروا به
أنفسهم أن يكفروا بما أنزلنا في علي بنيا“
(صفحہ ۲۱۷، جلد ۱)

ترجمہ : ”امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبرئیل اس آیت کو
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر اس طرح لے کر آئے تھے ”بئسما اشتروا
به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله (في علي) بنيا“

ف : اب قرآن مجید میں ”فی علی“ کے الفاظ نہیں، بغیر اس لفظ کے اس آیت میں
خدا کی ہر نازل کی ہوئی چیز کے انکار کی مذمت تھی، مگر اس لفظ کے ساتھ صرف امامت
نلی کے انکار کی مذمت ہوئی۔

۵۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں

نے فرمایا: نزل جبرئیل ﷺ بہذہ الآیۃ علی عبدہ ہکذا: ”وإن کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی)“ فأتوا بسورة من مثله (۱۲)۔
(صفحہ ۴۱۷، جلد ۱)
ترجمہ: ”جبرئیل اس آیت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لے کر آئے تھے، ”ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی)“ فأتوا بسورة من مثله“

ف: اب اس آیت میں ”فی علی“ کا لفظ نہیں ہے۔ اس آیت میں قرآن شریف کا معجزہ ہونا بیان فرمایا ہے کہ اس کے مثل ایک سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ ”فی علی“ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ پورا قرآن مجید معجزہ نہیں تھا، بلکہ اعجاز صرف ان آیتوں میں تھا جو حضرت علی کے متعلق تھیں، مگر افسوس کہ اب وہ آیتیں قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

۶۔ اسی کتاب کے باب مذکور میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

قول اللہ عز و جل: ”کبر علی المشرکین (بولاية علی)“ ما تدعوهم إلیہ (۱۱)، یا عبد من ولایۃ علی“ ہکذا فی الکتاب مخطوطة (۱۰)۔
(صفحہ ۴۱۸، جلد ۱)
ترجمہ: ”اللہ عز و جل کا قول ”کبر علی المشرکین (بولاية علی)“ ما تدعوهم إلیہ (یا محمد من ولایۃ علی)“ اسی طرح قرآن میں لکھا ہوا ہے۔“

ائمہ کے قرآن میں اسی طرح ہوگا۔ مگر ہمارے قرآن پاک میں تو اب ”ولاية علی“ اور ”یا محمد من ولایۃ علی“ کہیں نہیں۔ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مشرکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین ناگوار ہے، مگر ان انوکھے الفاظ کے ملانے سے مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی کی امامت میں جو لوگ شرک کرتے ہیں، صرف ان کو آپ کی دعوت دین اور وہ بھی فقط امامت علی کے متعلق ناگوار ہے۔ باقی حصہ آپ کی دعوت کا کسی کو ناگوار نہیں، نہ توحید ناگوار ہے، نہ رسالت، نہ اور کچھ۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

انہوں نے ازراہ شرارت اس لفظ کو بدل دیا، جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ مگر اس لفظ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر بنی اسرائیل کا نہیں۔ بلکہ (نعوذ باللہ) صحابہ کرامؓ کا حل بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے آل محمدؐ پر ظلم کیا اور اس کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب آیا۔ مگر افسوس کہ واقعات سے اس مطلب کی تائید نہیں ہوتی۔ براہ عنایت کوئی مجتہد صاحب بتا دیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون سا ظلم آل محمدؐ پر کیا تھا اور کون سا عذاب ان پر آسمان سے آیا تھا؟

اسی قسم کی روایات اس کتاب کے باب مذکور میں بکثرت ہیں۔
 ۹۔ اسی کتاب میں ”کتاب فضل القرآن“ کے باب النوادر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ سَبْعَةَ عَشَرَ أَلْفَ آيَةٍ.

(صفحہ ۶۳۷، جلد ۲)

ترجمہ: ”بہ تحقیق جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر آئے تھے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔“

ف: اب قرآن شریف میں علی اختلاف الروایات چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں۔ لہذا آدھے سے بہت زیادہ قرآن نکل گیا۔

۱۰۔ کتب احتجاج شیعہ مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے، اس کے مصنف شیخ احمد بن ابی طالب طبری نے دیباچہ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ اس کتاب میں سو امام حسن عسکری کے اور جس قدر ائمہ کے اقوال ہیں، ان پر اجماع ہے، یا وہ عقل کے موافق ہیں، یا اس قدر سیر وغیرہ کی کتب میں ان کی شہرت ہے کہ مخالف و موافق سب کا ان پر اتفاق ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۹ سے لے کر صفحہ ۱۳۲ تک ایک طویل روایت حضرت علی مرتضیٰؑ سے منقول ہے کہ ایک زندیق نے آنجناب کے سامنے کچھ اعتراض قرآن پر کئے، اور آپ نے قریب قریب ہر اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ قرآن میں تحریف

ہو گئی ہے۔ اس روایت سے قرآن شریف میں پانچوں قسم کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔
 کی کے متعلق جو مضامین اس روایت میں ہیں، وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک
 اعتراض ایک زندیق نے یہ کیا تھا کہ قرآن مجید میں ”فان خفتم الا تقتسطوا
 فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ یعنی اگر تم کو اندیشہ ہو کہ
 یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو جن عورتوں سے چاہو نکاح کرلو۔ زندیق
 نے کہا کہ شرط و جزا میں کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حق میں انصاف نہ
 کر سکو تو عورتوں سے نکاح کرلو، ایک بالکل بے جوڑ بات ہے۔ جناب امیر علیہ السلام
 اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وأما ظهورك على تناكر قوله فإن خفتم ألا تقتسطوا
 فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء وليس يشبه
 القسط فی الیتامی نکاح النساء ولا کل النساء أیتاما فهو
 مما قدمت ذكره من أسقاط المنافقین من القرآن وبين القول
 فی الیتامی وبين نکاح النساء من الخطاب والقصص
 أكثر من ثلث القرآن وهذا وما أشبه مما ظهرت حوادث
 المنافقین فيه لأهل النظر والتأمل ووجد المعطلون وأهل
 الملل المخالفین للإسلام مساعا إلى القدح فی القرآن
 (احتجاج صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ..... ”اور تجھ کو جو اللہ کے قول ”فان خفتم الا تقتسطوا فی
 الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ کے ناپسندیدہ ہونے پر طالع ہوئی
 اور تو کہتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرنا عورتوں سے نکاح کرنے کے
 ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نہ کل عورتیں یتیم ہوتی ہیں، پس اس کی وجہ
 وہی ہے جو میں پہلے تجھ سے بیان کر چکا ہوں کہ منافقوں نے قرآن سے
 بہت کچھ نکال ڈالا۔ ”فی الیتامی“ اور ”فانکحوا“ کے درمیان میں
 بہت سے احکام اور قصے تھے۔ تملی قرآن (یعنی دس پارے) سے زیادہ وہ

سب نکل ڈالے گئے۔ اسی وجہ سے بے ربطی ہو گئی۔ اس قسم کی منافقتوں کی تحریفات کی وجہ سے جو اہل نظر و تامل کو ظاہر ہو جاتی ہیں، بے دینوں اور اسلام کے مخالفوں کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔

جناب امیر اس زندیق کے کسی اعتراض کا جواب نہ دے سکے، اس روایت کو دیکھ کر صاف کہنا پڑتا ہے کہ شیعوں کی طرح ان کے جناب امیرؑ بھی (نعوذ باللہ) قرآن کے سمجھنے سے عاجز و قاصر تھے۔ حالانکہ آج اہل سنت کے ایک ادنیٰ طالب علم سے پوچھو تو وہ بھی اس آیت کا ربط اچھی طرح بیان کر دے گا۔ آیت میں یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں، بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرتے تھے اور ان کا مہر بھی کم باندھتے تھے، دوسرے حقوق بھی ادا نہ کرتے تھے، کیونکہ ان یتیموں کی طرف سے کوئی لڑنے جھگڑنے والا تو تھا ہی نہیں، لہذا آیت میں حکم دیا گیا کہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح نہ کرو، بلکہ اور عورتوں سے نکاح کر لو۔

میں نے ”ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر“ میں لکھا تھا کہ قرآن کریم میں ”فان خفتہ“ کا لفظ نہیں بلکہ ”وان خفتہ“ (واؤ کے ساتھ) ہے۔ زندیق تو خیر زندیق تھا، وہ قرآن کریم کو صحیح کیوں پڑھتا؟ تعجب ہے کہ اس روایت کے مطابق جناب امیرؑ نے بھی اپنے جواب میں آیت کو غلط ہی نقل کیا۔ گویا حضرت علیؑ کو (نعوذ باللہ) نہ تو قرآن کے الفاظ صحیح یاد تھے، اور نہ وہ قرآن کریم کے جملوں میں ربط و تعلق سے آگاہ تھے۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے اس زندیق سے فرمایا:

ولو شرحت لك ما أسقط وحرف وبدل مما يجري

هذه المجري لطلال وظاهر ما تحظر التقية اظهارة۔

(ایضاً..... صفحہ ۱۲۹)

ترجمہ: ”اگر میں تجھ سے تمام وہ آیتیں بیان کر دوں جو قرآن سے نکل ڈالی گئیں اور تحریف کی گئیں اور بدل دی گئیں جو اسی قسم کی

کارروائیاں ہوں تو بہت طول ہو جائے اور تقیہ جس چیز کو روکتا ہے، وہ ظاہر ہو جائے۔“

ف: تعجب ہے کہ قرآن کو محرف کہنے اور جامعین قرآن کو منافق کہنے سے تقیہ نے نہ روکا۔ مگر مقامات تحریف معین کرنے سے تقیہ نے روک دیا، کیونکہ مقامات تحریف کے معلوم ہو جانے سے بقیہ قرآن بکار آمد ہو جاتا، تقیہ کو یہ کب گوارا تھا؟ نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے اس زندیق سے کہا:

لو علم المنافقون لعنهم الله من ترك هذه الآيات التي بينت لك
تاويلها لا سقطوا مع ما اسقطوا منه -

(احتجاج طبرسی ص ۱۲۹)

ترجمہ: ”اگر منافقوں کو، خدا انہیں لعنت کرے۔ معلوم ہو جاتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں کیا خرابی ہے جن کی تاویل میں نے بیان کی تو ضرور وہ ان آیتوں کو بھی نکال ڈالتے جس طرح اور آیتیں نکال ڈالیں۔“

۱۱- تفسیر برہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

إن القرآن قد طرح منه آی كثيرة

(مقدمہ تفسیر البرہان، مقدمہ ثلاثہ، فصل اول صفحہ ۳۷)

ترجمہ: ”بہ تحقیق قرآن سے بہت سی آیتیں نکال ڈالی گئیں۔“

نیز اسی کتاب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ

ولو قرى القرآن كما أنزلنا لا لفيتنا فيه مسممين.

(صفحہ ۳۷)

ترجمہ: ”اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے، جیسا کہ نازل کیا گیا تو یقیناً تم قرآن میں ہمارے نام پاؤ گے۔“

۱۲- تفسیر قمی جس کے مصنف علی بن ابراہیم قمی امام حسن عسکری کے شاگرد اور محمد بن یعقوب کلینی کے استاد ہیں، بڑی معتبر کتاب ہے اور روایات تحریف سے لبریز ہے، منجمدہ ان کے ایک یہ ہے کہ:

وَأَمَّا مَا هُوَ مَحْذُوفٌ عَنْهُ فَهُوَ قَوْلُهُ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ

بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ فِي عَلٰی كَذَا أُنْزِلَتْ (ثم قال) ومثله كثير

(مقدمہ صفحہ ۱۰ جلد ۱)

ترجمہ: "لیکن وہ آیتیں جو قرآن سے نکل ڈالی گئیں ان کی ایک مثال یہ ہے: "لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ فِي عَلٰی" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی (پھر چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ) اس کے مثل بہت ہے۔"

قرآن شریف میں بڑھائے جانے کی روایتیں

۱۔ کتاب احتجاج مطبوعہ ایران کی اس طویل روایت میں، جس کا ذکر اوپر ہوا، اس زندیق کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام نبیوں پر بیان کی ہے۔ حالانکہ جتنی تعریف بیان کی ہے اس سے کہیں زیادہ ان کی برائی اور توہین قرآن میں ہے کہ اس قدر توہین اور کسی نبی کی قرآن میں نہیں ہے۔ زندیق کے اس اعتراض کو بھی شیعوں کے جناب امیر نے تسلیم کر لیا اور تسلیم کر کے حسب ذیل جواب دیا کہ:

وَالَّذِي بَدَأَ فِي الْكُتُبِ مِنَ الْإِفْرَاءِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنْ فِرْيَةِ الْمُلْحَدِينَ (صفحہ ۱۳۲)

ترجمہ: "کتاب یعنی قرآن میں جو برائی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہے یہ

لمحدوں کی افتر کی ہوئی (یعنی جامعین کی بڑھائی ہوئی) ہے۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؒ نے اس زندیق سے کہا:

أَنْتُمْ أَثْبَتُوا فِي الْكُتُبِ مَا لَمْ يَقُلْهُ اللَّهُ لِيَلْبِسُوا عَلٰی

الْغُلَيْقَةِ۔ (صفحہ ۱۳۶)

ترجمہ: "ان منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ تعالیٰ

نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوق کو فریب دیں۔"

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؒ نے کہا:
ولیس یسوغ مع عموم التقیۃ التصریح بأسماء
المبدلین ولا الزیادۃ فی آیاتہ علی ما أثبتہ من تلقائہم
فی الكتاب لما فی ذلك من تقویۃ حجج أهل التعلیل
والکفر والملل المنحرفۃ عن ملتنا وإبطال هذا العلم الظاهر
الذی قد استکان له الموافق والمخالف (صفحہ ۲۱)

ترجمہ: ”تقیہ کی ضرورت اس قدر ہے کہ نہ میں ان لوگوں کے ہام بتا سکتا
ہوں، جنہوں نے قرآن میں تحریف کی، نہ اس میں زیادتی کو بتا سکتا ہوں
جو انہوں نے قرآن میں درج کی، جس سے اہل تعطیل و کفر اور مذہب
مخالفہ اسلام کی تائید ہوتی ہے اور اس علم ظاہر کا بطلان ہوتا ہے جس کے
موافق و مخالف سب قائل ہیں۔“

نیز اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق سے جناب امیرؒ نے جمع قرآن کا قصہ
یوں بیان کیا:

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون

تأويله إلى جمعه وتأويله وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به

دعائهم كفرهم فصرح منا ديعم من كان عنده شيء من
القرآن فليأتنا به ووكلا تأليفه عظمه إلى بعض من وافقهم
إلى معاداة أولياء الله فألفه على اختيارهم.
(صفحہ ۱۳۱-۱۳۲)

ترجمہ: ”پھر جب ان منافقوں سے وہ مسائل پوچھے جانے لگے جن کو وہ
نہ جانتے تھے تو مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں، اس کی تفسیر کریں اور
قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم
کریں۔ لہذا ان کے منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کوئی حصہ قرآن
کا ہو، وہ ہمارے پاس لے آئے اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب
کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانہ خدا کی دشمنی میں ان کا ہم خیال تھا
اور اس نے ان کی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔“

پھر اسی روایت میں بڑی وضاحت کے ساتھ جناب امیرؒ کا یہ قول بھی ہے :
 وزادوا فیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ (ص : ۱۳۲)۔

ترجمہ : ”اور بڑھادیں انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں جن کا خلاف
 فصاحت اور قابل نفرت ہونا ظاہر ہے۔“

ف : احتجاج طبری کی ان روایات سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔
 اول : یہ کہ اس قرآن میں (نعوذ باللہ) نبیؐ کی توہین قرآن کے جمع کرنے والوں نے
 بڑھائی ہے۔

دوم : یہ کہ قرآن مذہب باطلہ اور مخالفین اسلام کی تائید کرتا ہے، شریعت کو منارہا
 ہے، کفر کے ستون اس سے قائم ہوتے ہیں۔
 سوم : اس قرآن میں ایسی عبارتیں بڑھا دی گئیں ہیں جو قابل نفرت اور خلاف
 فصاحت ہیں۔

چہارم : یہ نہیں معلوم کہ یہ بڑھائی ہوئی عبارتیں کون کون اور کہاں کہاں ہیں۔
 چھم : اس قرآن کے جمع کرنے والے منافق اور کفر کے ستون قائم کرنے والے اور
 دوستان خدا کے دشمن تھے۔ انہوں نے اپنی پسند و خواہش کے مطابق قرآن کو جمع
 کیا۔

۲۔ تفسیر البرہان اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں، تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام
 باقر علیہ السلام نے فرمایا :

لو لا أنه زيد في القرآن ونقص ما خفي حقنا

علی ذی جہی (مقدمہ ثلاث، فصل اول صفحہ ۳۷)

ترجمہ : ”اگر قرآن میں بڑھایا نہ گیا ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہمارا حق
 کسی غفلت پر پوشیدہ نہ ہوتا۔“

ف : خیر اور کچھ ہو یا نہ ہو، مگر اتنا تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن شریف
 مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے، حتیٰ کہ مسئلہ امامت اور ائمہ کا حق بھی اس سے ثابت
 نہیں ہو سکتا، اور یہ قرآن سنیوں کی تائید کرتا ہے، ان کے ستون قائم کرتا ہے۔

قرآن شریف کے حروف و الفاظ کے بدلے جانے کی روایتیں
تفسیر تہی میں ہے :

وَأَمَّا مَا كَانَ خِلَافَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى :

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ الْآيَةُ.

قال أبو عبد الله عليه السلام لقاری هذه الآية خير

أمة يقتلون أمير المؤمنين والحسين بن علي فقیل له فكيف

نزلت يا ابن رسول الله فقال: إنما أنزلت خير أمة أخرجت

(صفحہ ۱۰)

للناس

ترجمہ: "اور وہ چیزیں جو قرآن میں موجود ہیں خلاف ما انزل اللہ
ہیں۔ پس وہ (مثلاً) یہ آیت ہے کنتم خیر امة یعنی "تم لوگ تمام ان
امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں۔" امام جعفر صادق نے
اس آیت کے پڑھنے والے سے کہا کہ واو کیا اچھی امت ہے جس نے امیر
المومنین کو اور حسین بن علی کو قتل کر دیا۔ پوچھا گیا کہ پھر یہ آیت کس
طرح اتری تھی اے فرزند رسول؟ تو فرمایا کہ یہ آیت اس طرح اتری تھی
"کنتم خیر امة" یعنی "اے ائمہ اثنا عشر تم تمام امہوں سے بہتر
ہو۔"

ف: معلوم ہوا کہ قرآن میں "خیر امة" کا لفظ غلط ہے۔ "خیر ائمة" نازل
ہوا تھا۔ الفاظ تبدیل کر دیئے گئے۔

۲۔ نیز اسی تفسیر میں ہے :

ومثله آية قرأت علی ابی عبد الله ﴿الذین

يقولون ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة أعین واجعلنا

للمتقين إماما﴾ عليه السلام: لقد سألوا الله عظیما أن

يجعلهم للمتقين إماما فقیل له يا ابن رسول الله كيف

نزلت فقال: إنما نزلت واجعل لنا من المتقين اماماً
(صفحہ ۱۰)

ترجمہ: ”امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ”والدین یقولون“ یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ”اے رب ہمارے! بخش دے ہم کو، ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی اور بنا دے ہم کو متقیوں کا امام“ تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ سے بڑی چیز مانگی کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے۔ پوچھا گیا کہ اے فرزند رسول اللہ! یہ آیت کس طرح اتری تھی؟ تو فرمایا کہ اس طرح اتری تھی، ”واجعل لنا من المتقين“ یعنی ہمارے لئے متقیوں میں سے کوئی امام مقرر کر دے۔“

چونکہ امامت کا مرتبہ شیعوں کے یہاں نبوت سے بھی بڑھا ہوا ہے جیسا کہ امامت کی بحث میں گزر چکا ہے، اس لئے امام نے آیت کو غلط کہہ دیا کہ اس میں امامت کی درخواست خدا سے کی گئی۔ اس روایت میں حروف کی تبدیلی ہے۔
۳۔ اصول کافی کتاب الحجہ ”باب فیہ نکت و تنفی من التنزیل فی الولاية“ میں ہے:

۶۲۔ أحد، عن عبد العظیم، عن الحسين بن مباح، عن أخبرہ قال: قرأ رجل عند أبي عبد الله عليه السلام: وقل اعملوا فیسری الله مملکم ورسولہ المؤمنون^(۵)، فقال: لیس حکذاہی، إنماہی والمؤمنون، فنحن المؤمنون^(۶)۔

ترجمہ: ”ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی، ”قل اعملوا“ یعنی ”اے نبی کہہ دو کہ تم لوگ عمل کرو، تمہارا عمل اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے۔“ امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے ”والمؤمنون“ یعنی مامونوں لوگ دیکھیں گے اور ”مؤمنون“ ہم ائمہ اثنا عشر ہیں۔“

۴۔ کتاب احتجاج کی اسی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ زندیق نے ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ قرآن میں پیغمبروں کی مذمت تو نام لے کر خدا نے بیان کی ہے، مگر منافقوں

کی مذمت اشارات و کنایات میں ہے، ان کا نام نہیں لیا گیا، یہ کیا بات ہے؟ تو جناب امیرؒ نے جواب دیا کہ:

إن الكناية عن أسماء ذو الحوائر العظيمة من
المنافقين ليست من فعله تعالى وإنما من فعل المغيرين
والمبدلين الذين جعلوا القرآن عضين واعتاضوا الدنيا من
الدين (صفحہ ۱۲۶)

ترجمہ: ”بڑے بڑے جرم والے منافقوں کے نام کا کنایات میں ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو صاف صاف نام ذکر کئے تھے، بلکہ یہ فعل ان تحریف کرنے والوں، بدلنے والوں کا ہے جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور دنیا کے عوض دین کو بیچ ڈالا۔ (انہوں نے ناموں کو نکل ڈالا اور بجائے ان کے کنایہ کے الفاظ رکھ دیئے)۔“

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیرؒ نے اس زندیق کو یہ نفیس جوابات دے

کر فرمایا: فحسبك في الجواب في هذه المواضع ما سمعت
فإن شريعة التقيّة تحظر التصريح بأكثر منه
(صفحہ ۱۲۶)

ترجمہ: ”پس ان مقامات میں یہ جواب تجھے کافی ہیں جو تو نے سنے اس لئے کہ تقیہ کی شریعت اس سے زیادہ صاف بیان کرنے کو روکتی ہے۔“

نمونہ کے طور پر تحریف کی چار قسموں کی روایتیں تھوڑی نقل کی گئیں۔ اگر کوئی شخص کتب شیعہ کو دیکھے تو ایک انبار ان روایتوں کا پائے گا، جن سے ایک بڑا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ بڑا مقصد ان لوگوں کا یہی تھا کہ قرآن کریم کو تحریف شدہ قرار دیا جائے۔

باقی رہی تحریف کی پانچویں قسم یعنی خرابی ترتیب آیات کی اور ترتیب سورتوں

کی وہ تو اس قدر مشہور ہے کہ حاجت کسی حوالہ کی نہیں، علاوہ ازیں روایات منقولہ بالا سے وہ بھی ثابت ہو رہی ہے اور آئندہ بھی اس کے متعلق عبارتیں نقل کی جائیں گی۔ تاہم دو حوالے یہاں بھی پڑھ لیجئے!

۱۔ علامہ نوری طبری فصل الخطاب میں چوتھی دلیل کے ضمن میں فرماتے

ہیں:

كان لأمير المؤمنين عليه السلام قرآنا مخصوصا

جمعه بنفسه بعد وفاة النبي صلى الله عليه وآله وعرضه على القوم فأعرضوا عنه فحجبه عن أعينهم وكان عند ولده عليهم السلام يتوارثه إمام عن إمام كسائر خصائص الإمامة وخزائن النبوة وهو عند الحجة عجل الله فرجه، يظهره للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقراءته وهو مخالف لهذا القرآن الموجود من حيث التأليف وترتيب السور والآيات بل الكلمات أيضا ومن جهة الزيادة والنقصه وحيث أن الحق مع على عليه السلام وعلى مع الحق ففى القرآن الموجود تنبير من جهتين وهو المطلوب.

ترجمہ: ”امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جس کو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود جمع کیا تھا اور اس کو صحابہ کے سامنے پیش کیا، مگر ان لوگوں نے توجہ نہ کی، لہذا اس کو انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ کر دیا اور وہ قرآن ان کی اولاد کے پاس رہا، ایک امام سے دوسرے امام کو میراث میں ملتا رہا۔ مثل اور خصائص امامت و خزائن نبوت کے۔ اور اب وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے، خدا ان کی مشکل جلد آسان کرے۔ وہ اس قرآن کو اپنے ظاہر ہونے کے بعد نکالیں گے لوگوں کو اس کی تلاوت کا حکم دیں گے اور وہ قرآن اس قرآن موجود کے خلاف ہے، سورتوں اور آیتوں بلکہ کلمات کی ترتیب میں بھی، اور کی بیشی کے لحاظ

سے بھی۔ چونکہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہیں، لہذا ثابت ہو گیا کہ قرآن موجود میں دونوں حیثیتوں سے تحریف ہے اور یہی (ہم شیعوں کا) مقصود ہے۔
 ۲۔ علامہ مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:

پس بخواند قرآن را بخوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تفسیر یافتہ باشد و تبدیل یافتہ باشد چنانچہ در قرآن ہائے دیگر شد۔

(حق الیقین..... صفحہ ۳۵۸، مطبوعہ تہران ۱۳۵۳ھ)

ترجمہ: ”پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو، جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔“

علمائے شیعہ کے تینوں اقرار

اب علمائے شیعہ کے تینوں اقرار ملاحظہ فرمائیے، یعنی:

پہلا اقرار یہ کہ تحریف قرآن کی روایات کثیر اور متواتر ہیں۔

دوسرا اقرار یہ کہ یہ متواتر روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

تیسرا اقرار یہ کہ ان روایات کے مطابق شیعہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

ذیل میں ان تینوں اقراروں کے حوالے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران میں تحریف قرآن کی گیارہویں دلیل کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الأخبار الكثيرة المعتبرة الصريحة في وقوع السقط

ودخول النقصان فی الموجود من القرآن زیادة علی ما مر
فی ضمن الأدلة السابقة وأنه أقل من تمام ما نزل إعجازاً
علی قلب سید الإنس والجان من غیر اختصاصها بآية أو
سورة وهی متفرقة فی الكتب المتفرقة التی علیها المعول
عند الأصحاب جمعت ما عثرت علیها فی هذا الباب .
(صفحہ ۲۳۵)

ترجمہ : ”بت سی حدیثیں جو معتبر ہیں اور قرآن موجود میں کمی اور
نقصان پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، علاوہ ان احادیث کے جو دلائل سابقہ
کے ضمن میں بیان ہو چکیں، اور یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ
یہ قرآن مقدار نزول سے بت کم ہے اور یہ کمی کسی آیت یا کسی سورت
کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہ حدیثیں ان کتب متفرقہ میں پھیلی ہوئی ہیں،
جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد اور اہل مذہب کا ان کی طرف رجوع ہے۔
میں نے وہ سب حدیثیں جمع کر دی ہیں جو میری نظر سے گزریں۔“

اس کے بعد بکثرت کتابوں کے نام گنائے ہیں اور روایات تحریف کے انہار لگا
دیئے ہیں۔

۲۔ نیز اسی کتاب میں محدث جزائری کا قول نقل کیا ہے کہ :

قال السید المحدث الجزائری فی الأنوار ما معناه أن
الأصحاب قد أطبقوا علی صحة الأخبار المستفیضة بل
المتواتر الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن
کلاماً ومادة وإعراباً والتصدیق بها (ص : ۳۱) .

ترجمہ : ”سید محمد جزائری نے کتاب انوار میں لکھا ہے جس کے معنی یہ ہیں
کہ اصحاب امامیہ نے اتفاق کیا ہے ان روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ کی
صحت پر جو صراحتاً قرآن کے محرف ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ

تحریف قرآن، کلام میں بھی ہے، مادہ میں بھی، اعراب میں بھی۔ اور اتفاق کیا ہے ان روایات کی تصدیق پر۔“

۳۔ اسی فصل الخطاب میں علاوہ محدث جزائری کے اپنے دوسرے علماء سے بھی روایات تحریف کا متواتر ہونا نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وهی كثيرة جدا قال السيد نعمت الله الجزائری فی بعض مؤلفاته كما حکى عنه أن الأخبار الدالة على ذلك تزيد على ألفی حدیث وادعی استفاضتها جماعة كالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغيرهم بل الشيخ أيضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة یأتی ذکرهم (صفحہ ۲۵۱)

ترجمہ: ”روایات تحریف قرآن یقیناً بہت ہیں، حتیٰ کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے، جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ جو حدیثیں تحریف پر دلالت کرتی ہیں وہ دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں۔ اور ایک جماعت نے ان کے مستفیض ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم، بلکہ شیخ طوسی نے بھی بیان میں تصریح کی ہے کہ یہ روایات بکثرت ہیں۔ بلکہ ایک جماعت محدثین نے ان روایتوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔“

پھر بفاصلہ چند سطور لکھا ہے کہ:

واعلم أن تلك الأخبار منقولة من الكتب المعتبرة التي عليها معول أصحابنا فی إثبات الأحكام الشرعية والآثار النبوية. (صفحہ ۲۵۲)

ترجمہ: ”جانتا چاہئے کہ یہ حدیثیں تحریف کی ان معتبر کتابوں سے نقل کی

گئی ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا اعتماد ہے احکام شرعیہ کے ثابت کرنے اور
آئمہ نبویہ کے نقل کرنے میں۔“

۴۔ پھر صاحب فصل الخطاب نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور آخر کتاب میں
ان تمام محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے روایات تحریف کو متواتر کہا ہے۔ ان
ناموں میں علامہ مجلسی کا نام نامی بھی ہے اور ان کی عبرت کا حسب ذیل فقرہ قابل دید
ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وعندى أن الأخبار فى هذا الباب متواترة معنى
وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد عن الأخبار رأسا بل
ظنى أن الأخبار فى هذا الباب لا يقصر عن أخبار
الإمامة فكيف يشبتونها بالخبر. (۳۵۳)

ترجمہ: ”میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معنأً متواتر ہیں، اور
ان سب روایتوں کو ترک کر دینے سے ہمارے تمام فن حدیث کا اعتبار جاتا
رہے گا۔ بلکہ میرا علم یہ ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی
روایتوں سے کم نہیں ہیں۔ لہذا اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ ہو
تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہو سکے گا۔“

۵۔ علامہ محسن کاشی تفسیر صلی کے دیباچہ میں تحریف کی (نجس) روایات نقل
کر کے فرماتے ہیں:

المستفاد من مجموع هذه الأخبار وغيره من
الروایات من طریق أهل البيت عليهم السلام أن القرآن
الذى بين أظهرنا ليس بتمامه كما أنزل على محمد صلى
الله عليه وآله بل منه ما هو خلاف ما أنزل الله ومنه ما هو
مغير ومحرّف وأنه قد حذف منه أشياء كثيرة منها اسم
على فى كثير من المواضع ومنها غير ذلك وأنه ليس أيضا

علی الترتیب المرضی عند الله وعند رسوله وبه قال علی

بن ابراہیم (تفسیر الصافی، المقدمة السادسة صفحہ ۴۹، جلد ۱)

ترجمہ: ”ان تمام حدیثوں کا اور ان کے علاوہ جس قدر حدیثیں اہل بیت علیہم السلام کی سند سے نقل کی گئی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان میں ہے وہ پورا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا تھا، نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کچھ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے خلاف ہے، اور کچھ مغیر و محرف ہے، اور بقدر اس میں سے بہت سی چیزیں نکال ڈالی گئی ہیں، جیسے علی کا نام بہت سے مقالات سے، علاوہ اس کے ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قرآن کی ترتیب بھی خدا اور اس کے رسول کی پسند کی ہوئی ترتیب نہیں ہے، انہیں سب باتوں کے قائل ہیں علی بن ابراہیم فی۔“

۶۔ دور آخر کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب عماد الاسلام میں فرماتے ہیں،
”ہم ان کی عبارت ”استقصاء الافہام“ سے نقل کرتے ہیں:

”قال آية الله في العالمين أحله الله دار السلام في
عماد الإسلام بعد ذكر نبذ من أحاديث التحريف الماثورة
عن سادات الأنام عليهم آلاف التحية والسلام: مقتضى
تلك الأخبار أن التحريف في الجملة في هذا القرآن الذي
بين أيدينا بحسب زيادة بعض الحروف ونقصانه بل
بحسب بعض الألفاظ وبحسب الترتيب في بعض المواضع
قد وقع بحيث لا يشك فيه مع تسليم تلك الأخبار.“

ترجمہ: ”آية الله في العالمين یعنی مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام میں چند احادیث تحریف کی، جو سردارانِ خلق یعنی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے مروی ہیں، نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان احادیث کا مقتضی یہ

ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف اس قرآن میں، جو ہمارے سامنے ہے، ضرور ہو گئی ہے بلحاظ زیادہ اور کم ہو جانے بعض حروف کے، بلکہ بعض الفاظ کے، اور بلحاظ ترتیب کے بھی بعض مقامات میں۔ ان احادیث کے تسلیم کر لینے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کیا جاسکتا۔“

عبارت منقولہ کے بعد تحریف قرآن کی کچھ صورتیں بھی مولوی دلدار علی صاحب نے بیان فرمائی ہیں، منجملہ ان کے ایک نفیس بات قابلِ دادیہ لکھی ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی پورا قرآن امت کو دیا ہی نہیں، صحابہ کے خوف سے بہت سی آیتیں آپ نے چھپا ڈالیں، جس قدر قرآن کا ظاہر کرنا آپ کو مصلحت معلوم ہوا اسی قدر آپ نے صحابہ کو دیا، باقی سب تقیہ کی نذر ہو گیا۔ اصل عبارت عماد الاسلام کی ہم ازالتہ الغین سے نقل کرتے ہیں:

ومنها أنه معلوم من حال النبي كما لا يخفى
على المتفحص الذكي ذى الحدس الصائب أنه مع كمال
رغبته على تخليفه عليا كان فى غاية التقية من قومه،
لهذا عندى دلائل وأمارات لا يسع المقام ذكرها، فيحتمل
عند العقل أن النبي حفظا لبيضة الإسلام الظاهري أودع
القرآن النازل المشتمل على نصوص أسماء الأئمة وأسماء
المنافقين مثلا عند محارم أسرارہ كعلی بأمر الله، لئلا
يرتد القوم بأسرهم لما علم من حالهم عدم احتمال ذلك،
وأظهرهم بقدر ما علم المصلحة فى إظهاره، ولما كانوا هو
الباعثين للنبي على ذلك كان الإسناد إليهم فى محله،

(اقامة البرهان على ان الشيعة اعداء القرآن..... صفحہ ۲۸، مندرجہ یازدہ
نجوم از امام الہدایت مولانا عبد الشکور لکھنوی)

ترجمہ: ”منجملہ تحریف کی صورتوں کے ایک یہ ہے کہ نبی کا حال

معلوم ہے اور سمجھ دار ذہین آدمی جو تلاش کرے اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ باوجود یکہ نہایت رغبت اس بات کی رکھتے تھے کہ علی کو اپنا خلیفہ بنائیں مگر اپنی قوم کی طرف سے بہت تقیہ کرتے تھے، اس بات کیلئے میرے پاس دلائل و علامات ہیں۔ پس یہ احتمال قرین عقل کے ہے کہ نبی نے اسلام ظاہری کی حفاظت کے لئے بحکم خدا اصلی قرآن، جس میں ائمہ کے نام اور منافقوں کے نام کی آیتیں تھیں، اپنے محرم راز مثلاً علی کے پاس ودیعت رکھوا دیا، تاکہ تمام لوگ مرتد نہ ہو جائیں، کیونکہ آپ کو ان کا حال معلوم تھا کہ وہ ان آیات کی برواشت نہ کر سکیں گے، اور آپ نے صرف اسی قدر قرآن ان پر ظاہر کیا جس کا ظاہر کرنا آپ کے نزدیک قرین مصلحت تھا، اور چونکہ اصلی قرآن کے چھپا ڈالنے کا سبب صحابہ تھے اس لئے یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی، بالکل صحیح ہے۔“

۷۔ امام الشیعہ مولوی حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب استقصاء الافہام جلد اول میں جا بجا اقرار کیا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں اور وہ تحریف قرآن پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ:

الف: صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

”ورد روایات تحریف قرآن بطریق اہل حق“

ترجمہ: ”یعنی شیعوں کی کتابوں میں روایات تحریف قرآن کا وارد ہونا۔“

ب: صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں:

”اگر بے چارہ شیعہ بمقتضائے احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین مصرحہ بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف و نقصان بر زبان آر دہدف سام طعن و ملام و مورد استہزاء تشنیع گردد۔“

ترجمہ: ”اگر بے چارہ کوئی شیعہ، اہل بیت طاہرین کی بہت سی احادیث کے موافق، جو قرآن کے ناقص ہونے کی تصریح کرتی ہیں، تحریف و نقصان کا لفظ زبان سے نکالے تو طعن و ملامت کے تیروں کا نشانہ بن جاتا ہے۔“

ج: صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں:

”اگر اہل حق از حافظان اسرار الہی و حاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہدایۃ اسلام و ائمہ انام اند روایت کنند احادیثی را کہ دال است بر آنکہ در قرآن شریف مبطلین و اہل ضلال تحریف نمودند و تصحیفش بعمل آوردند و اصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجودست کہ دریں صورت اصلاً بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نقص و طعن عامد نمی شود فریاد و فغاں آغاز کنند۔“

(اقامة البرہان علی ان الشیعۃ اعداء القرآن صفحہ ۲۹)
ترجمہ: ”اگر اہل حق (یعنی شیعہ) حافظان اسرار الہی اور حاملان آثار جناب رسالت پناہی سے، جو کہ اسلام کے ہادی اور لوگوں کے امام ہیں، ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن شریف میں باطل پرست اور اہل ضلال (یعنی خلفائے ثلاثہ) نے تحریف کردی اور اس کے الفاظ میں گمراہی کر دی اور اصل قرآن، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا، حافظان شریعت (ائمہ اثنا عشر) کے پاس موجود ہے کہ اس صورت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز کوئی نقص اور طعن عامد نہیں ہوتا، تو سنی لوگ شور و دواطلا شروع کر دیتے ہیں۔“
عبارات منقولہ بالا سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے:

- ۱۔ روایات تحریف قرآن شیعوں کی ان اعلیٰ ترین معتبر کتابوں میں ہیں، جن پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے۔
- ۲۔ روایات تحریف کثیر و مستفیض بلکہ متواتر ہیں۔
- ۳۔ روایات تحریف رد کردی جائیں تو شیعوں کا فن حدیث بیکار و بے اعتبار ہو جائے۔

- ۴۔ تحریف قرآن کی روایتیں کتب شیعہ میں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔
- ۵۔ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ مذہب شیعہ میں جس درجہ ضروری مسئلہ امامت ہے اسی درجہ تحریف قرآن کا عقیدہ بھی ضروری ہے۔ حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ کی امامت کا ماننا جیسا فرض ہے اسی درجہ کا فرض قرآن کو محرف ماننا بھی ہے۔ جو شخص قرآن کو محرف نہ مانے وہ

از روئے مذہب شیعہ ویسا ہی گناہگار و بد دین اور مذہب شیعہ سے خارج ہو گا جیسا ائمہ اثنا عشر کی امامت کا منکر۔

۶۔ یہ روایات، قرآن کے محرف ہونے اور پانچوں قسم کی تحریف سے ملوث ہونے پر ایسی صاف اور واضح دلالت کرتی ہیں کہ اس میں شک نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی کوئی معقول توجیہ و تاویل ہو سکتی ہے۔

ان عبارات میں دو اقرار تو بالکل واضح ہیں۔ یعنی روایات کے کثیر و متواتر ہونے کا اور ان روایات کے تحریف پر صریح دلالت کرنے کا، تیسرا اقرار یعنی معتقد تحریف ہونے کا اس درجہ واضح نہیں ہے، لہذا اس کے لئے اور عبارتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ علامہ محسن کاشانی تفسیر صافی کے مقدمہ سادہ میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا اعْتِقَادُ مَشَاتَخْنَا رَحِمَهُمُ اللَّهُ فِي ذَلِكَ فَالظَّاهِرُ
مِنْ ثِقَةِ الْإِسْلَامِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكَلِينِيُّ طَابَ ثَرَاهُ أَنَّهُ
كَانَ يَعْتَقِدُ التَّحْرِيفَ وَالنَّقْصَانَ فِي الْقُرْآنِ، لِأَنَّهُ رَوَى
رَوَايَاتٍ فِي هَذَا الْمَعْنَى فِي كِتَابِهِ الْكَافِي، وَلَمْ يَتَعَرَّضْ
لِقُدْحِ فِيهَا، مَعَ أَنَّهُ ذَكَرَ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ أَنَّهُ كَانَ يَشُقُّ بِمَا
رَوَاهُ فِيهِ، وَكَذَلِكَ أَسْتَاذُهُ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْقُمِيُّ، فَإِنْ
تَفْسِيرُهُ مَمْلُوءٌ مِنْهُ وَلَهُ غُلُوٌّ فِيهِ، وَكَذَلِكَ الشَّيْخُ أَحْمَدُ بْنُ
أَبِي طَالِبٍ الطَّبْرَسِيُّ قَدَسَ سِرُّهُ، فَإِنَّهُ نَسَجَ عَلَى مَنَوَالِهِمَا
فِي كِتَابِ الْاِحْتِجَاجِ،

(تفسیر صافی، مقدمہ سادہ..... صفحہ ۲۵۔ طبع جدید بیروت)

ترجمہ: ”رہا ہمارے بزرگوں کا اعتقاد اس بارے میں، سو ظاہر یہ ہے کہ
لقد الاسلام محمد بن یعقوب کلینی قرآن کی تحریف و نقصان کے معتقد تھے۔
کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت روایتیں اپنی کتاب کافی میں نقل کی
ہیں اور ان روایتوں پر کوئی جرح نہیں کی، باوجودیکہ انہوں نے آغاز کتاب

میں لکھ دیا ہے کہ جتنی روایتیں اس کتاب میں ہیں ان پر مجھے وثوق ہے اور اسی طرح ان کے استاد علی بن ابراہیم قمی کہ ان کی تفسیر بھی روایات تحریف سے پُر ہے اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ اور اسی طرح شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی کہ وہ بھی کتاب احتجاج میں انہیں دونوں کے طرز پر چلے ہیں۔"

۲..... سید ابوالحسن شریف تفسیر مرآۃ الانوار میں (جو مقدمہ تفسیر البرہان کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے) لکھتے ہیں:

الفصل الرابع

فی بیان خلاصۃ أقوال علمائنا فی تفسیر القرآن

وعدمہ وتزییف استدلال من أنکر التفسیر اعلم أن الذی

یظہر من ثقتہ الإسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب

ثراہ أنه کان یعتقدہ التحریف والنقصان فی القرآن لأنه

روی روایات كثيرة فی هذا المعنی فی کتاب الکافی

الذی صرح فی أولہ بأنه کان یثق فیما رواہ فیہ ولم

یتعرض لقدح فیہا ولا ذکر معارض لها، وكذلك شیخہ

علی بن ابراہیم القمی لأن تفسیرہ مملوء منه وله غلو فیہ،

قال رضی اللہ عنہ فی تفسیرہ أما ما کان من القرآن

خلاف ما أنزل اللہ فهو قوله تعالى..... ثم ذکر من

تفسیر القمی بعض أمثلة أنواع التحریف..... إلى أن

قال: ووافق القمی والکلینی جماعة من أصحابنا المفسرین،

کالعیاشی، والنعمانی، وقرات بن ابراہیم، غیرہم وهو

مذهب اکثر محقق محدثی المتأخرین، وقول الشیخ الأجل

أحمد بن أبی طالب الطبرسی كما ینادی به کتابہ

الاحتجاج وقد نصرہ شیخنا العلامة باقر علوم أهل البيت

وخادم أخبارہم فی کتابہ بحار الأنوار، وبسط الکلام فیہ

بما لا مزید علیہ وعندی فی وضوح صحتہ هذا القول بعد
تتبع الأخبار وتفحص الآثار بحيث يمكن الحكم بكونه من
ضروریات مذهب التشیع وأنه من أكثر مفاصد غصب
الخلافة

(مقدمہ تفسیر البرہان مقدمہ ثالثہ الفصل الرابع ص ۳۷)

ترجمہ: ”چوتھی فصل اس مسئلہ میں کہ قرآن میں کوئی تبدیلی ہوئی یا
نہیں؟ ہمارے علماء شیعہ کے اقوال کا خلاصہ اور منکرین تحریف کے
استدلال کی تردید۔“

”جانتا چاہئے کہ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی کے کلام سے جو کچھ
ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قرآن میں تحریف و نقصان کا عقیدہ رکھتے
تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مضمون کی بہت سی روایات کتب
”الکلی“ میں روایت کی ہیں۔ جبکہ اس کتب کے شروع میں انہوں نے
تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس کتب میں جو روایتیں ذکر کی ہیں، ان پر
وثوق رکھتے ہیں۔ اور موصوف نے نہ تو ان روایات کو ذکر کر کے ان پر
کوئی جرح کی ہے اور نہ اس کے معارض کوئی روایت ذکر کر کے ہے۔ اسی طرح
ان کے شیخ علی بن ابراہیم القمی بھی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی
تفسیر اس سے بھری پڑی ہے۔ اور ان کو اس عقیدہ میں غلو ہے۔ چنانچہ وہ
اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو آیتیں ”ما انزل اللہ“ کے خلاف ہیں، پس وہ یہ ہیں.....“
(یہاں تفسیر فی سے انواع و اقسام کی تحریف کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد
لکھتے ہیں)

”اور قبی اور کلینی کی موافقت کی ہے ہمارے شیعہ مفسرین کی ایک جماعت نے جیسے
عیاشی، نعمانی، فرات بن ابراہیم وغیرہم۔ اور یہی مذہب ہے اکثر تخرین،
محققین، محدثین کا، اور یہی قول ہے شیخ اجل احمد بن ابی طالب طبرسی کا۔
جیسا کہ ان کی کتب ”الاحتجاج“ اس کا اعلان کر رہی ہے۔ اور اسی کی
تائید کی ہے ہمارے شیخ علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتب ”معارج الانوار“

میں۔ اور اس میں کھل کر کلام کیا ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔
 اور میرے نزدیک ائمہ کی احادیث کے تتبع و تلاش اور آئمہ کی حیان
 بین کے بعد اس قول کا صحیح ہونا یہاں تک واضح ہے کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ
 عقیدہ تحریف مذہب تشیع کے ضروریات میں سے ہے اور غضب
 خلافت کا سب سے بدترین نتیجہ تحریف قرآن ہے۔"

۳۔ علامہ نوری طبری فصل الخطاب میں لکھتے ہیں :

الأول وقوع التغير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ
 الجليل على بن إبراهيم القمي شيخ الكليني في تفسيره
 صرح بذلك في أوله وملاء كتابه من أخباره مع التزامه
 في أوله بأن لا يذكر إلا ما رواه مشائخه وثقاته ومذهب
 ثقة الإسلام الكليني رحمه الله على ما نسب إليه جماعة
 لنقله الأخبار الكثيرة الصريحة في هذا المعنى في كتابه
 الحجة خصوصا في باب النكت والتنف من التنزيل وفي
 الروضة من غير تعرض لردّها أو تأويلها واستظهر الحق
 السيد محسن الكاظمي في شرح الوافية مذهبه من الباب
 الذي عقده فيه وسماه باب انه لم يجمع القرآن كله إلا
 الأئمة عليهم السلام فان الظاهر من طريقة أنه إنما يعقد
 الباب لما يرتضيه قلت وهو كما ذكره فان مذاهب القدماء
 تعلم غالبا من عناوين أبوابهم وبه صرح أيضا العلامة
 المجلسي في مرآة العقول.

(فصل الخطاب صفحہ ۲۶)

ترجمہ: "پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر و نقصان ہو گیا، اور یہی مذہب

ہے شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی استاذ کلینی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے اور اپنی تفسیر روایات تحریف سے بھر دی ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی تفسیر کے شروع میں انہوں نے یہ پابندی ظاہر کی ہے کہ وہی روایتیں ذکر کروں گا جو میرے اساتذہ اور معتبر لوگوں نے روایت کی ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ثقہ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا، جیسا کہ ایک جماعت نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس مضمون کی بہت سی صریح روایتیں کافی کی کتاب الحجۃ خصوصاً باب ”النکت والتنف من التنزیل“ میں اور روضہ میں نقل کی ہیں۔ اور ان روایات کو نہ رد کیا نہ ان کی کچھ تاویل کی، اور محقق سید محسن کاظمی نے شرح وافہ میں کلینی کا مذہب اس باب سے ثابت کیا ہے جو انہوں نے کافی میں منعقد کیا ہے اور اس کا نام رکھا ہے ”باب انه لم یجمع القرآن کلمۃ الا لائمة علیہم السلام“ کیونکہ ان کے طریقہ سے ظاہر یہ ہے کہ وہ اسی مضمون کے لئے باب قائم کرتے ہیں جو مضمون ان کو پسند ہوتا ہے۔ میں کتابوں کے محقق کاظمی کا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ متقدمین کا مذہب اکثر ان کے بابوں کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اور کلینی کے مذہب کی تصریح علامہ مجلسی نے بھی ”مرآۃ العقول“ میں بھی کی ہے۔“

اس کے بعد مصنف فصل الخطاب نے پورے سات صفحات میں ان اکابر شیعہ کے نام گنائے ہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

شیعوں کے مشائخ اربعہ، جو تحریف کے منکر ہیں

بانیان مذہب شیعہ کا اصل مقصد قرآن کریم کو مشکوک بنانا تھا۔ چنانچہ جب وہ بزعم خود عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے، راویان قرآن یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی خوب جرح کر لی اور ان کو — نفوذ باللہ — مرتد اور منافق قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس پر بھی صبر نہ ہوا تو تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں

حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کے نام سے تصنیف کر کے شیعوں میں پھیلا دیں۔ وہ سمجھے تھے لوگ قرآن کریم کی طرف سے شک و شبہ میں پڑ جائیں گے اور اسلام کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن یہ ان کی بھول تھی، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس آہنی دیوار سے ٹکرا رہے ہیں اور یہ کہ اس کتب مقدس کی شان ”لاریب فیہ“ ہے، اس سے کھیلنے والوں کے اپنے سرپاش پاش ہو جائیں گے۔ مگر وہ اس آہنی دیوار کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ کتب مٹنے کے لئے نہیں، بلکہ رہتی دنیا تک چمکنے کے لئے آئی ہے، اور اس کے بارے میں پہلے دن سے اعلان کر دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّ لِكِتَابٍ
عَزِيزٍ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ
مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾
(حکم سجدہ ۴۱—۴۲)

ترجمہ: ”جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے جب آئی ان کے پاس اور وہ کتب ہے نادر۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہیں، آگے سے اور نہ پیچھے سے، اتاری ہوئی ہے حکمتوں والے، سب تعریفوں والے کی۔“
(ترجمہ: شیخ الحداد)

بانیان مذہب شیعہ کی ان تمام مکروہ حرکتوں کے باوجود دنیائے دیکھ لیا کہ حق تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے نہ تو اسلام کا کچھ بگڑا، نہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت مسلمانوں کے سینہ بے کینہ سے نکلی۔ اور نہ قرآن کریم ہی کے بارے میں کسی کے دل میں شک و شبہ کا کوئی کاٹا چبھا۔ جب شیعوں کو تحریف قرآن کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے تین چار صدیاں گزر گئیں اور کچھ نہ ہوا، بلکہ الثالینہ کے دینے پڑ گئے اور شیعوں کو تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ”کافر“ قرار دیا جانے لگا تو شیعہ اکابر کو بڑی فکر لاحق ہوئی، مگر تقیہ کا ہتھیار موجود تھا۔ اس لئے چار بزرگوں نے ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے عقیدہ سے انکار کر دیا۔ یہ پوری بحث امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے رسالہ ”تنبیہ الحائرین“ سے نقل کرتا ہوں، جولاہور کے شیعہ مجتہد جناب سید علی حارثی کے رسالہ ”موعظہ تحریف قرآن“ کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حضرت لکھتے ہیں:

”حقیقت یہی ہے کہ شیعوں کے تمام محدثین اور بڑے بڑے اکابر مذہب شیعہ کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں، نہ کوئی شیعہ تحریف قرآن کا منکر ہوا نہ ہو سکتا ہے، ان کے مذہب کی بنیاد ہی عداوت قرآن پر ہے۔

”شیعوں میں گنتی کے صرف چار آدمی ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہو گئے ہیں۔ ۱۔ شریف مرتضیٰ، ۲۔ شیخ صدوق، ۳۔ ابو جعفر طوسی، ۴۔ شیخ ابو علی طبری مصنف تفسیر مجمع البیان۔ جب علمائے شیعہ کو سنیوں کے مقابلہ میں ضرورت پیش آتی ہے یا اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی ہوس خام پیدا ہوتی ہے تو انہیں چلہ میں سے کسی نہ کسی کا قول پیش کر دیتے ہیں اور بڑی مصلیٰ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اوپر بالکل بے جا الزام ہے۔ ہم تو تحریف قرآن کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ حارثی صاحب نے بھی اپنے رسالہ ”موعظہ تحریف قرآن“ میں یہی کارروائی کی ہے۔ ناواقف شخص بے شک اس کارروائی سے دھوکا کھاتا ہے، مگر جو لوگ مذہب شیعہ سے واقف ہیں، ان کے سامنے یہ کارروائی نہیں چل سکتی۔

”اب بعونہ تعالیٰ ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کی حقیقت و اصلیت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جب بانیان مذہب شیعہ عداوت قرآن کا حق ادا کر چکے اور راویان قرآن یعنی صحابہؓ کو بھی بخیل خود خوب مجروح کر لیا تب بھی صبر نہ آیا اور تحریف قرآن کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں حضرت علی و امام باقر کے نام سے تصنیف کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیں۔ سمجھے تھے کہ اب دین اسلام مٹ چکا۔ مسلمان قرآن مجید کی طرف سے ضرور شک میں پڑ جائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت نہ اسلام مٹا، اور نہ قرآن مجید میں کسی کو شک پیدا ہوا، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی ان روایات تحریف کو گوز شتر سے بدتر سمجھا اور ان کو بھی قرآن شریف کے محرف ہونے کا وہم نہ پیدا ہوا۔ مثلاً سرو لیم میور، جو صوبہ متحدہ کے لیفٹنٹ گورنر تھے، باوجود متعصب عیسائی ہونے کے اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ قرآن کو محرف نہ کہہ سکے اور اپنی کتاب ”لائف آف محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھ گئے:

ترجمہ: ”یہ بالکل صحیح اور کامل قرآن ہے اور اس میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی۔ ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے اور آخر کار ہم اپنی بحث کو دن نیم صاحب کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سمجھتے ہیں، جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔“

”بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے نفیرین و ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور واقعی اس سے بڑھ کر نمک حرامی کیا ہوگی کہ جس دین کا نام لیتے تھے اسی کی جز کا ثنا شروع کی۔ اسلام کو کیا مٹاتے خود ہی اسلام سے خارج ہو گئے۔ خدا کے نور کو جو شخص بجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو یہی پھل ملتا ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد

ہر آں کو پف زند ریش بسوزد

”بلاآخر شریف مرتضیٰ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرح یہ کلنگ کا ٹیکہ مٹانا چاہئے، لہذا انہوں نے تقیہ کر کے تحریف قرآن کا انکار کر دیا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایک ایسے کام کا ارادہ کیا جس میں کامیابی محال تھی، وہ اپنے قول کی کوئی دلیل مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق نہ پیش کر سکے، نہ اپنی تائید میں کوئی روایت ائمہ معصومین کی لاسکے، نہ روایات تحریف کا کوئی جواب دے سکے، بلکہ انکار کی دھن میں وہ باتیں لکھ گئے جو ان کے مذہب کے لئے سم قاتل تھیں، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ قرآن پر ایمان کا دعویٰ بغیر مذہب شیعہ کی بیخ کنی کے ممکن ہی نہ تھا۔

”تلاش و تتبع سے معلوم ہوا کہ کنتی کے چلہ شخص اکابر قدامت شیعہ میں ہیں جنہوں نے ازراہ تقیہ قرآن شریف کی تحریف کا انکار کیا اور ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک بتلایا۔ اول شریف مرتضیٰ، دوم شیخ صدوق، سوم ابو جعفر طوسی، چہارم شیخ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ ان چلہ کے سوا قدامت شیعہ میں کسی نے ازراہ تقیہ بھی تحریف قرآن کا انکار نہیں کیا۔

فصل الخطاب صفحہ ۳۲ میں ہے:

الثانی عدم وقوع التّغییر والنقصان فیہ وجميع ما
 نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہو الموجود فی
 أیدی الناس فیما بین الدفتین وإلیہ ذهب الصدوق فی
 عقائده والسید المرتضی وشيخ الطائفة فی التبیان ولم
 يعرف من القدماء موافق لهم۔

ترجمہ: ”دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن میں تحریف اور کمی نہیں ہوئی اور یہ کہ
 جس قدر قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، وہ لوگوں کے
 ہاتھوں میں اور دفتیوں کے بیچ میں موجود ہے اور اسی طرف گئے ہیں صدوق
 اپنی کتب عقائد میں، اور سید مرتضیٰ اور شیخ الطائفة (ابو جعفر طوسی) تبیان
 میں۔ اور حقیقت میں کوئی ان کا موافق معلوم نہیں ہوا۔“

نیز اسی کتب کے صفحہ ۳۴ میں ہے:

والی طبقتم (ای المرتضی) لم يعرف الخلاف صریحاً
 الا من هذه المشائخ الاربعة

ترجمہ: ”شرف مرتضیٰ کے طبقہ تک مسئلہ تحریف قرآن کی صراحتاً
 مخالفت سوائے چار بزرگواروں کے اور کسی سے معلوم نہیں ہوئی۔“
 ”یہ چاروں اشخاص اول تو ازراہ تقیہ تحریف کا انکار کر رہے ہیں، ان کے انکار
 کے ازراہ تقیہ ہونے کی روشن دلیل تین ہیں۔

”اول: یہ کہ وہ اپنی سند میں کوئی حدیث امام معصوم کی نہیں پیش کرتے، نہ پیش
 کر سکتے تھے۔ اور نہ ان زائد از دو ہزار احادیث ائمہ کا جواب دیتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ
 یہ انکار ان کا اصلی عقیدہ نہ تھا۔

”دوم: یہ کہ وہ قدر تین تحریف کو کافر کیا معنی گمراہ بھی نہیں کہتے۔ اگر واقعی ان
 چاروں کا اصلی عقیدہ یہی ہوتا جو وہ زبان سے کہہ رہے ہیں تو قرآن پر ایمان رکھنا
 ضروریات دین میں سمجھتے، اور قائل تحریف کو ہمدی طرح کافر بلکہ کافر جلتے۔

”سوم: یہ کہ یہ چاروں صاحبان قرآن شریف کے محفوظ ہونے کو صحابہ کرامؓ کی

مساعی جلیلہ اور ان کی حمیت دینی اور قوت ایمانی سے ثابت کرتے ہیں۔ بھلا اگر انہوں نے اقیقہ نہ کیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے ان اوصاف کا اقرار کرتے؟ کیا اگر کوئی مرزائی کہے کہ میں مرزا غلام احمد کو نہ نبی مانتا ہوں نہ مجدد تو اس کا یہ قول صحیح سمجھا جاسکتا ہے؟ یا کوئی خارجی کہے کہ میں حضرت علیؓ سے حسن ظن و محبت رکھتا ہوں تو اس کی بات قابل اعتبار ہو سکتی ہے؟

”بہر کیف خواہ ان چار اشخاص کا انکار از راہ اقیقہ ہو یا نہ ہو، مگر جبکہ زائد از دو ہزار احادیث ائمہ معصومین کی ان کے قول کے خلاف ہیں اور ان کے موافق ایک ٹوٹی پھوٹی روایت بھی نہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے تو مذہب شیعہ فنا ہوا جاتا ہے، لہذا ان کا یہ انکار ہرگز ہرگز از روئے مذہب شیعہ قابل اقتدا نہیں ہو سکتا، نہ اس کی بنا پر شیعوں کو منکر تحریف کہنا کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اب ان چاروں شخصوں کے اقوال اور ان کے دلائل سنئے اور انصاف کیجئے۔

”تفسیر مجمع البیان کے فن خاص میں ہے :

ومن ذلك الكلام في زيادة القرآن ونقصانه فانه لا يليق بالتفسير، فاما الزيادة فمجمع على بطلانه، وأما النقصان فقد روى فيه جماعة من أصحابنا وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تغييرا ونقصانا والصحيح من مذهب أصحابنا خلافه وهو الذي نصره المرتضى رحمه الله واستوفى الكلام فيه غاية الإستيفاء في جواب المسائل الطرابلسيات وذكر في مواضع ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة وأشعار العرب المسطورة، فان العناية اشتدت والدواعي توفرت على نقله وحملته، وبلغت حدا لم يتلافه فيما ذكرناه لأن القرآن معجزة النبوة ومأخذ العلوم الشرعية

والأحكام الدينية، وعلماء المسلمين قد بلغوا فى حفظه
وحمايته الغاية حتى عرفوا كل شئ اختلف فيه من
اعرابه وقراءته وحروفه، فكيف يجوز أن يكون مغيرا
ومنقوصا مع العناية الصادقة والضبط الشديد، وقال أيضا
قدس الله روحه أن العلم بتفصيل القرآن وأبعاضه فى صحة
نقله كالعلم بجملة، وجرى ذلك مجرى ما علم ضرورة من
الكتب المصنفة ككتاب سيبويه والمزنى، فإن أمل العناية
بهذا الشأن يعلمون من تفصيلها ما يعلمون من جملة
حتى لو ان مدخلا ادخل فى كتاب سيبويه بابا فى
النحو ليس من الكتاب يعرف ويميز علم انه ملحق وليس
من أصل الكتاب وكذلك القول فى كتاب المزنى، ومعلوم
ان العناية بنقل القرآن وضبطه اصدق من العناية بضبط
كتاب سيبويه ودواوين الشعراء، وذكر أيضا رضى الله عنه
أن القرآن كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله
مجموعا مولفا على ما هو عليه الآن واستدل على ذلك بان
القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه فى ذلك الزمان حتى
عين على جماعة من الصحابة فى حفظهم له وانه كان
يعرض على النبى صلى الله عليه وآله ويتلى عليه وان من
الصحابة مثل عبدالله بن مسعود وأبى بن كعب وغيرهما
ختموا القرآن على النبى صلى الله عليه وآله عدة ختمات
وكل ذلك يدل ادنى تأمل على انه كان مجموعا مرتبا غير
مبتور ولا مبثوث، وذكر ان من خالف فى ذلك من

الإمامية والحشوية لا يعتد بخلافهم فان الخلاف في ذلك مضاف إلى قوم من أصحاب الحديث نقلوا اخباراً ضعيفة ظنوا صحتها لا يرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحتہ . انتہی (ص ۱۵ ج ۱)

ترجمہ: ”اور منجملہ اس کے قرآن میں زیادتی اور کمی کی بحث ہے، مگر یہ بحث تفسیر کی کتابوں میں ذکر کرنے کے لائق نہیں، کیونکہ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر توبہ کا اجماع ہے۔ وہ گئی کی تو اس کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اور حشویہ علمہ کی ایک قوم نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن میں کچھ تغیر و تبدل اور کچھ کمی ہو گئی ہے مگر ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور اسی کی تائید شریف مرتضیٰ نے کی ہے، اور انہوں نے مسائل طرابلسیہ کے جواب میں اس کے متعلق پوری بحث کی ہے، اور انہوں نے کئی مقالات پر ذکر کیا ہے کہ قرآن کے صحت کے ساتھ منقول ہونے کا علم ایسا قطعی ہے جیسا شہروں کے وجود اور بڑے بڑے حادثوں اور واقعات اور مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کے نقل و حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ اور اس کثرت کے ساتھ تھے کہ مذکورہ بالا چیزوں میں نہ تھے، کیونکہ قرآن معجزہ نبوت ہے اور علوم شرعیہ و احکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ اور علمائے مسلمین قرآن کی حفاظت میں انتہائی پہنچ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کے جس جس مقام میں اعراب اور قرأت اور حروف کا اختلاف ہے سب انہوں نے معلوم کر لیا ہے، پس پلوجہ ایسی ہجی توجہ اور سخت توجہ کے کیونکر ممکن ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل اور کمی ہو جائے۔ نیز شریف مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کے ٹکڑوں کے صحیح النقل ہونے کا علم بھی ویسا ہی قطعی ہے جیسا کہ اس کے مجموعہ کے صحیح النقل ہونے کا۔

”اور یہ علم اس درجہ میں ہے جس درجہ میں کتب مصنفہ کا علم جیسے سیبویہ اور مزی کی کتب کہ اس فن کے لوگ اس کے ہر ہر جملہ کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اس کے مجموعہ کو، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کتب

سیبویہ میں ایک باب نحو کا بڑا حادے جو اصل کتب میں نہ ہو تو یقیناً پہچان لیا جائے گا اور امتیاز کر لیا جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ وہ الخلق ہے، اصل کتب کا نہیں ہے، یہی حال کتب مزنی کا بھی ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ نقل و حفاظت قرآن کی توجہ بہ نسبت کتب سیبویہ کے اور شعراء کے دیوانوں کے بہت کامل تھی۔

”نیز شریف مرتضیٰ نے لکھا ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں مجموع و مرتب تھا، جیسا کہ وہ اب ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن اس زمانہ میں پورا پڑھایا جاتا تھا اور حفظ کرایا جاتا تھا یہاں تک کہ صحابہ کی ایک جماعت حفظ قرآن میں نامزد کی گئی ہے اور قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور آپ کو پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ اور یقیناً صحابہ میں مثل عبداللہ بن مسعود و ابی بن کعب کے بہتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی ختم قرآن کے سنائے تھے اور یہ سب باتیں ایک تھوڑے غور کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ بے شک قرآن مجموع و مرتب تھا، ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ نہ تھا۔ اور شریف مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ امامیہ اور حشویہ میں اس کے مخالف ہیں ان کا خلاف لائق اعتبار نہیں کیونکہ اس مسئلہ میں ایک جماعت محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے چند ضعیف روایتیں نقل کر کے ان کو صحیح سمجھ لیا حالانکہ ایسی روایتوں کی بنا پر قطعی چیز نہیں چھوڑی جاسکتی۔“

”تفسیر مجمع البیان کی اسی عبارت کو جناب حائری صاحب نے درمیان سے قطع و برید کر کے نقل کیا ہے اور ناواقفوں کو فریب دیا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں۔

”یہ لطیفہ بھی قاتل تماشا ہے کہ جناب حائری صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ”شیعہ مسلمان قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں“ دیکھو رسالہ ”موعظہ تحریف صفحہ ۵۶“ مگر آگے چل کر صفحہ ۵۹ میں آپ اقرار کرتے ہیں کہ اکثر اخباری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اخباری کے معنی آپ الحمد للہ غیر مقلد بیان کرتے ہیں۔ پھر انہیں قائلین تحریف میں اپنے شیخ الاسلام کلینی اور ان کے استاد قتی اور طبرسی مصنف احتجاج کو بھی شمار

کرتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں تو کیا ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ یہ بزرگوار جن کو آپ خود قائل تحریف مان رہے ہیں، شیعہ تھے کہ نہیں؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو آپ کا یہ کہنا کہ شیعہ قطعاً قائل تحریف نہیں، خود آپ کے قول سے غلط ہو گیا۔ ایسی تناقض اور بے علمی کی باتیں اس رسالہ میں بہت ہیں۔

”مجمع البیان کے علاوہ تین کتابوں کی عبارتیں حاضری صاحب نے اور نقل کی ہیں ان عبارتوں میں بھی انہیں منکرین تحریف کا قول ہے لیکن مجمع البیان میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ مع دلائل ہے اور ان میں دلیل نہیں ہے۔ لہذا ہم اپنی عبارت مجمع البیان پر اتنا کر کے شریف مرتضیٰ کے دلائل کا حال اور ان کا نتیجہ حوالہ قلم کرتے ہیں۔

۱۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں زیادتی نہ ہونے پر اپنے فرقہ کا اجماع بتا رہے ہیں یہ ایسا صریح جھوٹ ہے کہ سوا شیعوں کے کسی مذہب کا عالم ایسے دروغ بے فروغ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کا جھوٹ ہونا روایات احتجاج وغیرہ کے علاوہ، جو اوپر منقول ہوئیں، خود حاضری صاحب کی نقل کردہ عبارت قوانین الاصول سے ظاہر ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

فمن أكثر الأخباريين انه وقع فيه التحريف

والزيادة والنقصان وهو الظاهر من الكليني وشيخه علي بن

إبراهيم القمي والشيخ أحمد بن أبي طالب الطبرسي

صاحب الإحتجاج .

ترجمہ: ”اکثر محدثین سے منقول ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی، بیشی بھی

ہوئی اور کمی بھی۔ اور یہی ظاہر ہے کلینی اور اس کے استاد علی بن ابراہیم قمی

سے اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی مصنف احتجاج سے۔“

”پس جب اکثر محدثین اور اتنے بڑے بڑے اکابر شیعہ کو قرآن میں کمی بیشی کے جانے کا قائل آپ خود مان رہے ہیں تو شریف مرتضیٰ کا یہ کہنا کہ قرآن میں بیشی نہ ہونے پر سب شیعوں کا اجماع ہے، جھوٹ ہوا کہ نہیں؟

۲۔ شریف مرتضیٰ قرآن میں کمی کی روایتوں کا وجود اپنے یہاں مان کر کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے، یہ بھی غلط ہے۔ صحیح ہونے کا کیا مطلب؟ صحیح تو وہی قول

ہو سکتا ہے جس کی تائید معصوم کی حدیث سے ہوتی ہو، نہ کہ وہ قول جو زائد از دو ہزار احادیث معصوم کے خلاف ہو۔

”۳۔ شریف مرتضیٰ اپنی روایات تحریف کو لکھتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ محدثین نے ان کو صحیح خیال کر کے ان کے موافق عقیدہ بنا لیا۔ یہ قول بھی کس قدر پُر فریب ہے، ان روایتوں کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ بیان کرنی چاہئے تھی، باقاعدہ راویوں پر جرح کرتے یا اور کوئی نقص سند میں بتاتے، بغیر اس کے کسی روایت کو ضعیف کہہ دینا کسی کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوتا۔ اچھا بالفرض یہ روایتیں جو دو ہزار سے زائد ہیں سب ضعیف ہیں تو شریف مرتضیٰ کوئی صحیح روایت ایسی پیش کر دیتے کہ فلاں امام معصوم نے فرمایا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ صحیح نہ سہی، کوئی ضعیف ہی روایت اس مضمون کی اپنی کتابوں میں دکھلا دیتے۔ مگر یہ بات ان کے امکان میں نہ تھی۔

”۴۔ شریف مرتضیٰ کہتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کے اسباب بہت تھے۔ قرآن معجزہ نبوت اور ماخذ دین تھا۔ صحابہؓ بڑے محافظ دین تھے۔ قرآن کی حفاظت میں بے انتہا اور بے مثل کوشش کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ مثل عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے پورے قرآن کے حافظ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو کئی کئی بار ختم سنا چکے تھے اور آپؐ کے زمانے میں لوگوں کو درس قرآن دیتے تھے۔ صحابہؓ کے اس بے مثل اہتمام اور کوشش کے سامنے قرآن میں تحریف ہو جانا محال ہے۔

”حضرات شیعہ خصوصاً حائری صاحب ایمان سے ارشاد فرمائیں کہ کیا واقعی شیعوں کا عقیدہ صحابہ کرامؓ کے متعلق یہی ہے جو شریف مرتضیٰ نے بیان کیا؟ آیا مذہب شیعہ صحابہ کرامؓ کو ایسا ہی دیندار اور دین کا محافظ، قرآن کا نگہبان مانتا ہے؟

”یقیناً شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر مذہب شیعہ کے بالکل خلاف ہے۔ شیعہ مذہب تو صحابہ کرامؓ کو (معاذ اللہ) دشمن دین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ پورے قرآن کا حافظ سوا ائمہ کے نہ کوئی تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ ہرگز قرآن کے نگہبان نہ تھے، اور کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن کے محرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے، نہ محفوظ رہنے کے، کیونکہ تمام صحابہؓ دشمن دین تھے اور

صاحب قوت و شوکت تھے۔ مومن صرف چار یا پانچ تھے اور وہ ہر طرح سے عاجز اور کمزور بے دست و پا تھے۔

شریف مرتضیٰ کی یہ تقریر بالکل مذہب اہلسنت کے مطابق ہے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ فضائل اہلسنت کا عقیدہ ہیں نہ کہ شیعوں کا۔ اسی وجہ سے خود علمائے شیعہ نے بھی شریف موصوف کے قول کو رد کیا ہے۔ حارثی صاحب کو لازم تھا کہ اس رد کو بھی نقل کرتے اور اس کا جواب دیتے مگر یہ ایمانداری ان کی وضع کے خلاف تھی۔ خیر اب میں اس کو لکھتا ہوں، حارثی صاحب غور فرما کر ملاحظہ کریں۔

علامہ محمد بن محسن کاشی تفسیر صافی میں شریف موصوف کے قول کو اس طرح رد

کرتے ہیں: أقول لقاتل ان يقول كما أن الدواعي كانت

متوفرة على نقل القرآن وحراسته من المؤمنين كذلك

كانت متوفرة على تغييره من المنافقين المبدلين للوصية

المغيرين للخلافة لتضمنه ما يضاد رأيهم والتغيير فيه ان

وقع فائما وقع قبل انتشاره في البلدان واستقراره على ما

هو عليه الآن والضببط الشديد إنما كان بعد ذلك فلا تنافي

بينهما بل لقاتل انه ما تغير في نفسه وانما التغيير في

كتابتهم اياه وتلفظهم به فانهم ما حرفوا الا عند نسخهم

من الأصل وبقي الأصل على ما هو عليه عند العلماء ليس

بمحرّف وانما المحرّف ما أظهره لأتباعهم واما كونه مجموعا

في عهد النبي صلى الله عليه وآله على ما هو عليه الآن

فلم يثبت وكيف كان مجموعا وانما كان ينزل مجزأ

وكان لا يتم إلا بتمام عمره صلى الله عليه وآله وأما درسه

ونسخه فانما كانوا يدرسون ويختمون ما كان عندهم

لإتمامه.

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کے اسباب ایمان والوں کی طرف سے زیادہ تھے اسی طرح منافقوں کی طرف سے۔ جنہوں نے وصیت رسول خدا کو بدل دیا خلافت کو متغیر کر دیا۔ قرآن کے محرف ہو جانے کے اسباب زیادہ تھے، کیونکہ قرآن ان کی رائے کے خلاف تھا، اور قرآن میں اگر تحریف ہوئی ہے تو قبل اس کے کہ وہ شہروں میں پھیلے اور حالت موجودہ پر قرار پکڑے، اور یہ سخت حفاظت بعد اس کے ہوئی ہے، پس اس سخت حفاظت اور تحریف قرآن میں کچھ منافات نہیں، بلکہ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اصل قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ تحریف صرف ان کے لکھنے اور تلفظ میں ہوئی، کیونکہ انہوں نے اصل سے نقل کرتے وقت تحریف کی اور اصل قرآن اپنی حالت پر اپنے اہل یعنی علمائے قرآن (ائمہ اہل بیت) کے پاس موجود ہے، پس جو قرآن ائمہ کے پاس ہے وہ محرف نہیں ہے، محرف تو وہ ہے جس کو جامعین قرآن نے اپنے پیروؤں کے لئے ظاہر کیا۔ باقی رہا یہ کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے وقت میں جمع ہو چکا تھا جیسا کہ اب ہے، یہ بات ثابت نہیں۔ اور اس زمانہ میں کیسے جمع ہو سکتا تھا کیونکہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کا اختتام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی عمر کے اختتام پر موقوف تھا۔ رہا قرآن کا درس اور ختم تو جس قدر ان کے پاس تھا اسی کا درس ختم کرتے تھے نہ پورے کا۔“

لیجئے شریف مرتضیٰ کا قول رد ہو گیا جو دلائل انہوں نے پیش کئے تھے، وہ مذہب شیعہ کی رو سے بالکل غلط ثابت ہو گئے۔

علامہ خلیل قزوینی نے بھی صلیانی شرح کافی میں شریف مرتضیٰ کے اس قول کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

دعویٰ اینکه قرآن ہمیں است کور (مصحف مشہورہ است خللی از اشکال نیست و استدلال نہیں اہتمام اصحاب و اہل اسلام بضبط قرآن بغایت رکیک است بعد اطلاع بر عمل الی بکر و عمرو عثمان۔

ترجمہ: ”اس بات کا دعویٰ کرنا کہ قرآن یہی ہے جو مصحف مشہورہ میں ہے، مشکل ہے اور اس پر صحابہ اور اہل اسلام کے اہتمام سے جو انہوں نے حفاظت قرآن میں کیا، استدلال کرنا نہایت کمزور ہے۔ بعد اس امر کے

معلوم کر لینے کے کہ ابو بکرؓ، وعمرؓ و عثمانؓ نے کیا کیا کام کئے۔

اور علامہ نوری طبرسی نے فصل الخطاب میں

..... بست بسط کے ساتھ منکرین تحریف کے قول کو رد کیا ہے
اور ان کے دلائل کو توڑا ہے۔ خاص کر شیخ صدوق کی تو بست سی چوریاں پکڑی ہیں اور آخر
میں صاف لکھ دیا ہے کہ تحریف کے انکار میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ مذہب شیعہ
کے لئے سم قاتل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قلت إنه لشدة حرصه على إثبات مذهبه يتعلق بكل
ما يحتمل فيه تأييد للمذهبه ولا يلتفت إلى لوازمه الفاسدة
التي لا يمكنه الإلتزام به فان ما ذكره من الشبهة هي
الشبهة التي ذكرها المخالفون بعينها وأوردوا على أصحابنا
المدعين لثبوت النص الجلي على امامة مولينا على عليه
السلام وأجابوا عنها بما لا يبقى معه ريب وقد أحيانا بعد
طول المدة غفلة او تناسيا عما هو مذكور في كتب
الإمامية

(فصل الخطاب ... صفحہ ۳۵۷)

ترجمہ: ”میں کہتا ہوں کہ صدوق اپنے مذہب کے ثابت کرنے کا اتنا سخت
حرص ہے کہ جس بات میں ذرا سا بھی احتمال اپنے مذہب کی تائید کا پاتا ہے
اس کو لے لیتا ہے اور اس کے نتائج فاسدہ کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ ان نتائج
کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں، جو اعتراض اس نے تحریف قرآن پر کیا
ہے بعینہ یہ وہی اعتراض ہے جو مخالفین ہمارے اصحاب پر حضرت علی کی
امامت پر نص جلی موجود ہونے کے متعلق کیا کرتے ہیں، اور ہمارے اصحاب
نے ان کے اعتراض کا جواب ایسے عمدہ دلائل سے دیا ہے کہ پھر کوئی شبہ باقی
نہیں رہتا۔ مگر صدوق وغیرہ نے لیک زلمہ دراز کے بعد پھر اس اعتراض کو
زندہ کر دیا اور جو کچھ کتب امامیہ میں لکھا ہے اس سے غفلت یا فراموشی اختیار
کی۔“

” واقعی علامہ نوری نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر منکرین تحریف کی دلیل صحیح ہو اور صحابہ ایسے کامل، ایماندار اور محافظ دین مان لئے جائیں کہ ان کی دینداری اور حفاظت دین کے بھروسہ پر قرآن میں تحریف کا ہونا محال ہو تو پھر خلافت کے معاملہ میں بھی ماننا پڑے گا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا تو ناممکن تھا کہ ایسے دیندار اور دین کے جانثار حکم رسولؐ کے خلاف کسی دوسرے کو خلیفہ بناتے۔ علیؓ ہذا مذکور ” اگر حضرت فاطمہؓ کا حق ہو تا تو کبھی یہ دیندار جماعت رسولؐ کی بیٹی کی حق تلفی نہ کرتی۔ غرض صحابہؓ کے تمام مظالم کے افسانے بے بنیاد ہو جائیں گے۔“

” خلاصہ یہ ہوا کہ سنی ہو جاؤ، سنیوں کی طرح صحابہ کرامؓ کی دینداری اور تقدس کا عقیدہ رکھو اور شیعوں کی تمام روایات کو زور و بستان سمجھو تو قرآن پر ایمان ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔“

مومن قرآن شدن با رفض دوں

ایں خیل است و محال است و جنوں

” الحمد للہ کہ یہ بحث پوری ہو چکی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ اصلی مذہب شیعوں کا یہی ہے کہ قرآن شریف محرف ہے۔ کئی، بیشی، تغیر و تبدل الفاظ و حروف کا اور آیات و سورتوں بلکہ کلمات کی ترتیب کا خراب ہونا، غرض ہر قسم کی تحریف اس میں ہے، جو شیعہ تحریف کا انکار کرتا ہے وہ تقیہ کر رہا ہے۔ حاضری صاحب اگر شیعوں کی پیشانی سے اس داغ کو مٹانا چاہتے ہیں تو ہماری اس تحریر کا جواب لکھیں اور اپنا وعدہ پورا کریں اور جواب میں ان کو تین کام کرنا ضروری ہیں۔“

” اول : یہ کہ زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی جو ان کی کتابوں میں ہیں، جن کو محدثین شیعہ متواتر و مستفیض کہتے ہیں، ان کے غیر معتبر ہونے کی کوئی ایسی معقول وجہ بیان کریں جو ان کے اصول حدیث کے مطابق ہو اور ان روایات کے غیر معتبر ہونے سے کوئی اثر ان کے فن حدیث پر خصوصاً روایات امامت پر نہ پڑنے پائے۔“

” دوم : یہ کہ اپنی کتابوں سے کچھ معتبر حدیثیں ائمہ معصومین کی پیش کریں جن میں اس مضمون کی تصریح ہو کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ اگر کوئی صحیح روایت نہ

دستیاب ہو تو کوئی ضعیف ہی روایت دکھلا دیں۔

”سوم: ایک فتویٰ تیار کریں کہ جو شخص تحریف قرآن کا قائل ہو وہ کافر ہے اور قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ان علماء و اکابر شیعہ کو، جو تحریف قرآن کے قائل تھے، جن میں اصحاب ائمہ و سرائے امام غائب بھی ہیں، کافر نہ سہی گمراہ تو لکھ دیں۔ اور اس فتویٰ پر اپنی مہر کر کے شائع کر دیں، اور اچھا ہو کہ دوسرے مجتہدین شیعہ مقیم لکھنؤ وغیرہ سے بھی اس فتویٰ پر تصدیقی مہر کر دیں۔“

”بغیر ان تین کاموں کے کئے، صرف یہ کہہ دینا کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں، کسی طرح لائق سماعت نہیں ہو سکتا بلکہ بدیہیات کا انکار کرنا اور بے حیائی کی دلیل ہو گا۔“
(تنبیہ المیزان صفحہ ۴۰ تا صفحہ ۵۱)

ان شیعہ اکابر کا انکار تحریف محض تقیہ پر مبنی ہے

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکابر شیعہ میں سے جن چار بزرگوں (یعنی شیخ صدوق، شریف مرتضیٰ، شیخ الطائفہ طوسی اور ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان) نے تحریف کا انکار کیا وہ محض ازراہ تقیہ تھا۔ خود علمائے شیعہ نے بھی ان کے تقیہ کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سید نعمت اللہ جزائری ”انوار نعمانیہ“ میں لکھتے ہیں:

والظاهر أن هذا القول إنما صدر منهم لأجل مصالح

كثيرة.... كيف وهؤلاء الأعلام رَوَوْا في مؤلفاتهم

أخباراً كثيرة تشتمل على وقوع تلك الأمور في القرآن

وإنما الآية هكذا أنزلت ثم غيّرت إلى هذا.

(انوار نعمانیہ..... صفحہ ۳۵۷، طبع جدید ۱۳۸۹ھ تبریز)

ترجمہ: ”ظاہر یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ انکار محض چند مصلحتوں پر مبنی ہے

..... یہ حضرات قرآن کریم کے غیر محرف ہونے کا عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں،

جبکہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں بت سی احادیث نقل کی ہیں جو بتاتی ہیں

کہ قرآن میں یہ یہ تحریفات ہوئی ہیں اور فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی

تھی، پھر اس کو یوں بدل دیا گیا۔“

محدث نعمت اللہ جزائری نے جو بات کہی ہے نہایت معقول ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ایک روایت کو غلط بھی سمجھے اور پھر اس کو استدلال میں پیش کر کے اس پر اپنے عقائد کا محل بھی تعمیر کرے۔

”تحفہ اثنا عشریہ“ میں حضرت شلہ صاحبؒ نے امام حسن عسکری کی ایک روایت صدوق کے حوالے سے نقل کی ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

أعوذ بالله من قوم حذفوا محکمات الكتاب ونسوا

رب الارباب.

ترجمہ: ”اللہ کی پناہ ان لوگوں سے جنہوں نے کتاب اللہ کے محکمات کو حذف کر دیا اور رب الارباب کو بھول گئے۔“ (یہ روایت اس سے قبل صفحہ ۱۵۵ پر ”ساتویں غلو“ کے ذیل میں باحوالہ نقل کر چکا ہوں)۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ترجمہ: ”شیخ صدوق سے تعجب ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الاعتقادات“ میں ایمان مغلطہ ذکر کی ہیں اور سخت قسمیں کھائی ہیں کہ اہلسنت ہم پر افتراء کرتے ہیں، ہم ہرگز کتاب اللہ کی تحریف کے اور اس میں سے سورتوں اور آیتوں کے اڑا دیئے جانے کے قائل نہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے یہ جھوٹی روایت، جس کے شروع میں یہی تحریف قرآن کا مضمون ہے، اپنی کتاب میں نقل کر دی۔ یہاں بھی ان حضرات کی طرف سے وہی طے شدہ عذر پیش کرنا چاہئے کہ۔

”دروغ گو را حافظہ نمی باشد“

(تحفہ اثنا عشریہ..... صفحہ ۱۶۲)

علامہ نوری ان بزرگواروں کے تقیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت: قد عد هو فی الشافی والشیخ فی تلخیصہ من مطاعن عثمان ومن عظیم ما أقدم علیہ جمع الناس علی قراءتہ وزید وإحراقہ المصاحف وإبطالہ ما شک إنبہ من القرآن، ولو لا جواز کون بعض ما أبطلہ أو جمیعہ من القرآن لما کان ذلک طعنًا. (قبیل الخطاب..... صفحہ ۳۳)

ترجمہ: ”میں کتابوں کے شریف مرتضیٰ نے ”شلی“ میں اور شیخ الطائفہ طوسی نے اس کی تخصیص میں حضرت عثمان کے مطاعن اور ان کے عظیم ترین اقدام کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ”حضرت عثمان نے لوگوں کو اپنی اور حضرت زید کی قرأت پر جمع کر دیا، دیگر مصاحف کو جلا ڈالا۔ اور جن الفاظ کے قرآن ہونے میں شک تھا، ان کو ختم کر دیا۔“ اب حضرت عثمانؓ نے جن چیزوں کو تلف کر دیا اگر وہ سب کی سب یا ان کا کچھ حصہ قرآن نہیں تھا، تو حضرت عثمانؓ پر کیا طعن ہوا؟“

مطلب علامہ نوری کا یہ ہے کہ شریف مرتضیٰ اور شیخ الطائفہ (اسی طرح دیگر شیعہ اکابر بھی) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ واہل کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے امت کو ”مصحف امام“ پر جمع کر دیا اور دیگر مصاحف کو تلف کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ان مصاحف میں، جن کو تلف کیا گیا، ”مصحف امام“ کے علاوہ بھی کچھ قرآن تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیا طعن ہوا؟ اور ان کو بلاوجہ بدنام کرنے کے کیا معنی؟ اور اگر ان مصاحف میں کچھ زائد قرآن بھی تھا تو حضرت عثمانؓ پر طعن تو بجا رہا مگر اس کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوا، خالص جھوٹ اور تقیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص حضرت عثمانؓ جامع القرآن پر طعن کرتا ہے وہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے؟ اور جو شخص ایمان بالقرآن کے دعویٰ میں سچا ہو اس کے لئے حضرت عثمانؓ پر طعن کی کیا گنجائش ہے؟

وجد و منع بادہ اے زائد چہ کافر نعمتی است
منکر مئے بودن وہم رنگ مستان زیستن

علامہ نوری لکھتے ہیں کہ شیخ الطائفہ کی کتاب ”التبیان“ تقیہ و فریب دہی کا شاہکار ہے، جس کا اعتراف ان کے خاندان کے اکابر نے بھی بڑی صفائی سے کیا ہے:

ثم لا يخفى على المتأمل في كتاب التبيان أن
طريقته، فيه على نهاية المداراة والمماشاة مع
المخالفين..... وما يؤيد كون وضع هذا الكتاب على

التقية ما ذكر السيد الجليل علي بن طاووس في "سعد
السعود"، وهذا لفظه: ونحن نذكر ما حكاه جدی ابو
جعفر محمد بن الحسن الطوسی فی کتاب التبیان.
وحمله التقية على الإقتصار عليه....

(فصل الخطاب... صفحہ ۳۵)

ترجمہ: "پھر کتاب التبیان میں غور کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں کہ
شیخ الطائفہ کا طریقہ اس کتاب میں مخالفین کے ساتھ انتہائی تقیہ پر مبنی ہے۔
اور اس کتاب کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے۔ اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی
ہے جو سید جلیل علی بن طاووس نے "سعد السعود" میں لکھی ہے۔ ان
کے الفاظ یہ ہیں:

"اور ہم ذکر کرتے ہیں اس بات کو جو میرے دادا شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی
نے اپنی کتاب التبیان میں نقل کی ہے اور شیخ کو تقیہ نے مجبور کیا کہ وہ اسی پر
اکتفا کریں۔"

خلاصہ یہ کہ ان چاروں بزرگواروں نے خود دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کی
تحریف سے محفوظ ہے، یہ ان کا اپنے دین و مذہب کے خلاف تقیہ ہے۔ ورنہ اصول تشیع
پر یہ دعویٰ ناممکن ہے۔ چنانچہ خود علمائے شیعہ کو بھی ان کے قول کے مبنی بر تقیہ ہونے کا
اعتراف ہے۔

پاک و ہند کے شیعہ اکابر کا عقیدہ

جس طرح شیعوں کے مندرجہ بالا چلہ اکابر نے اپنے عقیدہ کے خلاف تقیہ
کرتے ہوئے جھوٹ موٹ کہہ دیا تھا کہ ہم تحریف قرآن کے قائل نہیں، ان کے بعد
کے شیعہ علماء نے یہ روش مستقل طور پر اپنائی اور آج تک اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ
جب موقع ملتا ہے بر ملا اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں اور جب اہل سنت سے گفتگو کا
موقع آتا ہے تو تقیہ کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنے اصل عقیدہ پر "کتمان" کا پردہ
ڈال کر عقیدہ تحریف سے برأت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ پاک و ہند کی خاص فضا اور ماحول

میں عقیدہ تحریف کا اظہار کچھ آسان نہیں، اس لئے یہاں کے شیعہ حضرات عموماً نقاب تقیہ میں روپوش رہتے ہیں۔ اس کے باوجود شیعہ علماء کو جب بھی موقع ملتا ہے اپنے دل کا بھید ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس لئے پاک و ہند کے اکابر شیعہ کی بھی چند تصریحات درج کرتا ہوں :

ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی

شیعوں کا یہ ترجمہ ۱۳۲۷ھ میں لکھا گیا تھا اور جب سے اب تک برابر پاک و ہند میں شائع ہو رہا ہے۔ میرے سامنے ”انفکد بک ڈپو کرشن نگر لاہور، پاکستان“ کا شائع کردہ چھٹا ایڈیشن ہے۔ اور اس پر بارہ اماموں کی تعداد کے برابر ۱۲ مجتہدین اور اکابر شیعہ کی تقریظات اور دستخط موجود ہیں کہ یہ ترجمہ تفسیر اہل بیت کے بالکل مطابق ہے۔ اور مومنین کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہئے۔ وہ علماء و مجتہدین شیعہ درج ذیل ہیں :

- ۱- آیت اللہ، اعلم العصر سید احمد علی مفتی۔ لکھنؤ متونی ۱۳۸۸ھ
- ۲- شمس الواعظین سید محمد مجتہد۔ دہلی متونی ۱۳۹۲ھ
- ۳- مجتہد العصر سید کلب حسین عمدة العلماء۔ لکھنؤ متونی ۱۳۸۳ھ
- ۴- سرکار شریعت مدار مجتہد العصر سید نجم الحسن۔ لکھنؤ متونی ۱۳۵۷ھ
- ۵- استاذ الکل مجتہد العصر سید ظہور حسین۔ لکھنؤ متونی ۱۳۵۷ھ
- ۶- بحر العلوم مجتہد العصر سید یوسف حسین امروہوی۔ ہند متونی ۱۳۵۲ھ
- ۷- قمر الاقد مجتہد سید سبط نبی نوگانی متونی ۱۳۵۷ھ
- ۸- فقیہ اہل بیت مجتہد سید محمد باقر۔ لکھنؤ متونی ۱۳۳۶ھ
- ۹- آقائے سید مجتہد محمد ہادی۔ لکھنؤ متونی ۱۳۵۷ھ
- ۱۰- صدر المحققین مجتہد اعظم سید ناصر حسین۔ لکھنؤ متونی ۱۳۶۱ھ
- ۱۱- قدوة العلماء مجتہد سید آقا حسن۔ لکھنؤ متونی ۱۳۳۸ھ

۱۲۔ ناصر الشیعہ مجتہد پنجاب سید علی الحارثی۔ لاہور متوفی ۱۳۶۰ھ
اس ترجمہ کے حواشی میں، مندرجہ بالا مجتہدین شیعہ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ،
جگہ جگہ تصریحات کی گئی ہیں کہ قرآن کریم میں تحریف کر دی گئی، یہاں بطور نمونہ پانچ
تصریحات نقل کرتا ہوں:

۱۔ سورہ آل عمران کی آیت ۳۳ ”ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً
وآل ابراہیم و آل عمران علی العالمین“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:
”تفسیر فی میں وارد ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی ”ان اللہ
اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراہیم و آل عمران و آل محمد
علی العالمین“ تو لوگوں نے اصل کتب سے لفظ آل محمد کو گرا دیا۔ تفسیر
عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لفظ آل محمد
اس آیت میں موجود تھا لوگوں نے مٹا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اصل
آیت یوں تھی ”آل ابراہیم و آل محمد“ بجائے لفظ محمد کے عمران بنا دیا
گیا۔“ (تفسیر فی..... صفحہ ۱۰۵)

۲۔ سورہ یوسف کی آیت نمبر ۴۹ ”ثم یاق من بعد ذالک عام فیہ
یغاث الناس وفیہ یعصرون“ کا ترجمہ کیا ہے کہ:
”پھر اس کے بعد ایک ایسا برس آئے گا جس میں لوگ سیراب ہو جائیں گے
اور جس میں وہ نخوڑیں گے۔“ (سورہ یوسف..... ۴۹)
پھر اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

”تفسیر فی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ
جناب امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے یہ آیت یوں
تلاوت کی:

”ثم یاق من بعد ذالک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون“
یعنی یعصرون کو معروف پڑھا جیسا کہ آپ موجودہ قرآن شریف میں
دیکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر وہ کیا نخوڑیں گے؟ آیا خمر
نخوڑیں گے؟ اس شخص نے عرض کی یا امیر المومنین، پھر میں اسے کیونکر

پڑھوں؟ فرمایا: خدا نے تو یوں نازل فرمایا ہے: ”ثم ياتي من بعد ذلك عام فيه يغاث الناس وفيه يعصرون“ یعنی ”مَعْصَرُونَ“ کو بھول بتلایا، جس کے معنی میں یہ فرمایا کہ ان کو بادلوں سے پانی بکثرت دیا جائے گا اور دلیل اس امر پر خدا کا یہ قول لائے ”وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً“ (اور ہم لوگوں نے بدلیوں سے موسلا دھل پانی اتارا۔) آگے مترجم اور محشی مقبول احمد دہلوی ”قول مترجم“ کا عنوان قائم کر کے لکھتا ہے:

”معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاء کی خاطر مَعْصَرُونَ کو مَعْصِرُونَ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا ہے۔ یا بھول کو معروف سے بدل کر لوگوں کے لئے ان کے کر توت کی معرفت آسان کر دی۔ ہم اپنے لام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تفسیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تفسیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالیٰ پڑھا جائے گا۔“

(صفحہ ۴۷۹)

۳۔ سورۃ احزاب کی آخری آیت کے آخری کلمات ”وكان الله غفوراً رحيمًا“ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

”ثواب الاعمال“ میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ سے بھی زیادہ طویل تھی۔ مگر چونکہ اس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بد اعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں اس لئے اسے کم کر دیا گیا اور اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔“

(صفحہ ۸۵۳)

۴۔ سورۃ الرحمن کی آیت ۳۹ ”فيومئذ لا يسئلك عن ذنبه انس ولا جان“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”بشارات الشيعه“ میں ہے: ”میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا

علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے دو بھی جہنم میں نہ دکھائی دیں گے۔
 نہیں واللہ! بلکہ ایک بھی نہیں۔ میں نے عرض کی کہ یہ بات کتاب خدا میں
 بھی کہیں ہے؟ پس حضرتؑ نے ایک سل تک جواب نہ دیا۔ میسرہ کہتے ہیں
 کہ سل بھر کے بعد ایک دن میں حضرتؑ کے ساتھ طواف میں تھا کہ یکایک
 فرمایا، اے میسرہ! مجھے تیرے فلاں سوال کے جواب دینے کی اجازت آج ملی
 ہے۔ میں نے عرض کی اچھا حضور! وہ مقام قرآن مجید میں کہاں ہے؟ فرمایا
 سورہٴ رخص میں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے ”فیومئذ لا یسئل
 عن ذنبہ منکم انس ولا جان“ میں نے عرض کی کہ اس جگہ ”منکم“ تو
 نہیں ہے۔ فرمایا پہلی آیت جس میں ابن اروئی (عثمان بن عفان) نے تفسیر
 کیا یہی ہے۔“ (صفحہ ۱۰۶۳)

۵۔ سورہٴ محمد کی آیت ۹ ”ذالک بانہم کرہوا ما انزل اللہ
 فاحبط اعمالہم“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”ذالک بانہم کرہوا ما انزل اللہ۔“ الخ۔ تفسیر فی میں جناب امام
 محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جبریل امینؑ نے جناب رسولؐ خدا کو یہ آیت یوں
 پہنچائی تھی ”ذالک بانہم کرہوا ما انزل اللہ فی علی“ مگر
 مرتدین نے نام اڑا دیا۔ پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے۔
 ”فاحبط اعمالہم“ (صفحہ ۱۰۱۱)

ان لغووالیعنی ہفوات کے نقل کرنے سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ پاک و ہند کے
 شیعہ مجتہدین تحریف قرآن کے قائل ہیں اور اگر کوئی شیعہ عالم یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ
 تحریف کا قائل نہیں، تو وہ ازراہ تقیہ جھوٹ بولتا ہے، البتہ یہاں چند امور لائق توجہ
 ہیں۔

اول: مولوی مقبول نے تحریف کے جو حوالے نقل کئے ہیں وہ اپنے ائمہ کی من گھڑت
 روایات کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک روایت بھی کسی امام کی
 نقل نہیں کی کہ یہ قرآن تحریف سے پاک ہے۔

دوم: مولوی مقبول نے پوری جلدت سے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ”قرآن میں

تحریف کردی گئی۔ ”، ”عثمان بن عفان نے تغیر کیا“، ”شراب خور خلفاء کی خاطر ”یُعَصِّرُونَ“ کو ”یَعَصِّرُونَ“ سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کر دیا گیا۔ ”مرتدین نے نام اڑا دیا، پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔“ ”اس آیت میں فلاں لفظ تھا لوگوں نے اس کو گرا دیا، مٹا دیا اور اس کے بجائے فلاں لفظ بنا دیا۔“ کیا ان جسارت آمیز تصریحات کے بعد یہ کہنا ممکن ہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی اور ان کے ترجمہ کی تصدیق و توثیق کرنے والے مجتہدین قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ تحریف قرآن کے قائل نہیں؟

سوم: مندرجہ بالا حوالوں میں ایک حوالہ ”ثواب الاعمال“ کا بھی آیا ہے۔ چشم بد دور یہ شیعوں کے ”شیخ صدوق“ کی تالیف ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف کے منکر ہیں۔ اس حوالے کو استدلال کے طور پر پیش کرنے کے بعد دنیا کا کون عقلمند جو یہ بات ماننے کے لئے تیار ہو کہ شیعوں کا شیخ اعظم ”شیخ صدوق“ قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے اور اس کو تحریف سے پاک اور منزہ سمجھتا ہے؟

ترجمہ سید فرمان علی

جناب سید فرمان علی صاحب کا یہ ترجمہ ہندو پاک میں بار بار شائع ہوا ہے اور اس

پر مندرجہ ذیل اکابر شیعہ کی تصدیقات ہیں:

- ۱۔ جناب السید نجم الحسن مجتہد متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۲۔ جناب السید محمد باقر مجتہد متوفی ۱۳۴۶ھ
- ۳۔ جناب السید ظہور حسین مجتہد متوفی ۱۳۵۷ھ
- ۴۔ جناب السید کلب حسین مجتہد متوفی ۱۳۸۳ھ
- ۵۔ جناب سید ناصر حسین مجتہد متوفی ۱۳۶۱ھ

میرے سامنے ”پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ۔ ۱۳۹ فلان باؤسنگ سوسائٹی، حیدر علی روڈ کراچی نمبر ۵“ کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس میں مندرجہ بالا مجتہدین کی تصدیق کے ساتھ

اقرار تحریف کے نمونے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ آیت تطہیر میں تحریف

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع (آیات ۲۸ تا ۳۴) پورے کا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق ہے۔ اسی ذیل میں آیت ۳۳ کا یہ جملہ بھی ہے جو ”آیت تطہیر“ کے نام سے موسوم ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے (پیغمبر کے) اہل بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔“ (ترجمہ فرمان علی)

اس آیت کریمہ میں ازواج مطہرات کو ”اہل بیت“ سے خطاب کر کے ان کی تطہیر کامل کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی اس نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات ”اہل بیت“ بھی ہیں اور فیصلہ خداوندی کے مطابق پاک اور مطہر بھی۔

مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو ”اہل بیت“ سے عدوات اور اللہ تعالیٰ کے اس قطعی فیصلہ سے انحراف ہے۔ وہ اس آیت کی کوئی ایسی تاویل بھی نہیں کر سکتے جس کے ذریعہ آیت تطہیر کا روئے سخن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہٹا کر کسی اور کی طرف پھیرا جاسکے۔ اس لئے کہ ماقبل و مابعد میں خطاب ازواج مطہرات ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ درمیان کا ٹکڑا کسی اور سے متعلق قرار دے دیا جائے۔ جناب مترجم نے اس مشکل کا حل یہ نکالا ہے کہ یہاں قرآن میں تحریف کردی گئی ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا کسی اور جگہ کا تھا، جسے (نعوذ باللہ) خود غرضی کی وجہ سے یہاں جڑ دیا گیا ہے۔ مترجم کے الفاظ یہ ہیں:

”اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ما قبل و ما بعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواخواہ کسی خاص غرض سے داخل کر دی گئی ہے۔“ (صفحہ ۷۵۶)

مترجم کی اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں۔ ایک یہ کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے، برحق ہے اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے تو یہ آیت تطییر لایحالیہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ہے اور وہی قرآنی خطاب ”اہل البیت“ کا مصداق ہیں۔ دوم یہ کہ مترجم اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے نزدیک قرآن کریم تحریف شدہ ہے، اس میں کسی ”خاص غرض“ کی وجہ سے تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔

۲۔ آیت رحمت و برکات میں تحریف

مترجم کی بد قسمتی سے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ”اہل البیت“ کا خطاب ”نبی کی بیوی“ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سورہ ہود آیت ۷۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ مقدسہ کے ساتھ فرشتوں کا مکالمہ مذکور ہے جس میں فرشتوں نے ان کو ”اہل البیت“ کے لفظ سے خطاب کیا:

﴿قَالُوا أَتَتَجَنَّيْنَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾

عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ﴿

(سورہ ہود..... ۷۳)

ترجمہ: ”وہ فرشتے بولے (ہائیں) تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت (نبوت) تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ قاتل حمہ (وٹا) بزرگ ہے۔“ (ترجمہ فرہان علی)

چونکہ اس آیت کریمہ میں ”نبی کی بیوی“ کو فرشتوں نے ”اہل البیت“ کے لفظ سے خطاب کیا ہے، جس سے ہر قاری قرآن کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو گا کہ نبی

کی بیوی بھی اس کے ”اہل بیت“ میں شامل ہے اور یہ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ ان کے اہل بیت میں شامل ہے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے دے رہے ہیں) تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپؐ کے اہل بیت میں کیوں شامل نہ ہوں گی؟ آیت شریفہ کا یہ مفہوم اور یہ نتیجہ ایسا کھلا ہوا اور بدیہی ہے کہ کسی معمولی عقل و فہم کے آدمی کو بھی اس کے سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آسکتی، اور نہ اس میں کسی ادنیٰ تاویل کی گنجائش ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔ قرآن کریم کی یہ آیت ہی غلط ہے۔ چنانچہ مترجم نے اہل بیت نبویؐ کی عداوت سے مجبور ہو کر یہی راستہ اختیار کیا۔ مترجم صاحب لکھتے ہیں:

”اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہل بیت میں داخل کیا ہے۔ کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں (قبل کی آیت میں نہیں، بلکہ اسی آیت کے پہلے جملہ میں۔ ناقل) جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے، واحد مونث کے صیغہ میں۔ اور اس آیت میں ضمیر ”کم“ جمع مذکر ”حاضر“ کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں مختواخواہ داخل کر دی گئی ہے۔“ (صفحہ ۴۱۱)

گویا مصنف کو صاف صاف اقرار ہے کہ اگر قرآن کریم صحیح ہے اور ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے پاک ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی نص قطعی کی رو سے ”ازواج نبی“ بغیر کسی شک و شبہ کے اہل بیت میں شامل ہیں، اور اگر اس عقیدہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ قرآن کریم کو غلط کہا جائے (نعوذ باللہ من الکفر والشقاق)

موصوف کی عبارت سے جملہ یہ معلوم ہوا کہ وہ جس مسلک کے نقیب اور ترجمان ہیں وہ ڈنکے کی چوٹ پر قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ قرار دیتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہو اسے یہ بھی ایمان رکھنا ہو گا کہ

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں شامل ہیں۔ قرآن کریم نے انہی کو ”اہل بیت“ کا نام دیا ہے۔ اہل بیت (ازواج مطہرات) کی کرامت دیکھو کہ ان سے بغض و عداوت کے مریضوں کو اس کے سوا چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہہ کر دین و ایمان سے خارج ہوں اور اپنے کفر کا صاف صاف اعلان کرنے پر مجبور ہوں۔ گویا خدائے عزیز و ذوالنقام نے اہل بیت (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی کتاب عزیز کو پیش کر دیا کہ وہ اس آہنی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہیں۔

۳۔ سورۃ الم نشرح میں تحریف

سورۃ الم نشرح کی آیت ”فاذا فرغت فانصب“ میں لفظ ”فانصب“ صاد کے فتح کے ساتھ ہے، جس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:

”پھر جب تو فارغ ہو تو عنایت کر۔“

لیکن مترجم اس کو ”فانصب“ صاد کے کسرہ کے ساتھ قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”تو اب جب کہ تم (تبلیغ کے اکثر کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے۔“

اور حاشیہ میں اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں:

”خدا نے دوسرا احسان بتایا کہ تم پر جو نبوت اور احکام خدا پہنچانے کا بوجھ بہت بڑا تھا اس کو علی بن ابی طالب کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا۔ اور چونکہ اس حکم خدا یعنی حضرت علی کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسولؐ بہت مشکل کام سمجھتے تھے، اس بنا پر خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اسی طرح یہاں بھی یوں فرمایا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کر دو۔ اس کے بعد پھر خدا کی طرف رجوع کرو۔ یعنی موت کی تیاری کرو۔“

(صفحہ ۱۰۷)

یہ ترجمہ و تشریح اس پر مبنی ہے کہ لفظ ”فانصب“ کو صاد کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے حالانکہ قرآن کریم میں ”فانصب“ کا لفظ زیر کے ساتھ سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کریم میں تو ”فانصب“ صاد کے زیر کے ساتھ ہے۔ جناب نجم الحسن کراروی نے (جن کی نظر ثانی کے بعد یہ ترجمہ شائع ہوا ہے) اس پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے۔ جو بطور ضمیمہ آخر میں ملحق ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ صحیح لفظ ”فانصب“ صاد کے کسرہ سے ہے، فتح کے ساتھ غلط اور تحریف شدہ ہے اور یہ تحریف حجاج بن یوسف ثقفی نے کی تھی۔ کراروی لکھتے ہیں:

”یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اعراب حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے تھے۔ جس کا تعصب اظہر من الشمس ہے۔ بروایت مشکوٰۃ اس نے پانچ لاکھ انسان قتل کرائے تھے۔ تواریخ میں ہے کہ شیعان علی کا قتل اس کی حکومت کے نصب العین میں شامل تھا۔ قرآن مجید پر اعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ کار فرما تھا۔ حضرات ائمہ اہل بیت نے آیت ”فاذا فرغت فانصب“ کو بکسر صاد قرار دیا ہے۔“ (ضمیمہ..... صفحہ ۴)

قرآن مجید کے الفاظ کی تحریف کو ”ائمہ اہل بیت“ کی طرف منسوب کرنا کراروی صاحب اور مان کے ہم عقیدہ لوگوں کا خالص افتراء ہے اسی وجہ سے علامہ زمخشری صاحب کشاف کو اسے رافضیوں کی بدعت و اختراع قرار دینا پڑا۔ جیسا کہ کراروی صاحب نے زمخشری کی عبارت نقل کی ہے:

ومن البدع ما روی عن بعض الرافضة انه قرأ

”فانصب“ ”بکسر الصاد“ ”ای فانصب علیا للإمامۃ۔“

(ضمیمہ..... صفحہ ۴)

ترجمہ: ”اور من جملہ بدعات کے ہے وہ بات جو بعض رافضیوں نے نقل کی گئی ہے کہ فانصب، کو بہ کسر صاد پڑھ کر یہ مطلب لیا کہ علی کو امامت کے لئے مقرر کر دو۔“

کراروی صاحب علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تعجب ہے کہ انہوں (علامہ زمخشری) نے اعراب لگانے والے پر کوئی

اعتراض نہیں کیا۔ جس نے ”فانصب“ کے صاد کو مفتوح کر کے مقصود باری کو بدل دیا ہے اور اس پر اعتراض کرتے ہیں جس نے اسے مکسور قرار دے کر مقصود باری کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا ہے۔“
(ضمیمہ..... صفحہ ۶)

مترجم کے ترجمہ و تشریح اور کراروی صاحب کے طویل ضمیمہ سے یہ امور الم نشرح ہو گئے کہ:

- الف: شیعوں کے نزدیک ”فانصب“ بہ فتح صاد غلط ہے۔ یہ دراصل بکسر صاد تھا جسے تحریف کر کے بہ فتح صاد سے بدل دیا گیا۔
ب: یہ تحریف جلال بن یوسف کی کارستانی ہے۔
ج: اور اس تحریف سے مقصود ربانی کو بدل دیا گیا۔ اور آیت کا مطلب کچھ کا کچھ بن گیا۔

یہاں میرا مقصود کراروی صاحب کے نظریہ تحریف قرآن کو ذکر کر کے، صرف یہ دکھانا ہے کہ شیعہ، قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہتے ہیں، تاہم مناسب ہو گا کہ کراروی صاحب کے الزام تحریف کا جواب خود ان ہی کے ایک ہم مسلک بزرگ کے قلم سے ہو جائے۔ مشہور شیعہ عالم محمد جواد مغنیہ (جن کو اجتہادی صاحب نے ”آیت اللہ العظمیٰ“ کے وقیع خطاب سے یاد کیا ہے) کی تفسیر ”الکاشف“ میرے سامنے ہے وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وتجدر الإشارة إلى أن بعض المجاهدين للفتنة وبث

النمرات بين أهل المذاهب الإسلامية قد نسب إلى الشيعة

الإمامية أنهم يفسرون كلمة فانصب في الآية الكريمة

بالنصب عليا للخلافة ويكفي في الرد على هذا الافتراء

ما قاله صاحب مجمع البيان وهو من شيوخ المفسرين عند

الشيعة الإمامية قال عند تفسير هذه الآية ما نصه

بالحروف: ومعنی انصب من النصب وهو التعب لا تشتغل
بالراحة. (الکاشف..... صفحہ ۵۸۲، جلد ۲۔ طبع بیروت)

ترجمہ: ”یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ بعض کرائے کے ٹو جنہیں فتنہ انگیزی اور اسلامی مذاہب کے درمیان تشویش پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے شیعہ المیہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کے لفظ ”فانصب“ کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ علی کو خلافت کے لئے مقرر کر دو۔ اور اس افتراء کی تردید کے لئے صاحب مجمع البیان کا، جو شیعہ المیہ کے نزدیک شیوخ مفسرین میں سے ہے، قول نقل کر دینا کافی ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”انصب“ کا لفظ ”نصب“ سے ہے۔ جس کے معنی تعب و مشقت کے ہیں، یعنی راحت میں مشغول نہ ہو۔“

غور فرمائیے کہ کراروی صاحب تو ”فانصب“ بہ فتح صاد کو غلط قرار دینے پر چار پانچ صفحے سیارہ کرتے ہیں، اسے حجاج بن یوسف کی کارستانی بتا کر تحریف شدہ ثابت کرتے ہیں اور اس کے بجائے ”فانصب“ بکسر صاد کو صحیح بتاتے ہیں۔ لیکن ان کے ہم مسلک دوسرے صاحب ان کی اس بات کو افتراء و بہتان کہتے ہیں اور جو لوگ ایسی بات کریں انہیں ”فتنہ انگیز“ اور ”کرائے کے ٹو“ کہتے ہیں۔ گویا یہ بھی قرآن کریم کا معجزہ ہے اور حضرات اہل بیت کی کرامت ہے کہ جو لوگ پردہ تقیہ سے نکل کر اپنے عقیدہ تحریف قرآن کا کچھ کچھ اظہار کر دیتے ہیں خود انہی کے ہم مسلک لوگ (ازراہ تقیہ) ان کو ”فتنہ انگیز“ اور ”کرائے کے ٹو“ کہہ کر ان کی بات کو بہتان اور افتراء قرار دیتے ہیں۔ ”و کلمی اللہ المؤمنین القتال“ واقعی اس مسلک کے بزرگوں نے صحیح فرمایا تھا کہ:

۳۔ علی بن ابراہیم، عن ابيه، عن ابن ابي عمير، عن يونس بن عمار، عن سليمان ابن خالد قال: قال ابو عبد الله عليه السلام: يا سليمان إنكم على دين من كنتم أعزّه الله ومن أذاه اذله الله. (اصول کافی، باب الکتمان..... صفحہ ۲۲۲، جلد ۲)

ترجمہ: ”تحقیق تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو شخص اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔“

افسوس ہے کہ یہ حضرات ”امام“ کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے اصل عقائد کا اظہار کر کے یہاں تک ذلیل ہوتے ہیں کہ اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کی زبان سے ”فتنہ انگیز“ اور ”کرائے کے ٹٹو“ کا خطاب پاتے ہیں۔

تنبیہ: محمد جواد مغنیہ صاحب ”الکاشف“ کا یہ کہنا کہ ”فانصب“ کی یہ تشریح شیعہ امامیہ پر افتراء ہے صحیح نہیں، کیونکہ کراوی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں شیعوں کے امام المفسرین علی بن ابراہیم القمی (متوفی ۳۲۹ھ) سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔
قال إذا فرغت من حجة الوداع فانصب أمیر

المؤمنین علی بن ابی طالب.

(تفسیر قمی جلد ۲ ص ۴۳۹ طبع نجف اشرف ضمیمہ کراوی ص ۱۲)

ترجمہ: ”اے رسول تم اب جبکہ حجۃ الوداع سے فراغت کر چکے تو علی کے نصب خلافت کا اعلان کر دو۔“

شیعہ مفسرین میں ابن ابراہیم قمی چوتھی صدی کے ہیں اور علامہ کلینی مصنف ”الکافی“ کے استاد ہیں۔ جبکہ تفسیر مجمع البیان کے مصنف فضل بن حسن بن فضل طبرسی (متوفی ۵۲۸ھ) چھٹی صدی کے ہیں۔ اس لئے طبرسی کے حوالے سے یہ کہنا تو غلط ہے کہ یہ شیعہ امامیہ پر افتراء ہے، البتہ اگر موصوف یہ کہہ دیتے کہ یہ شیعہ امامیہ کا ائمہ پر افتراء ہے تو یہ واقعہ کی صحیح ترجمانی ہوتی۔

۴۔ تحریف شدہ قرآن کی تلاوت کرو۔ امام کا حکم

کراوی صاحب نے اپنے ضمیمہ میں ایک طرف تو ”فانصب“ بہ فتح صاد کو غلط اور تحریف شدہ ثابت کرنے پر پورا زور قلم صرف کر دیا ہے اور اس کے لئے بڑی تقطیع کے چار پانچ صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ لیکن بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ:

”لیکن ہم حکم امام کے مطابق اسی طرح تلاوت کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح موجودہ قرآن میں مرقوم ہے۔“ (صفحہ ۵)

”حکم امام“ سے موصوف کا اشارہ اصول کافی کی درج ذیل روایت کی طرف ہے:

۲۳۔ محمد بن یحییٰ، عن محمد بن الحسین، عن عبدالرحمن بن ابی ہاشم، عن سالم بن سلمۃ قال: قرأ رجل علی ابی عبد اللہ علیہ السلام وأنا أسمع حروفاً من القرآن لیس علی ما یقرؤها الناس، فقال أبو عبد اللہ علیہ السلام: کف عن هذه القراءة اقرأ كما یقرأ الناس حتی یقوم القائم فإذا قام القائم علیہ السلام قرأ کتاب اللہ عز وجل علی حدّ، وأخرج المصحف الذی کتبه علی علیہ السلام وقال: أخرجه علی علیہ السلام إلی الناس حین فرغ منو کتبه فقال لهم: هذا کتاب اللہ عز وجل كما أنزلہ اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقد جمعته من اللوحین فقالوا: هو ذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لا حاجة لنا فیہ، فقال أما واللہ ماترونه بعد یومکم هذا أبداً، إنما کان علی أن أخبرکم حین یجمعه لتقرؤوه. (اصول کافی..... صفحہ ۶۳۳، جلد ۲۔ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ: ”سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام جعفر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں، جسے لوگ پڑھتے ہیں۔ امام نے فرمایا! ابھی اس قرآن کے پڑھنے سے باز رہو۔ بلکہ اسی طرح پڑھو جس طرح لوگ پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مددی کا ظہور ہو، جب امام مددی کا ظہور ہوگا تو وہ کتاب اللہ کو اپنی حد پر پڑھیں گے۔“

اور امام نے وہ مصحف نکالا جس کو حضرت علیؑ نے لکھا تھا۔ اور فرمایا کہ حضرت علیؑ جب اس کی تکمیل سے فدا ہوئے تو اس کو صحابہؓ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ یہ کتب اللہ ہے جو ”ما انزل اللہ“ کے مطابق ہے۔ میں نے اس کو دو دفینوں کے درمیان جمع کر دیا ہے، ان لوگوں نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس جامع مصحف موجود ہے جس میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ سنو! اللہ کی قسم! آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھو گے، جب میں نے اس کو جمع کیا تھا تو میرا فرض تھا کہ تم

کو اس کی خبر کر دیتا تاکہ تم اس کو پڑھ لو۔ (سو میں نے فرض ادا کر دیا)۔“

کراروی صاحب کے اس فقرہ سے چند باتیں معلوم ہوتیں:

اول: ان کے نزدیک قرآن دو ہیں۔ ایک ”موجودہ قرآن“ جس پر ان کا ایمان نہیں، بلکہ وہ اسے قول امام کی بنا پر تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔ دوسرا اصلی قرآن جو ان کے نزدیک تحریف سے پاک ہے، مگر امام غائب کے ساتھ وہ بھی دنیا سے غائب ہے، گویا جو قرآن دنیا میں موجود ہے اس پر ان کا ایمان نہیں اور جس قرآن پر ان کا ایمان ہے وہ دنیا میں موجود نہیں۔

دوم: ان کے امام کے بقول موجودہ قرآن غلط اور تحریف شدہ ہے، اس کے باوجود اس کا پڑھنا فرض ہے۔ اس لئے کہ امام نے ان سے کہا ہے کہ غلط اور تحریف شدہ قرآن کو بس اسی طرح پڑھتے رہو۔

سوم: یہ ظاہر ہے کہ تحریف شدہ الفاظ کلام الہی نہیں ہو سکتے۔ اس کو کلام الہی کہنا اور کلام الہی کی حیثیت سے پڑھنا افتراء علی اللہ ہے۔ مگر کراروی صاحب کے بقول امام نے شیعوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ ہمارے خیال میں امام نے ایسا حکم کبھی نہ دیا ہوگا، بلکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے مقدس راویوں نے امام پر افتراء کیا ہے۔ ورنہ اگر ”امام“ اس کو تحریف شدہ سمجھتے تو اس کے پڑھنے کا حکم ہر گز نہ دیتے۔

چہلم: کراروی صاحب کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ”امام“ کی طرف منسوب روایات پر کتنا مضبوط ایمان رکھتے ہیں کہ ان روایات پر اعتماد کر کے قرآن متواتر کو نفوذ باللہ غلط اور تحریف شدہ مان لیتے ہیں اور انہی روایات کی بنا پر وہ ”امام“ کے ایسے مطیع فرمانبردار ہیں کہ امام کی طرف خواہ کیسی ہی مہمل اور خلاف عقل و شرع بات منسوب کی گئی ہو وہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر روایات کے مطابق امام حکم دے کہ قرآن کو غلط کہو (جو صریح کفر ہے) تو یہ اس کی تعمیل کے لئے حاضر۔ اور اگر امام کہے کہ قرآن کو غلط پڑھو (جو افتراء علی اللہ ہے) تو یہ اس کے لئے بھی ہر طرح تیار ہیں۔

شیعہ راویوں نے جو روایات گھڑ کر ”امام“ کی طرف منسوب کر دی ہیں کر راوی صاحب اور ان کے گروہ کو ان راویوں پر اور ان کی روایات پر ایسا ایمان ہے کہ ان کے بھروسے سے وہ قرآن کو غلط اور تحریف شدہ قرار دینا واجب سمجھتے ہیں۔ ان روایتوں سے انحراف ان کے نزدیک جائز نہیں۔

پہنچم: ان شیعہ روایات نے ”ائمہ“ کی جو تصویر پیش کی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ ”ائمہ ہدیٰ“ کی ہے؟ یا نعوذ باللہ ”ائمہ ضلالت“ کی؟ قرآن کریم کو غلط اور تحریف شدہ کہنا، پھر محرف قرآن کو پڑھنے کا حکم دینا کسی ”امام ہدیٰ“ کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر شیعہ روایات یہ کہتی ہیں کہ ”امام“ قرآن کریم کو غلط بھی کہتے تھے اور اس کے پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے۔ نعوذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۵۔ آیت ”وانالہ لحافظون“ میں تحریف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

(سورۃ النجم..... ۹)

ترجمہ: ”بے شک ہم نے ہی تو قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی تو اس کے

نہمبان ہیں۔“ (ترجمہ فرمان علی)

یہ آیت کریمہ مترجم (سید فرمان علی) کے عقیدہ تحریف قرآن کی جڑ کاٹ دیتی ہے، مگر چونکہ ان کو قرآن کریم کے بجائے امام کی طرف منسوب روایات تحریف پر ایمان ہے، اس لئے مترجم نے اس آیت کی ایسی تاویل کر ڈالی جس سے ان کے امام کے عقیدہ تحریف پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔

تب اس کی غمبانی کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد ہونے نہ دیں گے۔ پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو

تب بھی یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ محفوظ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے۔ کم سے کم اس میں تو شک ہی نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر لفظ کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس زمانے میں چھاپہ خانوں کی طرف سے روزانہ سیکڑوں ہزاروں اور اوراق قرآن کے برپا دئے جاتے ہیں۔ دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب مطلب یہ ہو گا کہ کفار کے شر سے خدا آپ کو محفوظ رکھے گا۔“ (حاشیہ..... صفحہ ۴۶۹)

مترجم (سید فرمان علی) کی اس تاویل سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ ان کے نزدیک حفاظت قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قرآن جو شرقاً و غرباً مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے لاکھوں حافظ ہر زمانے میں رہے ہیں، یہ ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، بلکہ حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک صحیح نسخہ دنیا میں موجود رہے گا۔

”ایک صحیح نسخہ“ سے ان کی مراد وہی نسخہ ہے جو امام غائب کے پاس ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کا ”صحیح نسخہ“ اپنے ساتھ لائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں گے۔

شیعہ روایات کے مطابق یہ ”صحیح نسخہ“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، مگر کسی نے اسے قبول ہی نہیں کیا، وہی ”صحیح نسخہ“ یکے بعد دیگرے اماموں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ امام غائب کے ساتھ وہ بھی غائب ہو گیا۔ جیسا کہ اصول کافی کے حوالے سے ابھی گزرا ہے۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

”پس بخواند قرآن را بخوے کہ حق تعالیٰ بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ساختہ بے آنکہ تغیر یافتہ باشد۔ چنانچہ در قرآن بآئے دیگر شد“

ترجمہ: ”پس امام مہدی قرآن کو اس طرح پڑھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ بغیر اس کے کہ اس

میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہو جبکہ دوسرے قرآنوں میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔“ (حق الیقین..... صفحہ ۳۵۸۔ مطبوعہ تہران ۱۳۵۳ھ)

دوم: مترجم صاف صاف لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس (قرآن مجید) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے ہیں۔“

مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جسے انصاف پسند غیر مسلم بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ جو شخص کتاب اللہ میں تغیر و تبدل تسلیم کرتا ہے وہ کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن کریم کو تحریف شدہ فرض کر لینے کے بعد نہ قرآن کریم کے کسی حرف پر اعتماد رہ جاتا ہے نہ دین اسلام کی کسی بات پر۔ چنانچہ اصول کافی کے محشی علامہ علی اکبر غفاری لکھتے ہیں:

لأنه لو كان تطرق التحريف والتغيير في الفاظ

القرآن لم يبق لنا اعتماد على شئ منه، اذ على هذا

يحتمل كل آية منه أن تكون محرفة ومغيرة وتكون على

خلاف ما أنزله الله فلا يكون القرآن حجة لنا، تنتفي

فائدته، وفائدة الأمر باتباعه والوصية به وعرض الأخبار

المتعارضة عليه

(حاشیہ اصول کافی ص ۶۳ ج ۲، مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ)

ترجمہ: ”کیونکہ اگر قرآن کے الفاظ میں تحریف اور تغیر و تبدل فرض کر لیا جائے تو ہمارے لئے اس کے کسی حرف پر بھی اعتماد نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں قرآن کریم کی ہر آیت میں یہ احتمال ہو گا کہ وہ محرف و مبدل اور مائل اللہ کے خلاف ہو، پس اندریں صورت قرآن ہمارے لئے حجت نہیں رہ جاتا۔ اس کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی پیروی کی تاکید و وصیت

اور متعارض روایات کو قرآن پر پیش کرنے کا اصول یہ سب باطل اور بیکار ہو جاتے ہیں۔“

لیکن مترجم کے نزدیک قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے بلکہ بہت سے تغیرات ہو چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد) مترجم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن میں کیا کیا تغیرات ہو چکے ہیں۔ صرف یہ کہا ہے کہ:

”کم از کم اس میں تو شک نہیں کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔“

موصوف کے اس عقیدہ کی تشریح و وضاحت ان کے مسلک کی کتابوں کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) درج ذیل تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔

- ۱۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ ساقط کر دیا گیا۔
- ۲۔ بہت سی باتیں اس میں اپنی طرف سے ملا دی گئیں۔
- ۳۔ اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔
- ۴۔ حروف تبدیل کر دیئے گئے۔
- ۵۔ سورتوں، آیتوں، بلکہ کلمات کی ترتیب بدل دی گئی۔

۶۔ آیت ہذا صراطِ علیٰ مستقیم میں تحریف

سورۃ الحجرات کے تیسرے رکوع میں ہے:

هَذَا صِرَاطٌ عَلَىٰ مُسْتَقِيمٍ (الحجرات۔ ۴۱) اس آیت کریمہ میں لفظ علیٰ (عین، لام اور یائے مشدد تینوں کے فتح کے ساتھ) ہے۔ سید فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے ”یہی راہ سیدھی ہے کہ مجھ تک (پہنچتی ہے)“ اس کے حاشیہ میں قرآن کریم کے ان الفاظ کو (نعوذ باللہ) غلط، بھونڈے اور خرابی کے حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ ترجمہ قرآن کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہے۔ لیکن اس میں علاوہ

بھونڈے معنی ہونے کے ایک بڑی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اس صورت میں ایک نیا جملہ محذوف ماننا پڑے گا۔
قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو غلط قرار دینے کے لئے مترجم ایک دوسری قرأت نقل کرتے ہیں:

”بعض قراء نے ”هَذَا صِرَاطٌ عَلٰیٰ مُسْتَقِيمٍ“ پڑھا ہے۔“
مترجم کے نزدیک یہ قرأت بھی غلط ہے کیونکہ:

”اس بنا پر عَلٰیٰ فَعِيل“ کے وزن پر بلند کے معنی میں ہو گا اور آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ بلند راستہ ہے حالانکہ یہ توجیہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے، نہ بلند ہونا۔“

قرآن مجید کی ان دونوں متواتر قراتوں کو غلط قرار دے کر مترجم اپنی طرف سے ایک نئی قرأت تصنیف کر کے اس کے ذریعہ قرآن کریم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

صِرَاطٌ عَلٰیٰ مُسْتَقِيمٍ کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ کوئی لفظی خرابی لازم ہے نہ معنوی۔ اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ”یہ عَلٰیٰ کی راہ سیدھی ہے۔“ اور اس میں خدا کی طرف سے حضرت علیؑ کے نام کی تصریح اور اعلان عام ہے کہ حضرت ہی کا دین سیدھا اور مستقیم ہے اور انہی کے پیرو جنت میں پہنچیں گے اور آپ کا شرف عظیم اور فخر جسیم ہے اور یہی تفاسیر اہل بیتؑ کا بھی منشا ہے۔“

(صفحہ ۴۷۳-۴۷۴)

واضح رہے کہ صِرَاطٌ عَلٰیٰ قرآن کریم کے الفاظ نہیں، بلکہ مترجم نے یہ لفظ خود تصنیف کر کے انہیں قرآن کریم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقام پر مترجم نے دو جرائم کا ارتکاب کیا ہے:

۱۔ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط قرار دینا اور اس کے لئے سوتیانہ الفاظ استعمال کرنا، جو کفر صریح ہے۔

۲۔ اپنے تصنیف کردہ الفاظ کو قرآن کریم میں داخل کر کے تحریف لفظی کا

ارتکاب کرتا۔

مترجم کی یہ تحریف ان کے اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم میں تحریف کردی گئی۔ قرآن کے اصل الفاظ ”صراط علی“ ہونے چاہئیں مگر تحریف کرنے والوں نے اس کی جگہ ”صراط علی“ لکھ دیا۔

ترجمہ فرمان علی کے اقتباسات کا خلاصہ

ترجمہ فرمان علی اور اس کے حواشی کے جو اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج بالکل ظاہر ہیں۔

۱۔ مترجم اور ان کے گروہ کے نزدیک یہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، بعینہ وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا بلکہ اس میں بہت سی تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔

۲۔ یہ تبدیلیاں خود غرض لوگوں نے ”کسی خاص غرض“ کی بنا پر کی ہیں۔

۳۔ ان تبدیلیوں سے مراد الہی کو بدل دیا گیا۔ اور نعوذ باللہ بھونڈے الفاظ قرآن میں داخل کر دیئے گئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک ”صحیح نسخہ“ اپنی اصلی حالت پر رہے گا۔

۵۔ اور یہ ”صحیح نسخہ“ حضرت علی نے مرتب کیا تھا جو یکے بعد دیگرے ائمہ کے پاس محفوظ چلا آتا تھا اور اب وہ ”صحیح نسخہ“ امام غائب کے پاس غار میں محفوظ ہے۔

۶۔ اس ”صحیح نسخہ“ کے علاوہ اب روئے زمین پر قرآن کریم کا کوئی ”صحیح نسخہ“ موجود نہیں۔ چنانچہ مترجم کے مندرجہ بالا اقتباسات میں قرآن کریم کے تمام موجودہ نسخوں کی غلطیاں اور تبدیلیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

کیا ان تمام تفصیلات کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے

شیعہ مجتہدین اور علماء کا قرآن کریم پر ایمان ہے؟ ہرگز نہیں.....!!!

قرآن کریم میں شیعہ کی باطنی تاویلات اور تحریف معنوی

شیعہ مذہب کا تمام تر مدار ان روایات پر ہے جو شیعہ راویوں نے ائمہ اطہار کے نام سے تصنیف کی ہیں۔ ان روایات میں جہاں بغیر کسی جھجک کے قرآن کریم کی تحریف لفظی کو ائمہ اطہار کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کا مختصر سا خاکہ گزشتہ مباحث میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں) وہاں بے شمار روایات ایسی بھی ائمہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں جن میں کلام الہی کو غیر مراد پر ڈھالا گیا ہے۔ اور پیٹ بھر کر قرآن کریم کی تحریف کی گئی ہے۔ اس تحریف کو ”بطن قرآن“ اور ”تاویل قرآن“ کا نام دیا گیا۔ اس ”تاویل قرآن“ کے ذریعہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں کسی قسم کی مدح و ثناء کو رہے ان کو ائمہ اور ان کے اتباع پر ڈھال دیا گیا۔ اور جہاں کہیں کفار و مشرکین کی مذمت و نکوہش بیان کی گئی ہے ان کو بلا تکلف خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ پر چسپاں کر دیا گیا۔

چنانچہ عقیدہ امامت کی تیسری بحث کے تیسرے عقیدہ کے ذیل میں، میں علامہ مجلسی کی کتاب بحار الانوار کتاب الامامة سے باب ۲۱ کا یہ عنوان نقل کر چکا ہوں :

الباب الواحد والعشرون

تأويل المؤمنين والایمان والمسلمين والاسلام بهم و بولایعهم
عليهم الصلاة والسلام ، والكفار والمشرکین والكفر والشرك
والجبت والطاغوت واللات والعزی والاصنام بأعدائهم و
مخالفیهم ، وفيه : ۱۰۰ - حدیث

(بحار الانوار صفحہ ۳۵۳ جلد ۲۳)

یعنی: ”قرآن کریم میں جہاں ایمان و اسلام اور مومنین و مسلمین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی ولایت ہے۔ اور جہاں کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ)۔“

علامہ مجلسی کے اس عنوان ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اہل ایمان کی مدح و ستائش کی گئی ہے اس سے مراد ائمہ اور ائمہ کی امامت و ولایت ہے۔ اور جہاں کہیں کافروں اور مشرکوں کا، منافقوں اور مرتدوں کا، ابلیس و شیطان کا، فرعون و ہامان کا، جبت و طاغوت کا، لات و عزری کا اور اصنام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہیں خلفائے راشدین اور اکابر صحابہؓ..... گویا پورا قرآن بس عقیدہ امامت کی مدح اور صحابہ کرامؓ کی مذمت میں ہے۔ دگر چچ۔

علامہ باقر مجلسی کے ایک نامور شاگرد جناب ملا ابوالحسن شریف ہیں۔ انہوں نے انباطنی روایات کو سامنے رکھ کر ”مرآة الانوار و مشکوٰۃ الاسرار“ کے نام سے ایک مبسوط کتب تالیف فرمائی، جو سید ہاشم بحرانی کی تفسیر ”البرہان“ کے مقدمہ کی حیثیت سے شائع ہوئی ہے، اس کی ابتدا ہی میں فرماتے ہیں:

مقدمة الكتاب

”اما بعد يقول العبد الضعيف الراجي لطف ربه اللطيف خادم كلام الله ابوالحسن الشريف حشره الله مع مواليه وجعل مستقبله خيرا من ماضيه، ان من اين الاشياء و اضهرها و اوضح الامور و اشهرها ان لكل آية من كلام الله المجيد و كل فقرة من كتاب الله الحميد ظهراً و بطناً و تفسيراً و تاويلاً، بل لكل واحدة منها كما يظهر من الاخبار المستفيضة سبعة بطون و سبعون بطناً، و قد دلت احاديث متكاثرة كادت ان تكون متواترة على ان بطونها و تاويلها بل كثيرا من تنزيلها و تفسيرها في فضل شان السادة الاطهار، و اظهار جلالة حال القادة الاخبار اعني النبي المختار و آله الائمة الابرار، عليهم صلوات الله الملك الغفار، بل الحق المتين و الصدق المين كما لا يخفى على البصير الخبير، باسرار كلام العليم القدير، المرتوى من عيون علوم امناء الحكيم الكبير ان اكثر آيات الفضل و الانعام و المدح و الاكرام بل كلها فيهم و في اوليائهم نزلت و ان جل فقرات التوبيخ و التشنيع و التهديد و التفطيع بل جملة ما في

مخالفیہم واعدائہم وردت، بل التحقیق الحقیق کما سیظہر عن قریب ان تمام القرآن انما انزل للارشاد الیہم والا اعلام بہم و بیان العلوم والاحکام لہم والامر باطاعتہم وترک مخالفتہم وان اللہ عزوجل جعل جملة بطن القرآن فی دعوة الامامة والولاية کما جعل جل ظہرہ فی دعوة التوحید والنبوة والرسالة۔“

(تفسیر مرآة الانوار صفحہ ۳)

اس طویل عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ :

”یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت کے لئے بلکہ اس کے ہر فقرہ کے لئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک تفسیر ہے اور ایک تاویل۔ بلکہ اخبار مستفیضہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ایک ایک فقرہ کی ۷۷-۷۷ تاویلیں ہیں۔ اور بہت سی احادیث، جو قریب قریب متواتر ہیں، اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کی تاویل، بلکہ بیشتر تزیل و تفسیر بھی اماموں کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فضل و انعام اور مدح و اکرام کی اکثر آیات بلکہ تمام کی تمام آیات صرف ائمہ اور ان کے اولیاء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور توبخ و تنفیذ اور تہدید و تفضیع کی بیشتر بلکہ تمام تر آیات ان کے مخالفین اور اعداء کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ کمال تحقیق یہ ہے کہ پورے کا پورا قرآن صرف ائمہ کی طرف رہنمائی کرنے، ان کا پتہ بتانے، ان کے علوم و احکام کو بیان کرنے، ان کی اطاعت کا حکم دینے اور ان کے مخالفین کو ترک کر دینے کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کا تمام بطن قرآن امامت و ولایت کی دعوت میں رکھا ہے۔ جیسا کہ ظاہر قرآن کا بیشتر حصہ توحید اور نبوت و رسالت کی دعوت میں رکھا ہے۔“

اسی کتب کے مقدمہ اولیٰ میں لکھتے ہیں :

”ان الاصل فی تنزیل القرآن بتاویلہا انما ہوا الارشاد الی ولاية النبی والائمة صلوات اللہ علیہم، واعلام عز شانہم، وذل حال شانہم، بحیث لاخیر خبر بہ الا وہو فیہم وفی اتباعہم، ولا سوء ذکر فیہ الا وہو

صادق علی اعدائهم وفی مخالفیہم - " (صفحہ ۴)
ترجمہ..... تاویل کی روشنی میں تنزیل قرآن کا اصل مقصد صرف نبی اور ائمہ
صلوات اللہ علیہم کی طرف رہنمائی کرنا، اور ان کی عزت شان اور ان کے
دشمنوں کی ذلیل حالت کو بتانا ہے اور بس۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خیر کی بھی خبر دی ہے وہ صرف ائمہ میں اور ان کے
پیروں میں پائی جاتی ہے۔ اور جس برائی کا بھی قرآن میں ذکر آیا ہے وہ ان
کے دشمنوں اور مخالفین (یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ) پر صادق
آتی ہے۔ "

گویا قرآن کریم کی ان باطنی تاویلات سے صرف ایک ہی مدعا ہے اور وہ یہ کہ
قرآن کریم کے بطن (پیٹ) سے ایسے معنی نکالے جائیں کہ پورا قرآن - عبد اللہ بن
سبا کے ایجاد کردہ - عقیدہ امامت و ولایت کا داعی اور نقیب بن جائے۔ اور اس کے
ذریعہ حضرات خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ کو خوب پیٹ بھر سب و شتم کیا جائے
اور دنیا بھر کے عیوب ان اکابر پر چسپاں کئے جائیں۔
رہا یہ کہ قرآن کریم کی اس باطنی تاویل کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟ اس کا
جواب دیتے ہوئے علامہ ابو الحسن شریف نے بڑی دلچسپ اور نفیس باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ
لکھتے ہیں:

اعلم ان الحق الذی لا یحیی عنہ بحسب الاخبار المتواترة الا تیه وغیرھا
ان هذا القرآن الذی فی ایدینا قد وقع فیہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم شیئی من التغییرات واسقط الہن جموعة بعدہ کثیرا من الکلمات
والآیات وان القرآن المحفوظ عما ذکر المواقف لما انزلہ اللہ تعالی
ما جمعه علی علیہ السلام وحفظہ الی ان وصل الی ابنہ الحسن علیہ السلام
وهكذا الی ان انتہی الی القائم علیہ السلام وهو الیوم عنده صلوات
اللہ علیہ ولهذا کما قد ورد صریحاً فی حدیث سند کرمہ لما ان کان
اللہ عزوجل قد سبق فی علمہ الکامل صدور تلك الافعال الشنیعة

من المفسدين في الدين وانهم بحيث كلما اطلعوا على تصريح بما يضرهم
ويزيلق شان على عليه السلام وذريته الطاهرين حاولوا اسقاط ذلك راسا
او تغييره بحرفين و كان في مشيته الكاملة ومن الطاقة الشاملة
محافظة او امر الاسامة والولاية وممارسة مظاهر فضائل النبي
صلى الله عليه وسلم والائمة بحيث تسلم عن تغيير اهل التضييع والتحريف
ويبقى لاهل الحق مفاد هامع بقاء التكليف لم يكف بما كان مصرحاً به
منهاني كتابه الشريف بل جعل جل بيانها بحسب البطون وعلى
نهج التاويل (مرآة الانوار صفحہ ۳۶)

ترجمہ..... ”جانتا چاہئے کہ وہ حقیقت، جس سے احادیث متواترہ کی رو سے
مجاہل انکار نہیں، یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کچھ تبدیلیاں کر دی گئیں۔ اور جن
لوگوں نے آپؐ کے بعد قرآن کو جمع کیا انہوں نے اس میں سے بہت سے
کلمات و آیات نکال دیں۔ اور جو قرآن کہ اس رد و بدل سے محفوظ رہا یہ وہ
قرآن تھا جو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا، آپؐ نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا
(کسی شیعہ اور غیر شیعہ کو اس کی ہوا تک لگنے نہ دی) یہاں تک کہ آپؐ
کے بعد آپؑ کے صاحب زادہ حضرت حسنؑ تک پہنچا، اسی طرح یکے بعد
دیگرے اماموں کو منتقل ہوتا ہوا امام غائب تک پہنچا۔ اور اب وہ ان کے پاس
ہے۔ ہم آگے چل کر صریح حدیث (حدیث زندیق) ذکر کریں گے
(جس میں بتایا گیا ہے کہ) چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں پہلے سے تھا کہ
دین کے بگاڑنے والوں (جائعین قرآن) سے ایسے افعال شیعہ سرزد ہوں
گے اور یہ کہ یہ مفسدین دشمنان دین جہاں ایسی تصریح دیکھیں گے جو ان
کے خلاف ہوگی اور علیؑ اور ان کی ذریت طاہرہ کی شان میں اضافہ کرے گی یہ
اس کو قرآن سے نکال دیں گے یا اس میں تبدیلی کر کے تحریف کر دیں
گے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کاملہ اور طاقت شملہ میں تھا امامت
ودولایت کے اوامر کو محفوظ رکھنا، اور نبی کریم اور ائمہ کے فضائل کے مظاہر کی
حفاظت کرنا، ایسے طور پر کہ وہ اہل تحریف کی دستبرد سے محفوظ رہیں، اور اہل

حق کے لئے ان کا مفاد مع بقائے تکلیف کے باقی رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب شریف میں ان امور کی تصریح پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس کا بیشتر مضمون قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا، اور اس کو نکالنے کے لئے تاویل کا راستہ مقرر کر دیا....."

موصوف کی یہ عبارت بڑے دلچسپ فوائد پر مشتمل ہے :

اول: حضرت علیؑ نے جو قرآن جمع کیا تھا، اور جو بغیر کسی رد و بدل کے مائزل اللہ کے مطابق تھا، وہ دنیا میں کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔ حضرت علیؑ سے گیارہویں امام تک وہ ہمیشہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ امام اس کی خود تلاوت فرماتے ہوں تو معلوم نہیں۔ ورنہ کسی سنی یا شیعہ کی اس تک رسائی نہ ہوئی۔ بارہویں امام، جب غار میں روپوش ہوئے تو اس "قرآن علی" کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ چنانچہ اب وہ ان کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور ایسا محفوظ کہ نہ دنیا کو اس کی ہوا لگے۔ نہ اس کو دنیا کی ہوا لگے۔

دوم: حضرات خلفاء راشدینؑ نے قرآن کریم کا جو نسخہ مرتب فرمایا تھا، وہ جب سے اب تک دنیا میں ایسا مشہور ہے کہ چار دانگ عالم میں اسی کا شہرہ ہے۔ کلام الہی کی حیثیت سے ہمیشہ اسی کی تلاوت کی جاتی رہی۔ ہر زمانے میں لاکھوں اور کروڑوں اسی کے حافظ رہے۔ وہ ہمیشہ پوری دنیا کے سامنے رہا۔ عام و خاص اسی سے استفادہ کرتے رہے۔ اسی کے الفاظ و معانی کی خدمت میں اہل علم نے عمریں صرف کر دیں، اور ہمیشہ اسی سے مسائل و احکام کا استنباط ہوتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ جو قرآن کہ مائزل اللہ کے مطابق تھا، موصوف کے بقول، وہ کبھی منصفہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوا۔ اور کبھی دنیا کو اس کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ اور جو قرآن جامعین قرآن نے مرتب کیا تھا، ماور جس میں اپنی خواہش کے مطابق پیٹ بھر کر رد و بدل کر دیا تھا خدا کی شان دیکھو! کہ آج تک دنیا میں اسی کا سکہ جاری ہے۔

سوم: اس قرآن میں امامت و ولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت اور ائمہ کی شان میں جتنی آیات نازل کی تھیں جامعین قرآن نے جن جن کر ان کو قرآن سے نکال دیا۔ یا ان میں ایسا رد و بدل کر ڈالا کہ قرآن کریم سے عقیدہ

امامت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ (شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک کوئی شخص بھی عقیدہ امامت و ولایت کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب سے پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی تھا، جس کو اس عقیدہ کا انکشاف ہوا، اور اس نے اس عقیدہ کی تبلیغ شروع کی) الغرض قرآن کریم کی کسی آیت میں عقیدہ ولایت و امامت کو تلاش کرنا کار عبث ہے۔

چہلارم: یہ تو ظاہر ہے کہ جب، موصوف کے بقول، جامعین قرآن نے قرآن میں رد و بدل کر کے (نعوذ باللہ) اس میں کفریہ مضامین بھر دیئے، اور امامت اور ائمہ سے متعلقہ مضامین اس میں سے نکال دیئے تو اس تحریف اور کتریتوں کے بعد یہ کتاب، کتاب ہدایت نہ رہی۔ بلکہ (نعوذ باللہ) یہ کتاب ضلالت بن گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتاب ہدایت کے طور پر نازل فرمایا تھا۔ اور اس کو رہتی دنیا تک دائم و قائم اور باقی رکھنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ، موصوف کے بقول، نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت کی حفاظت فرمائی، اور نہ اپنے دو ٹوک وعدہ کا ایفا فرمایا، نہ حضرت علیؑ کے معصوم اور مقدس ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب ہدایت کو دنیا میں رائج کرنے کا انتظام فرمایا، حتیٰ کہ حضرت علیؑ اپنے دور خلافت میں بھی اس کو منظر عام پر نہ لاسکے۔

موصوف، ائمہ کی طرف منسوب کی گئی متواتر (مگر خالص جھوٹی) احادیث کی روشنی میں جو نتیجہ لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس پر بشرط فہم و انصاف غور کیا جائے تو واضح ہو گا کہ ان روایات کے تصنیف کرنے والے نہ خدا کو مانتے تھے۔ نہ رسولؐ کو، نہ قرآن کو۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ کتاب ہدایت کو تو علیؑ اور اولاد علیؑ کے ہاتھوں دنیا سے گم کر دیا جائے، اور منافقوں کی جمع کی ہوئی کتاب ضلالت پوری دنیا میں رائج ہو جائے، یہاں تک کہ حضرت علیؑ اور ائمہ اطہر بھی اسی تحریف شدہ کتاب ضلالت کی ”تلاوت“ پر مجبور ہوں، علمائے شیعہ اسی کی تفاسیر لکھیں، اور شیعہ مومنین بھی اسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے پر مجبور ہوئے۔ کیا کوئی ادنیٰ عقل و فہم کا شخص جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اس شیعہ نظریہ کو قبول کر سکتا ہے؟ یا ایسا نظریہ رکھنے والوں کو مسلمان تسلیم کر سکتا ہے؟ کلا در ب الکعبہ۔

پہنچم: یہ تو پہلے معلوم ہو چکا کہ حضرت علیؑ سے لے کر آخری امام تک تمام ائمہ ہمیشہ روئے تقیہ میں روپوش رہے۔ حتیٰ کہ آخری امام تو شدت تقیہ کی وجہ سے روئے زمین ہی سے غائب ہو گئے۔ اوپر مولوی دلدار علیؑ کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کبار سے بہت تقیہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جو قرآن من جانب اللہ نازل ہوتا تھا وہ بھی تقیہ کے مارے ان حضرات کے سامنے نہیں پڑھتے تھے۔ اور اب جناب علامہ ابو الحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان حضرات سے بہت تقیہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر قرآن کریم کے ظاہری الفاظ میں امامت و ولایت کو بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا تو یہ حضرات ایسے الفاظ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطون قرآن (قرآن کے پیٹ) میں امامت و ولایت کو بھردیا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ سے تقیہ تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بھی اماموں کی طرح تقیہ کیا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کا اللہ تعالیٰ نے شیعوں کے دل میں کیسا رعب ڈالا ہے، کہ ان کے خیال میں علیؑ شیر خدا بھی ان سے ڈرتے تھے، بعد کے ائمہ معصومین بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ بھی..... لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ششم: جناب علامہ ابو الحسن شریف بتاتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو عقیدہ امامت و ولایت اور شان ائمہ کی حفاظت منظور تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ قرآن کے پیٹ میں ان مضامین کو بھر کر امامت و ولایت کو محفوظ کر دے، اس لئے اس نے یہی کیا کہ عقیدہ امامت کو قرآن کے پیٹ میں رکھ دیا۔ مگر شاید ابو الحسن شریف کے نزدیک ائمہ کی ولایت و امامت، اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم سے بڑھ کر عزیز تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو دشمنان دین کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کا تو انتظام نہ کر سکا، لیکن ائمہ کی ولایت و امامت کو قرآن کے پیٹ میں بھر کر اس کی حفاظت کا انتظام کر دیا۔

ہفتم: جناب ابو الحسن شریف کی مندرجہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کی

باطنی تاویلات بھی در حقیقت ان کے عقیدہ تحریف قرآن پر مبنی ہیں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی ہوتی، اور اس کو منافقوں اور بد دینوں کی دستبرد اور رد و بدل سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا ہوتا تو امامت کے مضامین کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس خطرہ کو محسوس کر لیا تھا کہ دشمنان دین اس کی کتاب مقدس کا حلیہ بگاڑ دیں گے لہذا اس نے مضامین ولایت کو قرآن کے پیٹ (بطن) میں بھر دینے کا انتظام فرما دیا، اور شیعہ راویوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ اماموں کے نام پر جھوٹی روایات تصنیف کر کے قرآن کے پیٹ میں سے ان مضامین کو (جو خالص کفر و زندقہ ہیں) اخذ کریں۔ سبکدہ بڑا بہتان عظیم۔

مندرجہ بالا فوائد سے معلوم ہوا کہ ان باطنی روایات کے تصنیف کرنے والے در حقیقت باطنی زندیق تھے۔ جو نہ خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے قائل تھے، نہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اطہار سے عقیدت و محبت تھی، نہ وہ دین اسلام کو برحق سمجھتے تھے۔ ولایت و امامت کے نعروں کی آڑ میں ان کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی دین اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا، اس کے لئے انہوں نے عقیدہ امامت و ولایت تصنیف کیا، اور پھر ائمہ اطہار کے نام پر حضرات صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کے لئے انہوں نے ہزاروں روایات گھڑ کر جامعین قرآن کے کافر و منافق اور دشمنان اہل بیت ہونے کے افسانے تراشے۔ دو ہزار سے زائد روایات اس مضمون کی گھڑ لیں کہ قرآن میں ان دشمنان دین نے تحریف کر ڈالی، اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی ان تمام مساعی مذمومہ کے باوجود نہ مسلمانوں کے ایمان بالقرآن میں تزلزل آیا، اور نہ اکابر صحابہؓ سے ان کی محبت و عقیدت میں کوئی فرق آیا، بلکہ مسلمانوں نے ان کے خود تراشیدہ افسانوں کو گزشتہ سمجھا تب انہوں نے قرآن کی ”باطنی تاویل“ کا راستہ اپنایا، اور اس کے لئے روایات کے دفاتر تصنیف کر ڈالے۔ گویا ”تاویل باطنی“ سے بھی در حقیقت عداوت قرآن کا اظہار مقصود تھا۔ کیونکہ جب قرآن کی باطنی تاویل کے ذریعہ یہ سمجھایا جائے کہ جامعین قرآن کافر تھے، منافق تھے، مرتد تھے، خدا و رسول کے دشمن تھے، تو ان کے ذریعہ جو قرآن امت کو پہنچا اس کا کیا اعتبار

رہا؟ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔

اب بطور مثال شیعوں کی اس ”باطنی تاویل“ کے چند نمونے پیش کرتا ہوں، جن سے واضح ہو گا کہ خالص کفریہ عقائد کو کس طرح قرآن کریم میں ٹھونسنے کی جسارت کی گئی ہے۔

”مرآة الانوار“ سے باطنی تاویل کے چند نمونے

جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں علامہ ابوالحسن شریف کی کتاب ”مرآة الانوار“ بطور خاص ”باطنی تاویل“ کے موضوع پر لکھی گئی ہے، اور موصوف نے شیعوں کی ان باطنی تاویلات کا خاصا ذخیرہ اس میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید قرآن کریم کی ایک آیت کو بھی نہیں چھوڑا گیا جس کے پیٹ (بطن) میں تاویل کا نشتر نہ لگایا ہو، اور اس سے باطنی معنی نہ نکالے گئے ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں:

”احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مقلات میں بطن قرآن کی رو سے اللہ

تعالیٰ کے پاک نام ”اللہ“ کا، الہ کا اور رب کا لفظ لام پر بولا گیا ہے۔“

(صفحہ ۵۷)

یعنی قرآن کریم میں کئی آیات میں جہاں ”اللہ“ ”الہ“ اور ”رب“ کا لفظ آیا ہے اس سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ اور اس کے ذیل میں موصوف نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

..... وقال اللہ لاتتخذوا الہین ائینین، انما ہوالہ واحد

(سورۃ النحل: ۵۱)

ترجمہ: ”اور کہا اللہ نے، مت پکڑ معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے۔“

(ترجمہ شیخ السنہ)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو امام نہ بناؤ، امام تو بس ایک ہی ہے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۷)

گویا اس آیت میں ”معبود“ سے امام مراد ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۲..... اَللّٰهُ مَعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُ هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

(سورۃ النمل: ۶۱)

ترجمہ: ”کیا کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ کوئی نہیں، بہتوں کو ان میں

سمجھ نہیں“ (ترجمہ شیخ الحداد)

آیت سے مراد یہ ہے کہ کیا ایک وقت میں امام ہدایت کے ساتھ امام ضلالت ہو سکتا ہے؟

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۷)

گویا اللہ سے امام مراد ہے۔

۳..... وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

(البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: ”اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی

محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی“ (ترجمہ شیخ الحداد)

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے امام برحق کو چھوڑ کر فلاں اور فلاں (ابو بکرؓ و عمرؓ) کو امام بنالیا۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

یعنی آیت میں اللہ سے مراد علیؓ ہیں، انداد سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں، اور اناس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں، جنہوں نے حضرت علیؓ کے بجائے حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کو خلیفہ بنا لیا۔ (نعوذ باللہ)۔

۴..... هٰنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ

(الکہف: ۴۴)

ترجمہ: ”وہاں سب اعتقاد ہے اللہ کے حق کا“

(ترجمہ شیخ الحداد)

آیت میں ولایت سے ولایت علیؓ مراد ہے

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

یعنی آیت میں ”اللہ برحق“ حضرت علیؓ کو کہا گیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

۵..... وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا - (الکہف: ۱۱۰)

ترجمہ: ”اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

یعنی ولایت آل محمدؐ کے ساتھ دوسروں کو امام نہ بنائے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۵۸)

گویا ”اپنے رب“ سے مراد ”امام“ ہے۔ عبادت سے مراد ہے ان کی ولایت، اور بندگی میں شریک کرنے کا مطلب ہے کسی اور کو امام بنانا۔

۶..... وسقا ہم ربہم شراباً طہوراً (الدہر: ۲۱)

ترجمہ: ”اور پلائے گا ان کو ان کا رب، شراب جو پاک کرے دل کو۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

یہاں ”ان کے رب“ سے حضرت علیؑ مراد ہیں یعنی علیؑ شراب پلائیں گے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

۷..... وکان الکافر علی ربہ ظہیراً (الفرقان: ۵۵)

ترجمہ: ”اور کافر ہے اپنے رب کی طرف سے پیٹھے پھیر رہا۔“

(ترجمہ شیخ الحداد)

آیت میں ”اپنے رب“ سے حضرت علیؑ مراد ہیں۔ اور ”کافر“ سے مراد وہ لوگ جنہوں نے علیؑ کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ (مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

۸..... قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم يرد الى ربه فيعذبه عذاباً نكراً (الکف: ۸۷)

ترجمہ: ”بولو (یعنی ذوالقرنین) جو کوئی ہو گا بے انصاف! سو ہم اس کو سزا

دیں گے، پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس، وہ عذاب دے گا اس کو بڑا

عذاب۔“

”اپنے رب“ سے مراد علیؑ ہیں (نعوذ باللہ) یعنی علیؑ اس کو عذاب دیں

(مرآة الانوار صفحہ ۵۹)

گے۔

۹..... وانا لما سمعنا الهدىٰ امنا به فمن يومن بربه فلا يخاف بخساً ولا رهقاً

(الحج: ۱۳)

ترجمہ: ”اور یہ کہ جب ہم نے سن لی راہ کی بات تو ہم نے اس کو مان لیا، سو

جو کوئی یقین لائے گا اپنے رب پر سو وہ نہ ڈرے گا نقصان سے، نہ زبردستی

سے۔“ (ترجمہ شیخ الحداد)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم مولا علیؑ پر ایمان لائے۔ سو جو کوئی اپنے مولا علیؑ کی ولایت

پر ایمان لائے اس کو کسی نقصان اور زبردستی کا اندیشہ نہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۸)

گویا اس آیت میں بھی ”اپنے رب“ سے حضرت علیؓ مراد ہیں اور ”ہم اپنے رب پر ایمان لائے“ سے مراد ہے حضرت علیؓ پر ایمان لانا۔ نعوذ باللہ۔

۱۰..... وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً (الحج: ۱۸)

ترجمہ: ”اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، سومت پکارو اللہ کے

ساتھ کسی کو۔“ (ترجمہ شیخ الندّ)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ امام، آل محمدؐ سے ہے، لہذا کسی اور کو امام نہ بناؤ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۷۶)

گویا یہاں ”اللہ“ سے مراد امام ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

۱۱..... انهم اتخذوا الشياطين اولياء من دون الله۔

(الاعراف: ۳۰)

ترجمہ: ”انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

یعنی انہوں نے امام برحق کو چھوڑ کر دوسروں کو امام بنالیا۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۰۴)

گویا آیت شریفہ میں ”اللہ“ سے مراد ہے امام برحق، اور شیاطین سے مراد ہیں

ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (نعوذ باللہ)۔

۱۲..... الذين يحملون العرش ومن حوله۔

(المومن: ۷)

ترجمہ: ”جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

عرش سے مراد علم الہی ہے۔ اور عرش کے اٹھانے والے امام ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۰)

(المرسلات: ۴۸)

۱۳..... واذا قيل لهم اركعوا لا يركعون

ترجمہ: ”اور جب کہیے ان کو کہ جھک جاؤ، نہیں جھکتے۔“

(ترجمہ شیخ الندّ)

یعنی جب ان سے کہا جائے کہ علیؑ کو امام بناؤ تو نہیں بناتے۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۱)

۱۴..... انا لما طغا الماء حملناكم في الجارية

(الحاقة: ۱۱)

ترجمہ: ”ہم نے، جس وقت پانی ابلا، لا دیا تم کو چلتی کشتی میں۔“

(ترجمہ شیخ الہند)

”چلتی کشتی“ سے امیر المومنینؑ اور ان کے اصحاب مراد ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۱۱۹)

۱۵..... فكاين من قرية اهلكنا هاوهى ظالمة فهى خاوية على عروشها، وبئر معطلة وقصر مشيد

(الحج: ۴۳)

ترجمہ: ”سو کتنی ہی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں، اور وہ گنہگار تھیں، اب

وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور کتنے کنوئیں نکلتے پڑے، اور کتنے محل کچ

کاری کے۔“

یہاں بئر معطلہ (کتنے کنوئیں نکلتے پڑے) سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۳)

حضرت علیؑ سے نادان کی دوستی کا کیا اچھا مظاہرہ ہے!

۱۶..... وفي اموالهم حق للسائل والمحروم

(الذاریات: ۱۱)

ترجمہ: ”اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے

کا“

سائل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور محروم حضرت علیؑ ہیں (نعوذ

باللہ)۔

۱۷..... واذا وقع القول عليهم اخرجنا لهم دابة من الارض (النمل: ۸۵)

ترجمہ: ”اور جب پڑچکے گی ان پر بات، نکلیں گے ہم ان کے آگے ایک

جانور زمین سے۔“

یہاں ”زمین کے جانور“ سے مراد حضرت علیؑ ہیں (نعوذ باللہ استغفر اللہ)

(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۶)

۱۸..... وانزلنا اليكم نوراً مبيناً (الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: "اور آداری ہم نے تم پر روشنی واضح" (ترجمہ شیخ الہند)

آیت میں "نور مبین" سے مراد علیؑ ہیں، اسی طرح جن جن آیات میں "نور" کا لفظ آیا ہے۔ اس سے "امام" یا "ولایت امام" مراد ہے۔ مثلاً:

الف: ويجعل له لكم نوراً تمشون به (الحديد: ۲۸)

ترجمہ: "اور رکھ دے گا تم میں روشنی، جس کو لئے پھرو۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی تمہارے لئے امام بنا دے گا جس کی تم اقتدا کرو گے۔

ب: ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور (النور: ۳۰)

ترجمہ: "اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی، اس کے واسطے کہیں روشنی

نہیں۔" (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی جس کا کوئی امام نہیں اس کے لئے قیامت کے دن کوئی امام نہیں ہو گا جس کی روشنی میں چلے۔

ج: نور هم يسعي بين ايديهم وبأيمانهم (التحریم: ۸)

ترجمہ: "ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے دابھے۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

یہاں نور سے مراد ائمہ ہیں، جو قیامت کے دن مومنین کے آگے اور دائیں چلیں گے۔

د: واتبعوا النور الذي انزل معه (الاعراف: ۵۷)

ترجمہ: "اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس (نبیؐ) کے ساتھ اترا۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

یہاں بھی نور سے مراد علیؑ ہیں۔

الغرض ایسی تمام آیات جن میں نور کا لفظ آیا ہے اس سے "امام" اور

(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۵)

"ولایت امام" مراد ہے۔

۱۹..... فيها انهار من ماء غير آسن، وانهار من لبن لم يتغير طعمه، وانهار

من خمر لذة للشاربين وانهار من غسل مصطفى

(سورۃ محمد: ۱۵)

ترجمہ: ”اس میں نمرس ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا، اور نمرس ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا، اور نمرس ہیں شراب کی، جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے، اور نمرس ہیں شد کی، جھاگ اترا ہوا۔“

(ترجمہ شیخ النذ)

ان تمام نہروں سے ”امام“ مراد ہے۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۵)

۲۰..... وما جعلنا اصحاب النار الا ملأناکة (الدثر: ۳۱)

ترجمہ: ”اور ہم نے جہنم کا جمہان تو بس فرشتوں کو بنایا ہے۔“

(ترجمہ فرمان علی)

یہاں ”النار“ (جہنم) سے مراد امام قائم ہے، ”اصحاب النار“ سے مراد شیعہ ہیں، اور فرشتوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم آل محمد کے مالک ہیں۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۴)

یہ چند مثالیں شیعوں کی باطنی تاویلات کے دریائے موج میں سے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کو کس بے دردی کے ساتھ مذموم عقائد پر ڈھالنے کی کوشش کی گئی، اور آیات کے سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کس طرح قرآن کے معنی و مفہوم کو مسخ کیا گیا ہے۔

شیعوں کی ”باطنی تاویل“ کی تصویر نامکمل رہے گی اگر یہ نہ دکھایا جائے کہ قرآن کی باطنی تاویل کی آڑ میں خلفائے راشدین اور حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے خلاف کس طرح زہر اگلا گیا ہے؟ اس لئے چند نمونے اس کے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

۱..... سورۃ البینہ کی آیت ۶ میں کفار و مشرکین کا ذکر ہے۔ جس کے آخر میں ان کو ”شر البریۃ“ (بدترین خلاق) فرمایا گیا ہے۔ شیعوں کی باطنی تاویل میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مصداق اعدائے علیؑ اور غاصبین خلافت ہیں۔ (یعنی بزعیم شیعہ خلفائے

راشدینؓ اور حضرات مہاجرین و انصارؓ مراد ہیں) کیونکہ یہ سب مرتد ہو گئے تھے، اور ان کا یہ فعل (حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ بنانا) تمام کفار و مشرکین کے اعمال و افعال سے بدتر تھا۔ اس لئے یہ حضرات کفر میں تمام کفار سے بدتر تھے۔ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔
(مرآة الانوار صفحہ ۱۹۸)

۲..... قرآن کریم میں جہاں خمر، خنزیر اور لحم خنزیر کا ذکر آیا ہے باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد اعدائے ائمہ ہیں یعنی، نعوذ باللہ، حضرات خلفائے راشدینؓ اور مہاجرین و انصارؓ۔
(مرآة الانوار صفحہ ۱۳۸)

۳..... قرآن کریم میں جہاں شیطان، ابلیس، فرعون، ہامان کا ذکر آیا ہے، باطنی تاویل کی رو سے، اس سے مراد خلفائے راشدینؓ ہیں، خصوصاً خلیفہ ثانیؓ، کہ شیعہ عقیدے کے مطابق وہ ابلیس الابالہ اور فرعون الفراعنہ تھے۔ نعوذ باللہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۹۸-۲۰۳-۲۶۳-۳۴۱)

۴..... قرآن کریم میں جہاں کہیں زنا، فاحشہ، فواحش، منکر، بخی، میسر، انصاب، ازلام، اوٹان، جبت و طاغوت، میتہ، دم اور لحم خنزیر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے ائمہ جور، یعنی خلفائے راشدینؓ۔ نعوذ باللہ۔
(مرآة الانوار صفحہ ۲۵۸)

۵..... قرآن کریم میں جہاں رات کے چھا جانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قبض کیا جانا اور دشمنوں کا خلافت پر مسلط ہو جانا۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۹۵)

۶..... قرآن کریم میں جہاں ظلمت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے ائمہ کے دشمن، یعنی خلفائے راشدینؓ (ابو بکرؓ و عمرؓ) اور معاویہ، یزید اور بنو امیہ۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۲۸)

۷..... قرآن کریم میں ظلم اور ظالموں کا ذکر آیا ہے۔ باطنی تاویل کی رو سے اس سے مراد ہے خلیفہ اول، خلیفہ ثانی، بنو امیہ اور قاتلین حسینؓ اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال۔
(مرآة الانوار صفحہ ۲۲۸)

۸..... قرآن کریم میں جہاں کفر اور کافروں کا ذکر آیا ہے اس کی تاویل ہے رؤساء مخالفین، خصوصاً خلفائے ثلاثہؓ۔ کیونکہ ان کا کفر و انکار سب سے بڑھ کر تھا۔ اور امام سابقہ کے کفر کا جو ذکر قرآن میں آیا ہے وہ بھی از روئے تاویل، انکار ولایت کی وجہ سے تھا۔
(مرآة الانوار صفحہ ۲۸)

۹..... قرآن کریم میں جہاں انداد کا ذکر آیا ہے (جن کو کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا) اس سے مراد خلیفہ اولؓ و ثانیؓ ہیں، اور ان کو خلیفہ بنانے والے مشرک ہیں۔
(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۰)

۱۰..... قرآن کریم میں جہاں نفاق اور منافقین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے مخالفین اور ان کے رؤسا (یعنی حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم)۔

(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۹)

۱۱..... قرآن کریم میں جہاں مرتدین کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ہے فلاں اور فلاں اور فلاں (یعنی خلفائے راشدینؓ) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ولایت علیؓ کا انکار کر کے ایمان سے نکل گئے۔
(مرآة الانوار صفحہ ۱۵۸)

۱۲..... قرآن کریم میں آٹھ جگہ گوسالہ، سامری کا ذکر ہے، جس کی بنو اسرائیل نے پرستش کی تھی، باطنی تاویل کی رو سے عجل (گوسالہ) سے مراد ہیں ابو بکر۔ سامری سے مراد ہیں حضرت عمرؓ، اور گوسالہ کے پجاریوں سے مراد ہیں حضرات مہاجرین و انصارؓ جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی (نعوذ باللہ)۔

(مرآة الانوار صفحہ ۲۳۹)

۱۳..... قرآن کریم کی ایک آیت میں اس عورت کی مثال بیان ہوئی ہے جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالتی تھی۔ (النحل: ۹۲) اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جنہوں نے اپنے ایمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا (نعوذ باللہ من السفوات والہذیان)۔
(مرآة الانوار صفحہ ۳۱۸)

ان چند مثالوں سے واضح ہوا ہو گا کہ ”تاویل باطنی“ کی آڑ میں کیسی کیسی خرافات و کفریات کو قرآن کریم میں ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کس طرح حضرات

خلفائے راشدین اور مهاجرین و انصارؓ کو کافرو بے ایمان کہہ کر ان کے ذریعہ ملنے والے قرآن اور دین اسلام کی ایک چیز کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ شیعوں کی تمام تفاسیر (مثلاً تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر البرہان وغیرہ) اس قسم کی روایات سے بھری پڑی ہیں، لیکن اردو تراجم و تفسیر میں ان کا اظہار بہت کم ہوتا ہے تاکہ عام اہل سنت کو شیعوں کے ”باطن“ پر اطلاع نہ ہو، تاہم اردو تراجم میں بھی ایسی تاویلات کے نمونے سامنے آجاتے ہیں۔ مناسب ہو گا کہ چند مثالیں ترجمہ مقبول سے بھی پیش کر دی جائیں۔

ترجمہ مقبول سے تاویل باطنی کی چند مثالیں

- ۱۔ سورۃ فاتحہ آیت: ۶..... لیک روایت میں آیا ہے ”الصراط المستقیم“ سے ہم (ائمہ) مراد ہیں۔ قتل مترجم الصراط المستقیم بظاہر تعداد میں چودہ حروف ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ چودہ کا جو راستہ ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ (صفحہ ۲)
- ۲۔ سورۃ البقرہ آیت: ۱..... ذالک الکتاب..... تفسیر عیاشی میں ہے، جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں اور کتاب کا اطلاق انسان کامل پر کرنا اہل اللہ اور خواص اولیاء کے محلوں میں داخل ہے۔ (صفحہ ۳)
- ۳۔ سورۃ البقرہ آیت: ۸..... ومن الناس..... اس سے مراد ہیں ابن ابی اور اس کے اصحاب یا اول و ثانی اور منافقین میں سے جو ان کے ہم سر ہیں۔ (شیعہ اصطلاح میں اول و ثانی سے مراد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہوا کرتے ہیں)۔ (صفحہ ۴)
- ۴۔ سورۃ النساء آیت: ۱۵۱..... للکفرین..... تفسیر قمی میں ہے کہ یہاں کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کا اقرار کیا اور جناب امیر المومنین کا انکار۔

۵۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۷..... فی سبیل اللہ..... معانی الاخبذ و تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ سبیل اللہ سے مراد علی

اور ائمہ اولاد علی ہیں، جو شخص ان کی دوستی میں قتل ہو جائے وہ راہ خدا میں قتل ہوا اور جو شخص ان کی دوستی میں مرجائے تو وہ راہ خدا میں مرا۔ (ترجمہ مقبول صفحہ ۱۳۸)

۶۔ سورۃ التوبہ آیت: ۴۰..... لا تحزن ان اللہ معنا..... ”کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا غار میں جناب ابو بکر سے فرما رہے تھے چپ رہ بے شک اللہ میرے اور علی کے ساتھ ہے۔“ (صفحہ ۳۸۴)

نیز سورۃ التوبہ آیت: ۴۰..... کلمۃ الذین کفروا السفلی..... ”تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو بڑے میاں کرتے تھے۔ تفسیر قمی میں بھی یہی ہے۔“ (”بڑے میاں“ سے مراد ہیں نعوذ باللہ۔ ابو بکر صدیقؓ ناقل)

۷۔ سورۃ الرعد آیت: ۲۸..... الذین آمنوا وتطمئن قلوبہم بذكر اللہ..... ”تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت میں الذین آمنوا توشیعہ ہیں اور ذکر اللہ امیر المومنین اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔“ (صفحہ ۵۰۲)

۸۔ سورۃ ابراہیم آیت: ۲۲..... وقال الشیطن..... ”تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں وقال الشیطن آیا ہے وہیں ٹائی مراد ہے۔“ (اور ”ٹائی“ سے مراد ہیں۔ نعوذ باللہ۔ حضرت عمرؓ ناقل)

۹۔ سورۃ نحل آیت: ۸۳..... یعرفون نعمت اللہ..... ”کافی میں امام جعفر صادق سے بروایت اپنے آباء و اجداد کے منقول ہے کہ جب آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وہم راکعون (مائدہ ۵۵) نازل ہوئی تو اصحاب رسول خدا میں سے کچھ لوگ مسجد مدینہ میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے کہ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس پر انہی میں سے ایک بولا کہ اگر اس آیت کا ہم انکار کرتے ہیں، تو سارے ہی قرآن کے ہم منکر ٹھہرتے ہیں۔ اور اگر ایمان لاتے ہیں تو یہ ذلت ہے کہ اس حالت میں ابوطالب کا بیٹا

ہم پر مسلط ہو گا۔ اس پر اوروں نے کہا کہ یہ تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ محمد اپنے قول میں سچا ہے لیکن نہ ہم کبھی اس کے دوستدار بنیں گے اور نہ کبھی علی کی اطاعت کریں گے۔ خواہ وہ اس بارے میں ہم کو کچھ ہی حکم دیا کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی۔“ (کافی..... صفحہ ۵۴۹)

۱۰۔ سورہ نحل آیت: ۸۸ الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ..... ”تفسیر فی میں ہے کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں ہے۔ جو بعد جناب رسول خدا کافر ہو گئے تھے، اور راہ خدا سے یعنی حضرت امیر المومنین علی ابن طالب کی اطاعت سے خود بھی باز رہے تھے اور دوسروں کو بھی روکا کرتے تھے۔“ (صفحہ ۵۵۰)

۱۱۔ سورہ طہ آیت ۱۲۳..... من اعرض عن ذکری..... ”کافی میں ہے خدا تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں منقول ہے کہ ذکری سے مراد ولایت علی بن ابی طالب ہے۔“ (صفحہ ۶۳۸)

۱۲۔ اب ایک حوالہ تفسیر فی کا بھی ملاحظہ فرمائیے:

سورہ بقرہ: آیت ۲۶ ان اللہ لا یستحیٰ ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقہا: ”امام ابو عبد اللہ (جعفر صادق) سے مروی ہے کہ یہ مثل اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کے لئے بیان فرمائی ہے۔ پس پھر سے مراد (نمود باللہ) امیر المومنین (حضرت علی) ہیں اور ما فوقہا (یعنی پھر سے بھی حقیر) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“ (تفسیر فی..... صفحہ ۳۵، جلد ۱)

ان چند مثالوں سے اندازہ فرمائیے کہ یہ حضرات ائمہ کے نام سے روایات تصنیف کر کے قرآن کریم پر کیسی مشق تحریف کرتے تھے؟

ہمیں یقین ہے کہ یہ باطنی تاویل کی تمام خانہ ساز روایات شیعہ راویوں نے تصنیف کر کے ائمہ اطہار کے نام منسوب کر دی ہیں، جس سے مقصود قرآن کریم کے حسین چہرے کو مسخ کرنا تھا۔ ان مقبولان الہی کا دامن ان خرافاتی روایات سے یکسر پاک ہے۔ لیکن شیعہ حضرات ان خرافاتی روایات کو ”علوم ائمہ“ اور ”علوم اہل بیت“ کا نام دیتے ہیں، اور فخریہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ان روایات

کی روشنی میں کی جائے۔ چنانچہ جناب سید نجم الحسن کراروی ”ترجمہ فرمان علی“ کے شروع میں ”سرلفظ“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہمارے اصول کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ حضرات محمدؐ و آل محمدؑ کی تفسیر اور ان کے ارشادات کے تابع ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ترجمہ جو ارشادات و توضیحات حضرات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں نہ کیا گیا ہو وہ تفسیر بارائے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلم فرماتے ہیں: ”من فسر برآیہ آیۃ من کتاب اللہ فقد کفر“ جس نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی ایک آیت کی بھی تفسیر کی وہ کافر ہو گیا۔

(وسائل الشیعہ صفحہ ۷۶ بحوالہ تفسیر عیاشی۔ ترجمہ فرمان علی ص ۱)
اس طرز فکر پر سوائے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھنے کے کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔

جناب اجتہادی صاحب کے چند لطائف

شیعوں کے عقیدہ تحریف کی بحث خاصی طویل ہو گئی۔ تاہم بے انصافی ہوگی اگر آنجناب کی تحریر کے ”چند لطائف“ سے ہم لطف اندوز نہ ہوں۔ اس لئے پہلے آنجناب کی پوری عبارت درج کرتا ہوں بعد ازاں اس کے لطائف ذکر کروں گا۔ آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔ البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس بارے میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے میں اس پر اعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔ تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ”الافتان“ پڑھ کر کوئی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ رہا تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات تو یہ امر آپ جیسے عالم پر مخفی نہیں ہو گا کہ ”الافتان“ اور ”البربان“ وغیرہ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں اسی طرح شیعہ کتبوں میں بھی ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔ لیکن جس طرح علمائے اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خدج

از اسلام ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک بھی ایسا ملعون خارج از دین ہے۔ ہم اسی قرآن مجید کو اصلی اور الہامی قرآن تسلیم کرتے ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا جائل نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں علمائے امامیہ نے جو تفاسیر لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے، سب اسی قرآن کی تفاسیر ہیں۔ اور ان تفاسیر میں جو متن قرآنی موجود ہے وہ وہی ہے جو ہمارے یہاں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ اس قرآن کے سوا کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفاسیر لکھنے میں عمریں کیوں بسر کر دیتے، جن کو وہ ماننے ہی نہیں تھے؟ اسی طرح قرآن مجید کے اردو اور انگریزی ترجموں کا محل ہے آپ کوئی بھی ترجمہ اشکار دیکھ لیں متن قرآنی وہی نظر آئے گا جو تلاوت کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ آپ کے دعوے کے مطابق کسی دوسرے قرآن کو مانتے تو اس کی تفاسیر بھی موجود ہوتیں اور ترجمے بھی، جبکہ ایک سطر بھی ایسی نہیں دکھائی جاسکتی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علمائے اہل سنت کا ہے۔ ایک امر کی طرف آپ کی توجہ اور مبذول کروادوں۔ وہ یہ کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر المنثور میں ۱۱۴ سورتوں کی بجائے ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر دی ہے یعنی دو اضافی سورتیں درج کی ہیں جو کھلی ہوئی تحریف ہے، جبکہ علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے۔

اب مندرجہ بالا غیلت کے ”لطائف“ ملاحظہ فرمائیے :

پہلا لطیف :

”یہ قرآن علیٰ حالہ آنحضرتؐ کے زمانے سے آج تک بلا تغیر و تبدل چلا آ رہا ہے۔“

گزشتہ مباحث سے عیاں ہے کہ آنجناب کا یہ دعویٰ خالص تفسیر اور کتمان ہے۔ کیا آپ اپنے اس دعویٰ پر کوئی عقلی دلیل اصول شیعہ کے مطابق پیش کر سکتے ہیں؟ کیا اس پر ”امام معصوم“ کا کوئی صریح قول پیش کر سکتے ہیں؟ کیا آپ ائمہ

کی دو ہزار سے زائد روایات متواترہ و مستفیضہ کی کوئی تاویل کر سکتے ہیں؟ جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ ظالموں نے قرآن میں تحریف کر کے اسے بدل ڈالا۔
دوسرا لطیفہ:

”بلکہ ہمارا عقیدہ تو اس باب میں یہ ہے کہ خود رسول اللہؐ نے ہی اپنے زمانے

میں اس پر اعراب اور نقطے وغیرہ بھی لگوا دیئے تھے۔“

سبحان اللہ! ماشاء اللہ!! ائمہ پر تو خیر وحی نازل ہوتی ہوگی۔ لیکن کیا آنجناب پر بھی وحی کا نزول ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو آنجناب کا یہ عقیدہ کس حدیث میں آیا ہے؟ اور کس امام نے اس عقیدہ کی تصریح فرمائی ہے؟ اوپر کراروی صاحب کا قول نقل کر چکا ہوں کہ اعراب لگانا حجاج بن یوسف کی کارستانی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔
تیسرا لطیفہ:

”البتہ ایک آدھ مقام پر کتابت کی غلطی علمائے اہل سنت بھی تسلیم کرتے

ہیں اور ہم بھی۔“

الحمد للہ! اہل سنت تو قرآن میں کتابت کی غلطی نہیں مانتے، بلکہ خط قرآن کو بھی توقیفی مانتے ہیں اور قرآن کریم کے رسم الخط کو بدلنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ الغرض قرآن کریم کے کسی لفظ کے غلط ہونے کے عقیدے کو کفر سمجھتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں اس مضمون کی کوئی روایت مروی ہو تو قرآن کریم کو غلط کہنے کے بجائے خود اس روایت کو غلط اور راوی کا وہم بلکہ زنادقہ کی جعل سازی سمجھتے ہیں۔ البتہ قرآن کی غلطیاں نکالنا اور قرآن کریم کے حاملین و ناقلین کی عدالت کو مجروح کرنا حضرات شیعہ کا محبوب مشغلہ ہے اور اس کے لئے انہوں نے روایات کے دفاتر کے دفاتر تصنیف کئے ہیں جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ہاں! ابھی تو آنجناب نے لطیفہ دوم میں فرمایا تھا کہ قرآن کے اعراب اور نقطے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں خود لگوائے تھے۔ اس کے باوجود قرآن کریم میں کتابت کی غلطی بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن — نعوذ باللہ — غلط لکھوایا تھا؟ استغفر اللہ!

چوتھا لطیفہ :

”تاریخ جمع قرآن جس حد تک علمائے اسلام نے لکھی ہے اس سے شکوک

وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔“

ماشاء اللہ! معصوم اماموں کی دو ہزار روایات، جو علمائے سبانیہ نے تصنیف کی ہیں اور جن میں کھل کر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن غلط ہے، ان سے آنجناب کو شکوک و شبہات تو کجا؟ کبھی ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

الحمد للہ! تاریخ جمع قرآن سے ایک سلیم الفطرت کو کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر نعوذ باللہ تاریخ جمع قرآن سے شکوک و شبہات پیدا ہونے کی گنجائش بیوتی تو منصف بلکہ متعصب غیر مسلم بھی اس اقرار پر مجبور نہ ہوتے کہ یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے جوں کا توں محفوظ چلا آتا ہے۔ (اس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے) لیکن جن لوگوں کے دل میں نفاق کا روگ پہلے سے موجود ہوں کو فزاد ہم اللہ مرضات کے سوالور کیا حاصل ہوگا؟ اچھا، چلے! فرض کر لیجئے کہ علمائے اسلام کی تاریخ جمع قرآن سے تو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، آنجناب اس کے مقابلہ میں ائمہ معصومین سے ”تاریخ جمع قرآن“ کا حوالہ دے دیجئے جس سے ادنیٰ سے ادنیٰ وسوسہ بھی پیدا نہ ہو، کیا آپ نے ایسا کیا ہے؟ یا کر سکتے ہیں؟

پانچواں لطیفہ :

”تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات الاثقان اور البرہان وغیرہ میں

بھی بہت ہیں۔ اسی طرح شیعہ کتابوں میں بھی بہت سی روایات موجود

ہیں۔“

پہلے گزر چکا ہے کہ :

۱۔ شیعہ کتابوں میں دو ہزار سے زائد متواتر روایات ہیں۔

۲۔ یہ روایات، روایات امامت سے جس پر شیعہ مذہب کا مدار ہے، کسی طرح کم نہیں۔

۳۔ یہ روایات قطعی طور پر تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں اور ان کا مفہوم ایسا واضح ہے کہ ان کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

۴۔ پھر اکابر علمائے امامیہ ان روایات پر دین و ایمان رکھتے ہوئے قرآن کریم کو قطعی طور پر تحریف شدہ مانتے ہیں۔ جب علمائے امامیہ چاروں طرف سے راستہ بند پاتے ہیں تو محنت منانے کے لئے یہ الزام اہل سنت کی کتابوں پر بھی جڑ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی روایات نہ صحاح میں ہیں، نہ کسی معصوم کا قول ہیں، نہ تحریف پر صریح دلالت کرتی ہیں، نہ اہل سنت ان روایات کی بنا پر تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے علمائے امامیہ کا ضمیر خود بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ اہل سنت کو یہ الزام دینے کے لئے محض فریب کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ چنانچہ آنجناب کو بھی معلوم ہے کہ آپ اہل سنت کی جن روایات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بشرط صحت ان کا تعلق تحریف سے نہیں، بلکہ نسخ تلاوت یا اختلاف قرات سے ہے۔ اس لئے آنجناب کا ان کو ”تحریف پر دلالت کرنے والی روایات“ کہنا خالص تقیہ اور بہتان ہے۔ چونکہ آپ نے کسی خاص روایت کا نام نہیں لیا، اس لئے میں بھی اسی جمل بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

چھٹا لطیفہ:

”جس طرح اہل سنت کے نزدیک قرآن میں تحریف کا قائل خلع از اسلام

ہے، اسی طرح ہمدے نزدیک بھی ایسا ملعون خلع از دین ہے۔“

شباباش! آفرین!! آج تک تو کسی شیعہ عالم کو اس کی جرأت نہ ہوئی تھی کہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرے، ورنہ تمام ضنا دید شیعہ کو کافر قرار دیتا رہتا، جبکہ اہل سنت ہمیشہ سے ”تحریف قرآن“ کے عقیدہ کو کفر قرار دیتے رہے ہیں۔ لیجئے! سردست اہل سنت کا ایک حوالہ نقل کئے دیتا ہوں کہ ”تحریف قرآن کا قائل خلع از اسلام ہے۔“ حافظ ابن حزمؒ نے نصرانی کا یہ الزام نقل کیا ہے کہ:

وأيضا فإن الروافض يزعمون أن أصحاب نبیکم

بدلوا القرآن واستقلوا منه وزادوا فيه“

(کتاب الفصل ص ۷۰ ج ۲)

ترجمہ: ”یزر روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے نبیؐ کے اصحاب نے

قرآن کو بدل دیا اور اس میں کئی بیشی کر دی۔“

اس کے جواب میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

”وأما قولهم في دعوى الروافض تبديل القرءات،
فإن الروافض ليسوا من المسلمين، إنما هي فرق حدث
أولها بعد موت النبي ﷺ بن خمس وعشرين سنة، وكان
مبدأها إجابة ممن خذله الله تعالى لدعوة من كاد
الإسلام، وهي طائفة تجرى مجرى اليهود والنصارى في
الكذب والكفر“ (كتاب الفصل ص: ۷۸ ج: ۲۰)

ترجمہ: ”ربانصارئ کا یہ کہنا کہ روافض دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے
قرآن کو تبدیل کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روافض کا شمار مسلمانوں
میں نہیں۔ یہ وہ فرماتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس
سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ان کا آغاز اس شخص (یعنی ابن سبا) کی دعوت کو
قبول کرنے کے نتیجہ میں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف
سازشیں کرنے والوں کا داعی ہونے کی وجہ سے مخدول و ملعون کر دیا تھا۔
اور روافض کا یہ گروہ جھوٹ اور کفر میں یہود و نصاریٰ کی راہ پر گامزن
ہے۔“

الحمد للہ! کہ اہل سنت کا فتویٰ تو اتنا واضح ہے کہ خود علمائے شیعہ بھی اس کو نقل
کرنے پر مجبور ہیں، چنانچہ آنجناب نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ ”اہل سنت کے نزدیک
قرآن میں تحریف کا قائل خارج از اسلام ہے۔“ اور آپ سے پہلے
امام الشیعہ مولانا حامد حسین نے بھی یہی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب
استقصاء الافہام ”جلد اول کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں

”مصحف عثمانی کہ اہل سنت آنرا قرآن کامل اعتقاد کنند و معتقد نقصان آن
راناقص الایمان، بلکہ خارج از اسلام پندارند“
ترجمہ ”مصحف عثمانی کہ جس کو اہل سنت ”قرآن کامل“ اعتقاد کرتے
ہیں اور جو شخص اس کے نقصان کا قائل ہو اس کو ناقص الایمان بلکہ خارج از
اسلام سمجھتے ہیں۔“

اس عبارت میں جناب مولانا حامد حسین صاحب نے دو باتوں کا صاف صاف اقرار

کیا ہے۔ ایک یہ کہ اہل سنت کے عقیدہ میں یہ قرآن کامل ہے اور ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ دوم یہ کہ جو لوگ تحریف فی القرآن کے قائل ہیں وہ اہل سنت کے نزدیک خارج از اسلام ہیں۔

اگر آنجناب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ بھی اپنے متقدمین علمائے امامیہ کا فتویٰ نقل کر دیجئے کہ جو لوگ تحریف قرآن کے قائل ہیں، وہ سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کے چار بزرگ ازراہ تقیہ تحریف قرآن کے منکر ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک ان چاروں سمیت کسی شیعہ عالم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تحریف قرآن کے قائلین کے خلاف فتویٰ تکفیر جاری کرنے کی جرأت کرے؟ اگر آنجناب اس مضمون کا ایک فتویٰ جاری کر دیں اور دیگر مجتہدین زمانہ کی تصدیقات بھی اس پر ثبت کرادیں کہ ”وہ تمام لوگ جو تحریف فی القرآن کے قائل ہوئے ہیں سب کافرو مرتد اور زندیق تھے“ تو آنجناب شیعہ مذہب پر بڑا احسان کریں گے۔ پھر ہم بھی دیکھیں گے کہ اس فتویٰ کے بعد شیعہ مذہب میں کیا باقی رہ جاتا ہے اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے (اور ہرگز نہیں کر سکیں گے) تو میں گزارش کروں گا کہ تقیہ چھوڑ کر اس مذہب سے توبہ کر لیجئے۔ واللہ الموفق۔

ساتواں لطیفہ :

”ابتدائے اسلام سے آج تک کوئی شیعہ عالم تحریف فی القرآن کا قائل نہیں ہوا۔“

یا سبحان اللہ! گزشتہ صفحات میں شیعہ مذہب کی مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں کہ ابوالائمہ سے گیلد ہویں امام تک، شیعہ روایات کے مطابق تمام ائمہ یہی شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ظالموں اور غاصبوں نے قرآن میں تحریف کر دی، ادھر عبداللہ بن سبا سے لے کر آج تک کے بڑے بڑے شیعہ مجتہدین بھی خلفائے راشدین کے مطاعن میں تحریف فی القرآن کو نمایاں طور پر ذکر کرتے آئے ہیں۔ ان تمام شیعوں کا تحریف فی القرآن کا قائل ہونا خود ان کی اپنی کتابوں میں درج ہے، اس کے باوجود آنجناب کا یہ کہنا کہ کوئی شیعہ کبھی تحریف فی القرآن کا قائل ہی نہیں ہوا دوپہر کے

وقت آفتاب کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے۔ اگر کوئی شخص کھلی آنکھوں آفتاب نیروز کا انکار کر دے تو اس کو کس دلیل سے قائل کیا جائے؟ بہر حال گزشتہ مباحث میں اکابر شیعہ کے نام بھی ذکر کر چکا ہوں جو ڈنکے کی چوٹ پر تحریف قرآن کے قائل تھے اور ان کی عبارتیں بھی نقل کر چکا ہوں ان کو پڑھ کر اہل بصیرت خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ آنجناب کا یہ فقرہ کس قدر خلاف واقعہ اور کیسا شاندار تقیہ ہے جو شیعہ مذہب میں اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اور ائمہ معصومین نے جس کو اپنا دین و ایمان بتایا ہے۔
آٹھواں لطیفہ:

”چودہ صدیوں سے علمائے شیعہ اسی قرآن کو پڑھ رہے ہیں اور اس کی تفسیریں لکھ رہے ہیں۔ اگر شیعہ اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کو مانتے تو اس قرآن کی تفسیریں کیوں لکھتے؟ اصل قرآن کی تلاوت و تفسیر کیوں نہ کرتے؟“

ماشاء اللہ! شیعوں کے ایمان بالقرآن کی کیا زبردست دلیل پیش فرمائی؟ جان من! شیعوں کا ”قرآن موجود“ کی تلاوت کرنا اور اس کی تفسیریں لکھنا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل نہیں، بلکہ ان کی بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ:

اولاً: ان کے ”امام غائب“ نے ان پر یہ ظلم ڈھایا کہ خود تو ڈر کے مارے غار میں روپوش ہوئے ہی تھے، جاتے جاتے اصل قرآن کو بھی غائب کر گئے۔ اب شیعوں کے پاس اصل قرآن ہے کہاں؟ کہ بے چارے اس کی تلاوت کیا کریں اور اس کی تفسیریں لکھا کریں؟ ناچار ان کو اسی قرآن کی تلاوت کرنا پڑی جس کو ”مصحف عثمانی“ کہا کرتے ہیں۔ شیعہ صاحبان لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہمارے مذہب کا مدار ”تقلید“ پر ہے، ایک قرآن صامت، دوسرا قرآن ناطق، یعنی امام۔ لیکن شیعوں کی بد قسمتی یہ کہ یہ دونوں صفحہ ہستی سے ناپید ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ قرآن ناطق ہے، نہ قرآن صامت۔ اب بے چارے قرآن کے نام سے اسی قرآن کو، جو خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے ذریعہ امت کو ملا ہے، نہ پڑھیں تو کیا کریں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے فہم و بصیرت عطا فرمائی ہوتی تو ان امور پر غور کر کے تاب ہو جاتے مگر مشکل یہ ہے کہ

اِس سعادت بزورِ بازو نیست

گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

ثانیاً: شیعہ قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر اس کو غلط سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ مولوی مقبول احمد اور نجم الحسن کراروی کے حوالے سے امام کا قول نقل کر چکا ہوں کہ ”قرآن کو غلط ہی پڑھو۔“ جب شیعہ اپنے امام کے قول سے ”مجبور“ ہو کر قرآن کو غلط سمجھتے ہیں تو انصاف کیا جائے کہ ان کا قرآن کو پڑھنا اور اس کی تفسیریں لکھنا کیا ان کے ایمان بالقرآن کی دلیل ہو سکتا ہے؟

مثلاً: شیعہ نے قرآن کریم کی جو تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کہنا صحیح ہو) وہ خود اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ان کے لکھنے والوں کا قرآن کریم پر ایمان نہیں۔ بلکہ وہ قرآن کے تحریف شدہ ہونے کا اعلان و اقرار کر رہے ہیں۔ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر صافی، تفسیر البرہان، ترجمہ مقبول اور ترجمہ فرمان علی کا حال آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کسی اور تفسیر کا نام لیجئے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے۔

رابعاً: شیعہ مفسرین نے قرآن کریم کی ”تحریف معنوی“ میں جس جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا بھی مختصر سا نقشہ پیش کر چکا ہوں، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا قرآن کریم کی تفسیریں لکھنا قرآن کریم سے عقیدت و محبت کی خاطر نہیں۔ بلکہ اپنے مذموم عقائد کو قرآن کریم میں ٹھونسنے کے لئے ہے۔ اس لئے یہ تفسیریں ان کے ”ایمان بالقرآن“ کی دلیل نہیں، بلکہ ”من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوا مقعده من النار“ کا مصداق ہیں۔ یعنی ”جو شخص قرآن میں اپنی رائے ٹھونسے وہ دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنائے۔“

خامساً: یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی قرآن کریم کی تفسیریں لکھی ہیں (اگر ان کو تفسیر کا نام دینا صحیح ہو) کیا ان کے اس طرز عمل کو ان کے ”ایمان بالقرآن“ کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں! یہی حال شیعہ مفسرین کا بھی سمجھ لیا جائے۔

نواں لطیفہ: ”حافظ سیوطی نے ”در منشور“ میں ۱۱۳ سورتوں کے بجائے ۱۱۶ سورتوں

کی تفسیر دی ہے۔ یعنی دو اضافی سورتیں درج کی ہیں، جو کھلی ہوئی تحریف ہے۔ علمائے شیعہ کی کتابوں میں یہ چیز نہیں دکھائی جاسکتی۔“
 آنجناب کا یہ لطیفہ تو گزشتہ تمام لطائف سے بڑھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں:

اول: آنجناب نے حافظ سیوطیؒ کی ”الاتقان“ کے حوالے زیب رقم فرمائے ہیں۔ اسی الاتقان کی ”۷۳ ویں نوع قرآن کریم کے ناخ و منسوخ“ کے ذیل میں یہ عبارت نظر سامی سے گزری ہوگی:

”قال الحسين بن المناری فی کتابہ الناسخ
 والمنسوخ: وما رفع رسمه من القرآن ولم يرفع من القلوب
 حفظه سورتا القنوت فی الوتر، وتسمى سورتی الخلع
 والحفد“
 (الاتقان صفحہ ۲۶، جلد ۲)

ترجمہ: ”حسین بن المناری اپنی کتاب ”الناسخ والمنسوخ“
 میں لکھتے ہیں کہ منجملہ ان چیزوں کے جن کی کتابت و تلاوت قرآن سے
 اٹھالی گئی، لیکن دلوں سے ان کی یادداشت نہیں اٹھائی گئی۔ دعائے قنوت کی
 دو سورتیں ہیں جو وتر میں پڑھی جاتی ہیں اور وہ ”سورة الخلع“ اور سورة
 الحفد“ کہلاتی تھیں۔“

مطلب یہ کہ وتر کی دعائے قنوت دو سورتوں کی شکل میں نازل ہوئی تھی۔ اور
 دونوں سورتوں کو سورة الخلع اور سورة الحفد کے نام سے مصاحف میں لکھا بھی گیا
 تھا۔ لیکن بعد میں ان کی کتابت و تلاوت منسوخ کر دی گئی اور ان کو مصاحف سے اٹھالیا
 گیا۔

در مستور کے خاتمہ میں حافظ سیوطیؒ نے انہی دو منسوخ شدہ سورتوں کے
 بارے میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ” ذکر ما ورد فی سورة الخلع و
 سورة الحفد“ یعنی ”ان روایات کا ذکر جو ان دو منسوخ شدہ سورتوں کے بارے میں
 وارد ہوئی ہیں“ اور اس کے ذیل میں ان دو سورتوں کی تفسیر نہیں دی بلکہ ایسی روایات
 ذکر کی ہیں جن میں ان دعاؤں کا نماز و تروغیرہ میں پڑھنا مذکور ہے۔ اب میں آنجناب ہی

کے فہم و انصاف کو منصف بناتا ہوں کہ کیا اس کا نام ”تحریف“ رکھنا شرعاً و عقلاً و عرفاً و اخلاقاً جائز ہے؟

میں آنجناب کے پانچویں لطیفے کے ذیل میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرات شیعہ کو جب اپنی خفت بنانے کے لئے اہل سنت پر تحریف کا الزام لگانے کا شوق چراتا ہے تو وہ نسخ یا اختلاف قرأت کی روایات نقل کر کے اپنا دل خوش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنجناب نے بھی یہی کیا کہ حافظ سیوطی ”تو ان دو سورتوں کے منسوخ الرسم والتلاوت ہونے کی تصریح کر رہے ہیں اور آنجناب ان پر تحریف کا الزام لگا رہے ہیں۔ انصاف کیجئے کہ کیا دین و دیانت اسی کا نام ہے۔

دوم: یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جب کہ ان روایات کی صحت و قطعیت کو تسلیم کر لیا جائے، حالانکہ یہ روایات اول تو اخبار آحاد ہیں۔ پھر ان میں سے اکثر و بیشتر مرسل، مقطوع اور مجہول ہیں۔ جن سے یہ مفروضہ قطعی طور پر ثابت ہی نہیں ہوتا کہ یہ دو سورتیں بطور قرآن نازل بھی ہوئی تھیں، جن کی تلاوت بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

چنانچہ حافظ سیوطی نے مذکورہ بالا عبارت کے متصل لکھا ہے:

”تنبيه: حكي القاضي أبو بكر في الانتصار عن

قوم إنكار هذا الضرب، لأن الأخبار فيه أخبار آحاد، ولا

يجوز القطع على إنزال القرآن ونسخه بأخبار آحاد، لا

حجة فيها“ (الاتقان ص: ۲۶ ج: ۲۰)۔

ترجمہ: ”آگاہ کرنے کی ایک بات یہ ہے کہ قاضی ابو بکر نے اپنی کتاب

”الانتصار“ میں علماء کی ایک جماعت سے ترجیحی اس قسم کا انکار نقل کیا

ہے۔ کیونکہ روایتیں اس بارے میں اخبار آحاد ہیں۔ اور جائز نہیں ہے یقین

کرنا قرآن کے نازل ہونے، پھر منسوخ ہو جانے کا اخبار آحاد کی بنا پر، جو کسی

طرح سند نہیں ہو سکتیں۔“

حافظ سیوطی ”کی اس عبارت کو پڑھ کر اپنے ضمیر سے داد انصاف طلب کیجئے کہ

آنجناب کا ان پر یہ الزام کہ وہ ”در منثور“ میں ۱۱۶ سورتوں کی تفسیر لکھ رہے ہیں، عقل و منطق کی میزان میں کتنا وزن رکھتا ہے؟

سوم: آنجناب فرماتے ہیں کہ ”علمائے شیعہ کے مصنفات میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی جاسکتی۔“ غالباً آنجناب کو علمائے شیعہ کے دفاتر کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا، ورنہ یہ دعویٰ آنجناب کی زبان قلم سے سرزد نہ ہوتا۔ میں آنجناب کو کسی طویل کتاب کے پڑھنے کی زحمت نہیں دوں گا، علامہ باقر مجلسی کے چھوٹے سے رسالہ ”مذکرۃ الائمہ“ کے مطالعہ کی فرمائش ضرور کروں گا۔ اس میں آنجناب کو ”سورۃ النورین“ اور ”سورۃ الولایت“ دو سورتوں کا پورا متن ملے گا، جن کے بارے میں مجلسی کا دعویٰ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مصحف امام سے ساقط کر دیا تھا۔ اسی میں یہ عبارت بھی ملے گی کہ امیر المومنین اور اہل بیت کی فضیلت کی آیات اور مذمت قریش اور مذمت منافقین کی آیات حضرت عثمانؓ نے مصحف امام سے نکل دیں۔ نیز یہ کہ سورۃ فرقان کی آیت: ”لَمْ يَتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا“ دراصل یوں تھی: ”لَمْ يَتَّخِذْ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا“۔ حضرت عثمانؓ نے ”ابابکر“ کے لفظ کو ”فلاناً“ میں بدل دیا۔ اسی میں حضرت امام صادقؑ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سورۃ الاحزاب بڑی طویل سورت تھی اور اس میں قریش کے لوگوں کے فضائح تھے۔ ”ایشاں تحریف داوند و کم کردند“ (جامعین قرآن نے اس میں تحریف کردی اور اسے کم کر دیا)۔

اس بحث کے خاتمہ پر میں آنجناب کی اس دعا پر بصد اخلاص والہام آمین کہتا ہوں کہ: ”اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے اور ہدایت پر باقی رکھے“۔ کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے کہ وہ اس مخلصانہ دعا کو شرف قبول بخشیں۔

باب چہارم

اس باب میں آنجناب کے متفرق سوالات و مناقشات کا جواب لکھتا ہوں :

۱۔ حدیث ”اصحابی کالنجوم“

آنجناب نے حافظ ابن حزمؒ کی کتاب الاحکام کے حوالے سے حدیث ”اصحابی کالنجوم“ کی تضعیف نقل کی ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس حدیث کا مضمون صحیح ہے اور اہل سنت کی کتابوں کے علاوہ اہل تشیع کی مستند کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی بحار الانوار کی کتاب العلم کے ”باب علل اختلاف الاخبار“ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

۱۔ قال الشيخ الطبرسي في كتاب الاحتجاجات : روي عن الصادق عليه السلام : أن رسول الله ﷺ قال : ما وجدتم في كتاب الله عز وجل فاعملوا به لازم ولا عند لكم في تركه ، وما لم يكن في كتاب الله عز وجل وكان في سنة مني ^(۱) فلا عند لكم في ترك سنتي ، وما لم يكن فيه سنة مني فما قال أصحابي فقولوا به ^(۲) فإنا مثل أصحابي فيكم كمثل النجوم بآبائها أخذت ^(۳) وبأي آقاويل أصحابي أخذتم اهتديتم ، واختلاف أصحابي لكم رحمة .

أقول : روى الصدوق في كتاب معاني الأخبار ، عن ابن الوليد ، عن الصفار ، عن الغشاب ، عن ابن كلوب ، عن إسحاق بن مزار ، عن الصادق ، عن آباءه ^(۴) إلى آخر ما نقله ورواه الصفار في البصائر .
(بحار الانوار صفحہ ۲۲۰ جلد ۲)

ترجمہ: ”شیخ طبری کتاب الاحتجاجات میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”جو کچھ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پاؤ اس پر عمل لازم ہے۔ اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور میری سنت میں ہو اس کے چھوڑنے میں بھی تمہارے لئے کوئی عذر نہیں۔ اور جو میری سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہؓ نے فرمایا ہو اس پر عمل کرو۔ کیونکہ تم میں میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کو بھی پکڑا جائے راستہ مل جائے گا۔ اسی طرح میرے صحابہؓ میں سے جس کے قول کو بھی اقتید کر لو گے ہدایت پاو گے اور میرے صحابہؓ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے الخ۔“

”شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخباء میں اپنی سند کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد آخر تک نقل کیا ہے۔ اور اس حدیث کو شیخ محمد بن حسن الصفار نے بھی اپنی کتاب ”بصائر الدرجات“ میں روایت کیا ہے۔“

نیز علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی کتاب العلم ”باب ثواب المہدایۃ والتعلیم، وفضلہما وفضل العلماء“ کے ذیل میں ”منیۃ المرید“ کے حوالے سے اسی مضمون کی ایک اور حدیث نبویؐ نقل کی ہے:

۸۵۔ وقال ﷺ: إن مثل العلماء في الأرض كمثل النجوم في السماء. يهتدى بها في ظلمات البر والبحر، فإذا طمست أوشك أن تضل الهداة.

(بحار الانوار..... صفحہ ۲۵، جلد ۲)

ترجمہ: ”فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے، جن سے بروہ بحر میں راہ پائی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہو جائیں تو راہ پانے والوں کے بھٹکنے کا اندیشہ قوی ہے۔“

۲۔ حدیث ”اختلاف امتی رحمۃ“

میں نے ”اختلاف امتی رحمۃ“ کا حوالہ دیا تھا، آنجناب نے اس پر یہ مناقشہ کیا

کہ ”یہ حدیث محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں،
 کما نقل المناوی عن السبکی، الخ۔“
 جواباً گزارش ہے کہ جہاں سے آنجناب نے مناوی کی یہ عبارت نقل کی تھی،
 وہیں یہ عبارت بھی موجود تھی:

”نصر المقدسی فی الحجة والبیہقی فی الرسالة
 الأشعرية بغیر سند، وأوردہ الحلیمی والقاضی حسین
 وإمام الحرمین وغیرہم ولعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ
 التي لم تصل إلینا“ (فیض القدر ... صفحہ ۲۰۹، جلد ۱)

ترجمہ: ”اس حدیث کو نصر مقدسی نے ”الحجۃ“ میں اور بیہقی نے ”رسالہ
 اشعریہ“ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور حلیمی، قاضی حسین، امام الحرمین اور
 دیگر حضرات نے بھی اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ شاید بعض حفاظ کی
 کتابوں میں اس کی تخریج کی گئی ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچیں۔“

الغرض علامہ مناویؒ نے اس حدیث کے مضمون کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلہ
 میں متعدد اکابر کے نام ذکر کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اوپر ”اصحابی کالنجوم“
 کے ذیل میں شیعوں کی مستند کتابوں سے جو روایت نقل کر چکا ہوں، اس کا ایک ٹکڑا
 ”اختلاف اصحابی لکم رحمۃ“ بھی ہے۔ جس کا مضمون بعینہ یہی ہے۔
 امام غزالیؒ نے ”احیاء العلوم“ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور حافظ عراقیؒ نے
 تخریج احیاء میں اس کے لئے بیہقی کی مدخل کا حوالہ دیا ہے:

”ذکرہ البیہقی فی رسالته الأشعرية تعلیقا،

وأسنده فی المدخل من حدیث ابن عباس إسناده

ضعیف“ (حاشیہ احیاء ... صفحہ ۲۷، جلد ۱)

ترجمہ: ”اس حدیث کو بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے
 اور انہوں نے ”المدخل“ میں ابن عباس کی حدیث سے اس کو سند کے
 ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند کمزور ہے۔“

حافظ شمس الدین سخاوی نے ”المقاصد الحسنة“ میں بیہقی کی سند بھی نقل کر دی ہے اور پورا متن بھی جو حسب ذیل ہے:

حدیث: اختلاف أمتی رحمة، البيهقي في المدخل من حديث سليمان بن أبي كريمة عن جوير عن الضحاك عن ابن عباس، قال قال رسول الله ﷺ: «مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد في تركه، فإن لم يكن في كتاب الله فسنة منى ماضية، فإن لم تكن سنة منى فما قال أصحابي، إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء، فأبما أخذتم به اهتديتم، واختلاف أصحابي لكم رحمة» ومن هذا الوجه أخرجه الطبراني والديلمي في مسنده بلفظه سواء؛ وجوير ضعيف جداً والضحاك عن ابن عباس منقطع، وقد عزاه الزركشي إلى كتاب الحجة لنصر المقدسي مرفوعاً من غير بيان لسنده ولا صحابه وكذا عزاه العراقي لآدم بن أبي أياس في كتاب العلم والحكم بدون بيان لفظ: اختلاف أصحابي رحمة لأمتي. قال: وهو مرسل ضعيف، وبهذا اللفظ ذكره البيهقي في رسالته الأشعرية بغير إسناد.

چونکہ حدیث کے الفاظ قریباً وہی ہیں جو اوپر شیعہ کتابوں کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں، اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ محدثین اہلسنت نے تو اس حدیث کو سند ضعیف کہا ہے لیکن علامہ مجلسی نے بحار الانوار کتاب العلم کے باب نمبر ”آداب طلب العلم واحکامہ“ میں امام صادق کی زبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱۶۔ مع ، ج ، ع : الاتفاق ، عن الأسدي ، عن صالح بن أبي حماد ، عن أحمد ابن حلال ، عن ابن أبي عمير ، عن عبد المؤمن الأنصاري ، قال : قلت لأبي عبد الله عليه السلام : إن قوماً يروون أن رسول الله ﷺ قال : اختلاف أمتي رحمة فقال : صدقوا .
(بحار الانوار صفحہ ۲۷۷، جلد ۱)

ترجمہ : ”صدق نے معالی الاخبار میں، طبری نے کتاب الاحتجاج میں اور صدوق نے علل الشرائع میں اپنی سند سے عبد المؤمن انصاری سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اختلاف امتی رحمتہ۔“ امام صادق نے فرمایا، ”یہ لوگ ٹھیک روایت کرتے ہیں۔“

اس کے بعد امامؑ سے اس کی تاویل نقل کی ہے، مگر مجھے تو اس سے غرض ہے کہ امام نے اس حدیث کی تصحیح و تصدیق فرمائی ہے۔ تاویل خواہ کچھ بھی ہو۔ تعجب ہے کہ آنجناب نے السبکی وغیرہ علمائے اہل سنت کی تقلید میں اس کو بے سند کہہ دیا۔ مگر اپنے امام معصوم کی مستند تصحیح و تصدیق کی کوئی پروا نہیں کی۔ ”ان هذا المشي عجاب“ رہا آپ کا ابن حزمؒ کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ :

لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق سخطا، وهذا ما لا يقوله مسلم ، لأنه ليس اتفاق أو اختلاف .

ترجمہ : ”اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہو گا اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہیں، یا اتفاق ہو گا یا اختلاف ہو گا، لہذا اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق غضب ہو گا۔“

(الاحکام فی اصول الاحکام ص ۶۴ ج ۵)

حافظ ابن حزمؒ کا یہ شبہ ان کی عقلیت و ذکاوت کا شاہکار ہے۔ انہوں نے حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا، اول تو ہمارے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔ علاوہ ازیں مفہوم مخالف کے قائلین کے نزدیک بھی ہر جگہ مفہوم مخالف سے استدلال جائز نہیں۔ حافظ ابن حزمؒ ”اگر غور و تأمل سے کام لیتے تو انہیں نظر آتا کہ یہاں مفہوم مخالف سے استدلال کی گنجائش نہیں، کیونکہ حدیث میں امت مرحومہ کی فضیلت کا

اظہار مقصود ہے کہ اس امت کا اتفاق و اتفاق، اس کا اختلاف بھی رحمت ہے اور اس میں بھی حکمت الہیہ کار فرما ہے۔ امام دارمیؒ نے ”باب اختلاف الفقہاء“ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کاش! آپ لوگوں کو ایک بات پر جمع کر دیتے، جواب میں حضرتؒ نے فرمایا:

ما یسرنی انہم لم یختلفوا، ثم کتب الی الآفاق أو
الی الأمصار لیقض کل قوم بما اجتمع علیہ فقہاءہم

(سنن دارمی۔ صفحہ ۲۲، جلد ۱۔ مطبوعہ نشر السنۃ لمکنا،)

ترجمہ: ”مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو۔ پھر شہروں میں گشتی فرماں جاری فرمایا کہ ہر قوم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جس پر وہاں کے فقہاء جمع ہوں۔“

حافظ شمس الدین سخاویؒ ”مقاصد حسنہ“ میں لکھتے ہیں:

وفی المدخل لہ من حدیث سفیان عن أفلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال: اختلاف أصحاب محمد ﷺ رحمة لعباد الله، ومن حدیث قتادة أن عمر بن عبد العزيز كان يقول: ما سرنی لو أن أصحاب محمد ﷺ یختلفوا لأنہم لو لم یختلفوا لم یکن رخصة.

(مقاصد الحسنہ..... صفحہ ۳۹)

ترجمہ: ”یہی ہی کتاب المدخل میں امام قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف بندوں کے لئے رحمت ہے“ نیز عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ”اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کیونکہ اس صورت میں امت کے لئے رخصت و گنجائش نہ رہتی۔“

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے اکابر اختلاف امت کو رحمت قرار دے رہے ہیں، علم و فہم، طہارت و تقویٰ اور رموز دین سے واقفیت میں ان اکابر کا جو مرتبہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ غور فرمائیے کہ ان کے

مقابلہ میں حافظ ابن حزمؒ کے قول میں کتنا وزن رہ جاتا ہے؟
اس ضمن میں علامہ سخاویؒ نے ”مقاصد حسنہ“ میں ایک عجیب بات یہ نقل کی ہے:

ذکرہ الخطابی فی غریب الحدیث مستطردا

”فقهاء: اعترض هذا الحديث رجلا: أحدهما

ماجن والآخر ملحد، وهما: إسحاق الموصلي وعمرو بن

بحر الجاحظ وقالوا: لو كان الاختلاف رحمة لكان

الاتفاق عذابا، ثم تشاغل الخطابي برد كلاميهما، ولم

يشف في عزو الحديث، لكنه أشعر بأن له أصلا عنده“

(مقاصد حسنہ..... صفحہ ۵۰)

ترجمہ: ”اس حدیث کو امام خطابیؒ نے ”غریب الحدیث“ میں نمنا ذکر کر کے کہا ہے کہ اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا۔ ایک نحش گو ہے اور دوسرا ملحد۔ اور یہ دونوں اسحاق موصلی اور جاحظ ہیں۔ دونوں نے یہ کہا کہ اگر اختلاف رحمت ہو تو اتفاق عذاب ہو گا۔ اس کے بعد امام خطابی ان دونوں کی بات کے رد کرنے کے درپے ہوئے، مگر حدیث کی سند ذکر کرنے میں کوئی شفا بخش بات نہیں کہی۔ تاہم یہ معلوم ہوا کہ امام خطابی کے نزدیک اس حدیث کی اصل ہے۔“

میں نے یہ حوالہ یہ دکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا کس قماش کے لوگوں کا مشغلہ رہا ہے؟ بہر حال میں نے دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں ایک طرف صحیح اور مستند حوالوں کے ساتھ امام صادقؑ کا ارشاد کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور دوسری طرف اس حدیث پر ماجن اور ملحد قسم کے لوگوں کی تنقید اور طعن و تشنیع۔ اب یہ آنجناب کی صوابدید ہے کہ امام صادقؑ کی تصحیح کو قبول فرماتے ہیں یا ملحد و ماجن لوگوں کی تشنیع کو۔

۳۔ نظریاتی اختلاف

میں نے ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ میں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور شیخینؒ کے بارے میں امت میں نظریاتی اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس کی ابتدا حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی۔ آنجناب نے اس کو ”تجاہل عارفانہ“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسئلہ خلافت سمیت، جس کی کلارروائی سقیفہ بنو ساعدہ میں ہوئی، نیز شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد کے فقہی اور نظریاتی اختلافات پر آپ مطلع نہ ہوں۔“

اور پھر ان اختلافات کو ثابت کرنے کے لئے آنجناب نے چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے مجھے افسوس ہے کہ آپ ”نظریاتی اختلاف“ کا مطلب ہی نہیں سمجھے، اس لئے فقہی اختلافات کو ”نظریاتی اختلافات“ کے ساتھ گڈڈ کر دیا، حالانکہ میں نے پوری وضاحت اور صفائی سے لکھا تھا کہ:

”دوسری بات جس کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ امت میں دو قسم کے اختلافات ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسم کے اختلافات سے مطلع بھی کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں امت کو ہدایات بھی عطا فرمائیں، پہلی قسم کا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا اور جو آج حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اختلاف کے نام سے مشہور ہے، یہ اختلاف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبدک دور میں بھی کبھی کبھی رونما ہو جاتا تھا۔“

آگے اس اختلاف کی تشریح کرتے ہوئے میں نے اسی کو رحمت قرار دیا تھا۔ اس کے بعد دوسری قسم کے اختلاف کو ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

”دوسری قسم کا اختلاف ”نظریاتی اختلاف“ کہلاتا ہے۔ (اور یہی اختلاف آپ کے سوال کا موضوع ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کی بھی پیش گوئی فرمائی اور اس اختلاف میں حق و باطل کو جانچنے کا معیار بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے..... الخ“

اسی دوسری قسم کے اختلاف کے بارے میں میں نے لکھا کہ اس کا وجود دور نبویؐ اور دور شیخینؒ میں نہیں تھا، بلکہ یہ عہد عثمانیؓ کے آخر میں پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ فقہی

اختلافات تو صحابہؓ کے دور میں بھی تھے لیکن عقائد و نظریات اور بدعات و اہوا کا اختلاف ان میں نہیں تھا۔ اس کا آغاز آخر دور عثمانیؓ میں ہوا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ”منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:

لم يحدث في خلافة عثمان رضي الله عنه بدعة

ظاهرة، فلما قتل وتفرق الناس حدثت بدعتان

مقابلتان، بدعة الخوارج المكفرين لعلي، وبدعة الرافضة

المدعين لإمامته وعصمته أو نبوته أو إلهيته،

(منہاج السنۃ... صفحہ ۱۸۴، جلد ۳)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی بدعت ظاہرہ پیدا نہیں

ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں میں افتراق ہوا تو دو بدعتیں، جو باہم

مقابل تھیں، پیدا ہوئیں۔ ایک خوارج کی بدعت، جو نعوذ باللہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے تھے، دوسری رافضیوں کی بدعت، جو ان کی

امامت و عصمت یا نبوت یا الہیت کے قائل تھے۔“

شیخ الاسلامؒ کی عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور

خلافت میں بدعت ظاہرہ پیدا نہیں ہوئی، مطلب یہ کہ بدعت رافضی کی خفیہ تحریک عہد

عثمانیؓ کے اواخر میں شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا اعلانیہ ظہور نہیں ہوا تھا۔ اس کا ظہور

ان کی شہادت کے بعد ہوا۔

۴۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق اُتقیٰ تھے

میں نے شیعہ کے نظریہ امامت کی تردید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ شیعہ مذہب کا

نقطہ نظریہ ہے کہ:

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزو

قریب ہیں اس لئے وہی آپ کی خلافت و جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ

نظریہ بظاہر سادہ اور خوش نما ہونے کے باوجود اسلام کی دعوت اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ تعلیم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ اسلام نے

نسلی امتیاز اور خاندانی غرور کے سلسلے بتوں کو پاش پاش کر کے عزت و شرافت اور سیادت و بزرگی کا مدار ”تقویٰ“ پر رکھا تھا۔ اور تقویٰ کی صفت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سب سے فائق اور سب کے سر تاج تھے، (چنانچہ قرآن مجید کی سورہ واللیل میں انہی کو ”الائق“ یعنی سب سے زیادہ متقی فرمایا گیا ہے) اس لئے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔“ (اختلاف امت اور صراط مستقیم..... صفحہ ۱۹)

آنجناب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے :

”آپ کی تحریر (صفحہ ۱۹) سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو بحیثیت خلیفہ کے انتخاب کرتے وقت صفت تقویٰ کو ملحوظ رکھا تھا اور نسلی امتیاز اور آنحضرتؐ سے قرب کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حالانکہ تاریخ و حدیث کا ہر طالب علم اس امر سے واقف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکرؓ کی سفید بنی ساعدہ میں بیعت کرتے وقت صرف دو ہی ولییں پیش کی تھیں۔ ایک تو قریش کی عمومی عزت اور نسلی امتیاز جسے تمام قبائل عرب تسلیم کرتے تھے اور دوسرے آنحضرتؐ سے قربت و دیرینہ تعلق۔ وہاں تقویٰ کی کوئی بحث نہیں تھی۔ اور نہ ہی اسے کسی مستند کتاب سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے متقی ہونے میں کلام نہیں، لیکن ”الائق“ کی جو بحث آپ نے اٹھائی ہے اور بحیثیت اصول کے جس طرح آپ نے اسے بیان کیا ہے وہ محل نظر ہونے کے ساتھ ساتھ ناقابل اثبات ہے۔ یعنی سفید بنی ساعدہ میں ”متقی حقدار خلافت“ کی بحث نہ چھڑی تھی اور نہ اس اصول پر حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ یہ انتخاب انہیں اصول پر عمل میں آیا تھا جن کی آپ نے نفی کی ہے۔“

یہاں دو مقام ہیں، ایک یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ”الائق“ تھے۔ قرآن کریم میں ”الائق“ انہی کے حق میں فرمایا گیا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی ان کو ”خیر هذه الامة“ سمجھتے تھے۔ دوم یہ کہ ان کے اختلاف کے موقع پر ان کی افضلیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔

مقام اول: سورۃ اللیل کی آیت کریمہ وسیجنہا الاثنی میں ”الاثنی“ انہی کو فرمایا گیا ہے۔ اس پر قریباً تمام مفسرین کا اجماع ہے:

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی ”اپنے رسالہ ”الجبل الوثیق فی نصرۃ الصدیق میں لکھتے ہیں:

”وقد تواردت خلائق من المفسرین لا یحصون

علی أنها نزلت فی حق أبی بکر رضی اللہ عنہ، وكذا

أصحاب الكتب المولفة فی المبہمات“

(الجاوی للفتاویٰ..... صفحہ ۳۲۸)

ترجمہ: ”بے شمار مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی طرح جن حضرات نے ”مبہمات“ پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے۔“

۲۔ تفسیر مظہری میں ہے:

”لا تفارق المفسرین علی أن الآیة نزلت فی أبی

بکر الصدیق فالغرض منه توصیف الصدیق بكونه اتقى

الناس أجمعین غیر الانبیاء“ (تفسیر مظہری..... صفحہ ۲۷۹، جلد ۱۰)

ترجمہ: ”کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، پس آیت کا مدعا یہ بتانا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ کر وہ باقی تمام انسانوں میں سب سے زیادہ متقی ہیں۔“

۳۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

”وقد ذکر غیر واحد من المفسرین أن هذه الآیات

نزلت فی أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حتی أن بعضهم

حکى الإجماع من المفسرین علی ذلك“

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۲۱، جلد ۴)

ترجمہ: ”ہمت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس پر مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔“

۴۔ تفسیر زاد المسیر میں ہے:

(الاتقی) یعنی: أبا بکر الصديق في قول جميع

المفسرين“ (تفسیر زاد المسیر..... صفحہ ۱۵۲، جلد ۹)

ترجمہ: ”الاتقی“ سے تمام مفسرین کے قول میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔“

۵۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

”والأكثر أن السورة نزلت في أبي بكر رضي الله

عنه، وروى ذلك عن ابن مسعود وابن عباس وعبد الله بن

الزبير وغيرهم“ (تفسیر قرطبی..... صفحہ ۹۰، جلد ۲۰)

ترجمہ: ”اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ بات صحابہ کرامؓ میں سے ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ اور دیگر حضرات سے مروی ہے۔“

۶۔ تفسیر ابو السعود میں ہے:

”والآيات نزلت في حق أبي بكر الصديق رضي

الله عنه حين اشترى بلالا في جماعة كان يؤذيهم

المشركون فاعتقهم“ (تفسیر ابو السعود ص ۱۶۸، ج ۹)

ترجمہ: ”یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ جب انہوں نے حضرت بلالؓ اور ایک جماعت کو خرید کر، لودہ اللہ آزاد کر دیا، جن کو مشرکین ایذا میں دیتے تھے۔“

۷۔ تفسیر روح المعالی میں ہے :

”وهذه الآيات على ما سمعت نزلت في أبي بكر
رضي الله عنه... فقد أخرج ابن أبي حاتم عن عروة أن أبا
بكر الصديق رضي الله عنه اعتق سبعة كلهم يعذب في
الله عز وجل بلال وعامر بن فهيرة والنهدية وابنتها وزينيرة
وأُم عبيس وأمة بنى المؤمل وفيه نزلت ﴿وسيجنبها
الاتقى﴾ إلى آخر السورة واستدل بذلك الإمام على أنه
رضي الله عنه أفضل الأمة“ (تفسیر روح المعالی صفحہ ۱۵۲، ج ۳۰)

ترجمہ: ”اور یہ آیات، جیسا کہ تم سن چکے ہو، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
کے بارے میں نازل ہوئیں..... چنانچہ ابن ابی حاتم نے عروہ سے روایت نقل
کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات افراد کو، جنہیں اللہ کی
راہ میں مبتلائے عذاب کیا جا رہا تھا، خرید کر آزاد کر دیا۔ یعنی حضرت بلالؓ،
عامرؓ بن فہیرہ، نہدیہ، ان کی صاحب زادی، زہیرہ، ام عبیس اور بنو
مؤمل کی ایک لونڈی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں
”وسيجنبها الاتقى“ سے آخر سورۃ تک نازل ہوئی۔ اور امام رازیؒ نے
اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ امت میں سب سے افضل
تھے۔“

۸۔ امام رازیؒ نے اس آیت شریفہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا
”افضل الخلق بعد الانبياء“ ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی تقریر طویل ہے۔ اس لئے
صرف اس کے حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اہل علم اصل کتاب کی طرف مراجعت
فرمائیں۔

الغرض اس آیت شریفہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”الاتقى“ فرمایا
ہے۔ اس آیت شریفہ اور دیگر بے شمار نصوص کی روشنی میں حضرات صحابہ کرامؓ حضرت

صدیق اکبرؓ کو سب سے افضل جانتے تھے۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے:

۶۳۹۴- (خ د ت- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

عنہما) قال: "کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ

ﷺ، نخیر أبا بکر، ثم عمر، ثم عثمان" (اخرجه البخاری)

وله فی روایة قال: "کنا زمن النبی ﷺ لا

نعدل بأبی بکر أحدا، ثم عمر، ثم عثمان ثم نترك

أصحاب رسول اللہ ﷺ، لا نفاضل بينهم، وأخرج أبو

داود الثانية ولأبی داود کنا نقول ورسول اللہ ﷺ.

حی: أفضل أمة النبی ﷺ بعده: أبو بکر، ثم عمر، ثم

عثمان. وفي رواية الترمذی: «کنا نقول ورسول اللہ

ﷺ حی: أبو بکر، وعمر، وعثمان».

(جامع الأصول ج: ۸، ص: ۵۷۹).

ترجمہ: "بخاری، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام

کے درمیان ترجیح دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو ترجیح

دیتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کو، پھر حضرت عثمانؓ کو۔ یہ بخاری کی روایت

ہے۔

"اور بخاری کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابو بکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے

تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر باقی صحابہؓ میں کسی کو

دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ امام ابوداؤد نے یہ دوسری روایت نقل کی

ہے۔

"اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

آپ کی امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ۔ اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں (صحابہؓ کی ترتیب بیان کرتے ہوئے) کہا کرتے تھے (اول) ابو بکرؓ، (دوم) عمرؓ، (سوم) عثمانؓ۔

ربا دوسرا مقام: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی افضلیت کی بنا پر کیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرات انصارؓ سے فرمایا کہ قریش کے دو بزرگ تمہارے سامنے موجود ہیں، (یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح) ان سے بیعت کر لو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بل نبایعک أنت، فأنت سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى

رسول الله ﷺ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۵۱۸)۔

ترجمہ: ”نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے افضل ہیں، اور ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔“

اور صحیح بخاری میں دوسری جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کا آخری خطبہ منقول ہے، جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے استخلاف کا واقعہ مفصل بیان فرمایا۔ اسی میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انصارؓ سے فرمایا کہ ان دو بزرگوں میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

فلم أكره مما قال غيرها، كان والله! إن أقدم فتضرب عنقي لا يقربني ذلك من إثم أحب إلى من أن أتامر على قوم فيهم أبو بكر، اللهم إلا أن تسول لي نفسي

عند الموت، لا أجدہ الآن۔ (صحیح بخاری..... صفحہ ۱۰۱۰، جلد ۲)

ترجمہ: ”حضرت ابو بکرؓ کی تقریر میں بس یہی ایک بات مجھے بری لگی۔ بخدا! آگے بڑھا کر میری گردن اڑادی جاتی، بشرطیکہ یہ چیز مجھے گناہ کی قریب نہ کرتی، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنوں،

جن میں ابو بکرؓ موجود ہوں۔ الایہ کہ خدا نخواستہ میرا نفس موت کے وقت مجھے (ابو بکرؓ سے افضلیت) کا خیال دلائے۔ جواب تک میرے دل میں نہیں ہے۔"

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر کے آخر میں ان دو بزرگوں میں سے کسی ایک سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فوالله ما بقى شيء كنت أحب أن أقوله إلا وقد

قاله يومئذ غير هذه الكلمة، فوالله لأن أقتل ثم أحيا (ثم

أقتل ثم أحيا) فى غير معصية أحب إلى من أن أكون

أميرا على قوم فيهم أبو بكر، قال: ثم قلت: يا معشر

الأنصار، يا معشر المسلمين! إن أولى الناس بأمر رسول

الله صلى الله عليه وسلم من بعده ثانى اثنين إذ هما فى

الغار أبو بكر السباق المبين، ثم أخذت بيده وبادرنى

رجل من الأنصار فضرب على يده قبل أن أضرب على

يده، ثم ضربت على يده وتتابع الناس"

(مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۵۶۶، جلد ۱۳)

ترجمہ: "پس بخدا! جتنی باتیں میں اس موقع پر کہنا چاہتا تھا وہ سب حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہہ ڈالیں۔ سوائے اس آخری بات کے۔ پس بخدا!

مجھے قتل کر دیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا، پھر قتل کیا جاتا، پھر زندہ کیا جاتا۔ بغیر گنہ

کے۔ یہ مجھے زیادہ محبوب تھا اس بات سے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنوں

جن میں ابو بکرؓ موجود ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ اے جماعت انصار! رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی جانشینی کا سب سے زیادہ مستحق وہ

شخص ہے جو آپؐ کا رفیق غلام تھا۔ اور وہ ابو بکرؓ ہیں، جو واضح طور پر سبقت

کرنے والے ہیں۔ پھر میں نے بیعت کے لئے ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور انصار کے

ایک صاحب نے مجھ سے سبقت کر کے ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا،
اس سے قبل کہ میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔“

نیز نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ اور طبقات ابن سعد
میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”قال: لما قبض رسول الله ﷺ قالت الأنصار: منا
أمير ومنكم أمير، قال: فأتاهم عمر فقال: يا معاشر
الأنصار! أستم تعلمون أن رسول الله ﷺ أمر أبا بكر أن
يصلی بالناس؟ قالوا: بلى، قال: فأیکم تطیب نفسه أن
يتقدم أبا بكر، فقالوا: نعمذ بالله أن نتقدم أبا بكر،
(نسائی ج: ۱، ص: ۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ
ج: ۱۴، ۵۶۷، مستدرک حاکم ج: ۳، ص: ۶۶، طبقات
ابن سعد، ج: ۳، ص: ۱۷۹)۔

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہوگا، اور
ایک تمہارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: اے جماعت انصار!
کیا آپ حضرات کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ
کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں؟ انہوں نے کہا، بے شک! فرمایا، پھر
تم میں سے کس کا جی چاہے گا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ سے آگے ہو؟ کہنے لگے،
ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے آگے ہوں۔“

نیز مصنف ابن ابی شیبہ اور طبقات ابن سعد میں امام محمد بن سیرینؒ کی روایت

ہے:

”قال: لما توفي النبي ﷺ أتوا أبا عبيدة، فقال
أتأتوني وفيكم ثالث ثلاثة؟ قال أبو حنن: قلت: لحمد ما

ثالث ثلاثة قال: ألم تر إلى تلك الآية ﴿إِذْ هَمْنَا فِي
النَّارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾
(مصنف ابن أبي شيبة ج: ۱۴، ص: ۵۷۰،

طبقات ابن سعد ج: ۳، ص: ۱۸۱ واللفظه).

ترجمہ: ”جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصل ہوا تو لوگ بیعت کے لئے
ابو عبیدہؓ کے پاس آئے، انہوں نے فرمایا، تم میرے پاس آتے ہو حالانکہ
تم میں ”تین میں سے تیسرا“ موجود ہے؟ ابو عون کہتے ہیں کہ میں نے محمد
بن سیرینؒ سے کہا کہ ”تین میں سے تیسرا“ کا کیا مطلب؟ فرمایا، تم نے اس
آیت کو نہیں دیکھا: ”جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب نبیؐ اپنے رفیق
سے فرما رہے تھے، غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

مطلب یہ کہ غار میں یہ دونوں حضرات تھے۔ تیسرا ان کے ساتھ اللہ تھا، لہذا
ابو بکرؓ ”ثالث ثلاثہ“ یعنی ”تین میں سے تیسرے“ ہوئے۔
ان تمام روایات سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے حضرت ابو بکر رضی
اللہ عنہ کی افضلیت سے ان کے احق بالخلافہ ہونے پر استدلال کیا، اور ان کا اختلاف ان کی
افضلیت اور سوابق اسلامیہ و خدمات جلیلہ کے پیش نظر عمل میں آیا تھا، محض نسبی قربت
کی وجہ سے نہیں۔

۵۔ حضرت علیؓ کا رشلو: خیر ہذا الامة بعد نبیہا ابو بکر ثم عمر
آنجناب تحریر فرماتے ہیں:

”صفحہ ۱۹ پر آپ نے حضرت علیؓ کے جس خطبہ کا حوالہ دیا ہے اس کا
کوئی ”مستند“ آپ نے بیان نہیں کیا۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے حضرت
علیؓ سے یہ الفاظ کسی معتبر کتب میں منقول نہیں ہیں۔ اگر آپ کتاب کا
حوالہ اور استناد بھی دیتے تو بہت صاف ہو جاتی۔“

یہ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے، جناب کی اطلاع

کے لئے چند حوالے نقل کئے دیتا ہوں۔ حافظ ابن کثیرؒ ”البدایۃ والنہایۃ“ میں لکھتے ہیں:

”وقد ثبت عنه بالتواتر أنه خطب بالكوفة في أيام خلافته ودور إمارته، فقال: أيها الناس! إن خير هذه الأمة بعد نبينا أبو بكر، ثم عمر، ولو شئت أن اسمي الثالث سميت، وعنه أنه قال وهو نازل من المنبر: ثم

عثمان ثم عثمان“ (البدایۃ والنہایۃ ج: ۸، ص: ۱۴۰)

ترجمہ: ”اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں اور اپنے دار الخلافہ کوفہ میں خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ لوگو! بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ اور اگر میں تیسرے کا نام لینا چاہوں تو لے سکتا ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ، منبر سے اترتے ہوئے فرمایا، پھر عثمانؓ، پھر عثمانؓ۔“

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ”منہاج السنۃ“ میں اور حافظ شمس الدین الذہبیؒ ”المنتقى“ میں لکھتے ہیں:

”وقد تواتر عن أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه إنه قال: خير هذه الأمة بعد نبينا أبو بكر، ثم عمر، وقد روى هذا عنه من طرق كثيرة، قيل إنها تبلغ ثمانين طريقا، وقد روى البخاري عنه في صحيحه..... عن محمد بن الحنفية قال قلت:

لأبي: يا أبت من خير الناس بعد رسول الله ﷺ؟ فقال: يا بني أو ما تعرف؟ فقلت: لا، قال: أبو بكر، فقلت: ثم من؟ قال: عمر، وهذا يقوله لابنه بينه وبينه، ليس هو مما يجوز أن يقوله تقيه، ويرويه عن أبيه خاصة،

وقالہ علی المنبر " (منہاج السنہ ج: ۴، ص: ۱۶۲، المنتقی ص: ۴۶۱)۔

ترجمہ: "حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا، "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔" آپ کا یہ ارشاد بہت سی اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ اسناد اتنی کی تعداد کو پہنچتی ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنی "صحیح" میں آپ کا یہ ارشاد آپ کے صاحب زادہ حضرت محمد بن حنفیہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا، ابا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا، بیٹا! تم نہیں جانتے؟ میں نے کہا، نہیں! فرمایا، سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں۔ میں نے کہا، پھر ان کے بعد کون؟ فرمایا، عمرؓ۔

"اور یہ بات آپ اپنے صاحب زادے سے فرما رہے ہیں، جس میں تفسیر کی گنجائش نہیں اور صاحب زادہ ہی اس کو بطور خاص اپنے والد سے روایت کر رہے ہیں۔ اور یہی بات آپ نے برسر منبر بھی ارشاد فرمائی۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "ازالة الخفا" میں لکھتے ہیں:

"اما بیان الفضلیت شیخین پس ازوے متواتر شدہ، مرفوعاً و موقوفاً۔ ہر چند ایں مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، اما کسی از صحابہ آں را مصرح ترو محکم تر چوں علی مرتضیٰؑ نیاورد۔" (ازالة الخفا صفحہ ۶۶، جلد ۱)

ترجمہ: "رہا شیخین کی الفضلیت کو بیان کرنا، پس آپؑ سے یہ مضمون تواتر کے ساتھ وارد ہے۔ مرفوعاً اور موقوفاً بھی۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ تمام اہل حق کا مذہب ہے۔ تاہم صحابہؓ میں سے کسی نے اس کو اتنی تصریح کے ساتھ اور ایسے محکم انداز میں بیان نہیں فرمایا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔"

اور چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

"ومن موقوفہ "خیر هذه الامة ابو بکر ثم عمر"، و آں را جمعے کثیر روایت کردہ اند۔"

ترجمہ: ”اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد کہ ”اس امت میں سب سے افضل ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ۔“ اس کو ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔“

اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

اما استدلال بر خلافت صدیق از جہت تفویض

امامت صلاة باو،

«فأخرج أبو عمر في الاستيعاب عن الحسن البصري عن قيس بن عباد قال قال لي علي بن أبي طالب رضي الله عنه، أن رسول الله ﷺ مرض ليالي وأياما ينادى بالصلوة فيقول مروا أبا بكر يصلي بالناس، فلما قبض رسول الله ﷺ نظرت فإذا الصلوة علم الإسلام وقوام الدين، فرضينا لدنيانا من رضي رسول الله ﷺ لديننا، فبايعنا أبا بكر» (ازالة الخفا..... صفحہ ۶۸، جلد ۱)

ترجمہ: ”رہا حضرت علیؑ کا حضرت صدیقؓ کی خلافت پر اس سے استدلال کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت ان کے سپرد فرمائی تھی، تو حافظ ابن عبد البر نے ”الاستيعاب“ میں حسن بصریؒ سے، انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن بیمار رہے، نماز کے لئے بلایا جاتا تو فرماتے کہ ”ابوبکرؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو میں نے غور کیا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ نماز، اسلام کا شعلہ اور دین کا مدار ہے۔ پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اس شخص کو پسند کر لیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا۔“

حضرت شاہ صاحبؒ نے ”الاستیعاب“ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس کے لئے ”الاستیعاب“ بر حاشیہ ”الاصابہ“ صفحہ ۲۵۱، جلد ۲ کی مراجعت کی جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”المطالب العالیہ“ میں یہ حدیث مفصل نقل کی ہے۔ چونکہ یہ بہت سے فوائد پر مشتمل ہے اس لئے طویل ہونے کے باوجود یہاں پوری حدیث درج کرتا ہوں:

۴۴۵۸- الحسن یقول: لما قدم علی البصرة فی أمر طلحة

وأصحابه

قام عبد الله بن الكواء وابن عباد فقالا: يا أمیر المؤمنین! أخبرنا عن مسیرک هذا، أوصیة أوصاک بها رسول الله ﷺ أم عهدا عهدہ عندک، أم رأیا رأیتہ حین تفرقت الأمة واختلفت کلماتہا؟ فقال: ما أکون أول کاذب علیہ، والله ما مات رسول الله ﷺ موت فجأة، ولا قتل قتلا، ولقد مکث فی مرضہ کل ذلك یأتیہ المؤذن، فیؤذنه بالصلاة، فیقول: مروا أبا بکر، فلیصل بالناس، ولقد ترکنی وهو یری مکانی، ولو عهد إلی شیئا لقمتم به. حتی عارضت فی ذلك امرأة من نساءه، فقالت: إن أبا بکر رجل رقیق إذا قام مقامک لم یسمع الناس، فلو أمرت عمر أن یصلی بالناس، فقال لها: إنکن صواحب یوسف: فلما قبض رسول الله ﷺ نظر المسلمون فی أمرهم، فإذا رسول الله ﷺ قد ولی أبا بکر أمر دینهم، فولوه أمر دنیاهم، فبايعه المسلمون وبايعته معهم. فکنت أغزو إذا أغزانی، وأخذ إذا أعطانی، وکنت سوطا

بين يديه فى إقامة الحدود، فلو كانت محاباة عند حضور
 موته، لجعلها فى ولده، فأشار بعمر، ولم يألُ فبايعه
 المسلمون وبايعته معهم، فكنت اغزوا إذا اغزاني، وأخذ
 إذا أعطاني، وكنت سوطا بين يديه فى إقامة الحدود،
 فلو كانت محاباة عند حضور موته لجعلها فى ولده، وكره
 أن يتخير منا معشر قريش، فيوليه أمر الأمة، فلا تكون
 إساءة من بعده إلا لحقت عمر فى قبره، فاخترنا منا ستة
 أنا فيهم لنختار للأمة رجلا، فلما اجتمعنا وثب عبد
 الرحمن بن عوف فوهب لنا نصيبه منها على أن نعطيه
 موثيقنا على أن يختار من الجماعة رجلا، فيوليه أمر
 الأمة، فأعطيناه موثيقنا، فأخذ بيد عثمان فبايعه، ولقد
 عرض فى نفسى عند ذلك، فلما نظرت فى أمرى فإذا
 عهدى قد سبق بيعتى، فبايعت وسلمت، فكنت أغزو إذا
 أغزاني وأخذ إذا أعطاني، وكنت سوطا بين يديه فى
 إقامة الحدود، فلما قتل عثمان، نظرت فى أمرى، فإذا
 الموثقة التى كانت فى عنقى لأبى بكر وعمر قد
 انحلت، وإذا العهد لعثمان قد وفيت به، وأنا رجل من
 المسلمين ليس لأحد عندى دعوى، ولا طلبه، فوثب فيها
 من ليس مثلى (يعنى معاوية) لا قرابته قرابتى، ولا
 علمه كعلمى، ولا سابقته كسابقتى، وكنت أحق بها
 منه، قالوا: صدقت، فأخبرنا عن مالك هذين الرجلين

(یعنیان طلحة والزیر) صاحبك فی الهجرة، وصاحبك فی بیعة الرضوان، وصاحبك فی المشورة، فقال: بايعاني بالمدينة، وخالفاني بالبصرة، ولو أن رجلا ممن بايع أبا بكر خلعہ لقاتلناه، ولو أن رجلا ممن بايع عمر خلعہ لقاتلناه: (لإسحاق). (الطلاب العاليه ص ۲۹۴ ج ۴) ترجمہ: ”حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور ان کے رفقاء کے معاملہ میں بصرہ تشریف لائے تو عبد اللہ بن الکواء اور قیس بن عباد نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ہمیں اپنی تشریف آوری کے بارے میں بتائیے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کی وصیت فرمائی تھی؟ یا آپ سے اس بارے میں کوئی تاکید فرمائی تھی؟ یا یہ آپ کی لیک رائے ہے جو آپ نے امت کے اختلاف اور اس کے معاملہ کے متفرق ہو جانے کے وقت اختیار فرمائی؟ آپ نے فرمایا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جھوٹ بولنے والا نہ ہوں گا۔ اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اچانک نہیں ہوئی تھی، نہ آپ کو قتل کیا گیا، بلکہ آپ اپنی بیماری میں کئی دن رہے، اس عرصہ میں مؤذن آپ کے پاس آتا، آپ کو نماز کی اطلاع دیتا، آپ فرماتے کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری موجودگی کو دیکھ رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے مجھے چھوڑ دیا (اور حضرت ابو بکرؓ کو امام مقرر فرمایا) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ولی عہد بنایا ہوتا تو میں اس کام کو کرتا، اور آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے آپ سے یہ گزارش بھی کی کہ ابو بکرؓ نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکیں گے، اگر آپ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرما دیتے تو بہتر تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ان زنان مصر کی طرح ہو، جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے زینا کی سفارش کی تھی۔

”پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مسلمانوں نے اپنے معاملہ میں غور کیا، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کو ان کے دین کا کام سپرد کر چکے ہیں، لہذا انہوں نے اپنے دنیا کے امور بھی ان کے سپرد کر دیئے، پس مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کر لی، پس جب حضرت ابو بکرؓ مجھے جملہ کے لئے بھیجے تو میں جہاد میں جاتا۔ اور جب مجھے ملنے میں سے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور میں ان کے سامنے حدود قائم کرنے کے لئے کوڑا بن جاتا۔

”پھر اگر ان کو اپنی وفات کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے حوالے کر جاتے، لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کا طے کر دیا، اور انہوں نے امت کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے بیعت کر لی، ان کے ساتھ میں نے بھی بیعت کی، پس جب وہ مجھے جہاد پر بھیجے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں ان کے عطیہ کو قبول کرتا، اور ان کے سامنے حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بن جاتا۔ اب اگر حضرت عمرؓ کو موت کے وقت خویش پروری کرنی ہوتی تو خلافت اپنی اولاد کے سپرد کر جاتے۔ مگر انہوں نے تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا کہ وہ ہم گروہ قریش میں سے ایک آدمی کو نامزد کر کے امت کا معاملہ اس کے حوالے کر جائیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بعد کوئی برائی ہو تو اس کا وبال حضرت عمرؓ کو ان کی قبر میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے ہم میں سے چھ آدمیوں کو، جن میں سے ایک میں بھی تھا، منتخب کیا کہ ہم اپنے میں سے ایک کو امت کے لئے خلیفہ منتخب کر لیں۔ پھر جب ہم انتخاب خلیفہ کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے پہل کرتے ہوئے کہا کہ وہ خلافت میں سے اپنا حصہ ہمیں دینے کے لئے تیار ہیں اس شرط پر کہ ہم ان سے یہ عہد کریں کہ وہ جماعت میں سے ایک صاحب کو منتخب کر کے امت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ان سے مصلحہ کر لیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر ان سے بیعت کر لی، اس وقت میرے دل میں کچھ خیل سا پیدا ہوا،

لیکن میں نے غور کیا تو دیکھا کہ میرا معلمہ میری بیعت سے سبقت کر چکا ہے۔
لہذا میں نے بیعت کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ چنانچہ وہ جب مجھے جہاد پر
بھیجتے تو میں جاتا اور جب مجھے عطا کرتے تو میں قبول کرتا، اور ان کے سامنے
حدود کے قائم کرنے میں کوڑا بن جاتا۔

”پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو میں نے اپنے معاملہ میں غور کیا تو
دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی بیعت کا عہد بیان جو میری گردن میں تھا اس کی
گرہ کھل چکی ہے، اور حضرت عثمانؓ کے لئے کیا گیا عہد بیان بھی پورا ہو چکا
ہے۔ اور میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، کسی کا نہ مجھ پر کوئی دعویٰ ہے،
اور نہ کوئی مطالبہ۔ اب اس میں وہ شخص کوڈ پڑا ہے جو مجھ جیسا نہیں (یعنی
حضرت معاویہؓ) نہ اس کی قربت میری قربت جیسی ہے۔ نہ اس کا علم
میرے علم کے برابر ہے، نہ اس کے کارنامے میرے کارناموں جیسے ہیں،
اس لئے میں اس خلافت کا اس سے زیادہ مستحق ہوں۔

”ان دونوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے بجار شاد فرمایا، لیکن ہمیں
ان دو صاحبوں کے بدے میں بتائیے (یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت
زبیرؓ) وہ دونوں ہجرت میں بھی آپ کے ساتھی ہیں، بیعت رضوان میں بھی
آپ کے ساتھ تھے، اور شوریٰ میں بھی آپ کے رفیق تھے۔

”فرمایا، ان دونوں صاحبوں نے مدینہ میں مجھ سے بیعت کی تھی اور بصرہ آکر
وہ میرے مخالف ہو گئے۔ اور اگر کوئی شخص، جس نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت
کی تھی، آپ کو خلافت سے معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے قتل کرتے اور اگر
کوئی شخص حضرت عمرؓ سے بیعت کر کے آپ کو معزول کرنا چاہتا تو ہم اس سے
بھی قتل کرتے۔ یہ مسند اسحاق بن راہویہ کی روایت ہے۔“
اس روایت کے حاشیہ میں لکھا ہے:

”امام ابو میریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام اسحاق بن راہویہ نے بسند
صحیح روایت کیا ہے۔ اور ابو داؤد و نسائی نے اس کو مختصر روایت کیا ہے۔“

شیعہ کلمہ اور اذان

-۶-

میں نے کلمہ شریف میں شیعہوں کی پیوند کاری کی شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا:
”آپ نے سنا ہو گا کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر راضی نہیں، بلکہ اس
میں ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ بلا فصل“ کی پیوند کاری کرتا
ہے۔ بتائیے! جب اسلام کا کلمہ اور قرآن بھی شیعہوں کے نزدیک اہل تسلیم

نہ ہو تو کس چیز کی کسر بقی رہ جاتی ہے؟“
انجناب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سب سے آخر میں اس بات کی مختصر وضاحت کر دوں کہ علمائے شیعہ کے نزدیک اگر کوئی کافر مسلمان ہونا چاہے تو اس کے لئے کلمہ پڑھنا ضروری ہے۔ جو یہ ہے: ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اور بس، اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ (اس کے لئے شیخ جعفر کاشف الغطا کی کتب کشف الغطا ”باب الاجتہاد“ صفحہ ۳۹۸ کا حوالہ دینے کے بعد آپ لکھتے ہیں) آپ نے تو ہمارے کلمہ اسلام ہی ہم سے چھین لیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کلمہ ہے جو اسلام لانے کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔“
اس ضمن میں چند گزارشات ہیں:

اول: شیخ جعفر کاشف الغطا کی تصریح کے مطابق اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کافی ہے۔ لیکن آپ حضرات کے نزدیک شیعہ مذہب میں داخل ہونے کے لئے ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ بلا فصل“ کی پیوند کاری لازم ہے۔ چنانچہ آپ حضرات نے پاکستان کے اسکولوں کی نویں اور دسویں جماعت کے نصاب اسلامیات میں اس کو باصرار و احتجاج داخل کرایا۔ کیا ایک غیر جانبدار شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہو گا کہ شیعہ مذہب اسلام سے باور کوئی دین ہے، جس میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ اسلام کافی نہیں، بلکہ ”علی ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفہ بلا فصل“ کی پیوند کاری لازم ہے؟

خصوصاً اس نکتہ کو پیش نظر رکھیے کہ حضرات امامیہ کے نزدیک جس طرح ”محمد رسول اللہ“ کے منکر پر کفر کا فتویٰ ہے، اسی طرح ”علی ولی اللہ“ کا منکر بھی کافر ہے۔ مسئلہ امامت کے ذیل میں اس نکتہ کو کتب امامیہ کے حوالے سے نقل کر چکا ہوں۔ اگر شیعہ مذہب، مسلمان ہونے کے لئے کلمہ اسلام کو کافی سمجھتا تو ”ولایت ائمہ“ کے منکروں پر کفر کا فتویٰ کیوں دیتا؟

الغرض آپ حضرات کا باصرار و تکرار ”علی ولی اللہ“ کو سرکاری طور پر کلمہ شریف میں داخل کرنا اور اس شیعہ کلمہ کے منکروں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا کیا اس امر کا صاف صاف اعلان نہیں کہ آپ حضرات کا کلمہ بھی مسلمانوں سے الگ ہے؟

دوم: آپ حضرات یہی اضافی کلمات ”علی ولی اللہ۔ الخ“ اذان میں بھی لاؤڈ اسپیکر پر دہراتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے شیخ صدوق ابو جعفر قتی نے ”من لا یحضرہ الفقیہ“ میں اس اضافہ کو ملعون مفوضہ کی من گھڑت بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اذان کے کلمات ماثورہ نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں:

وقال مصنف هذا الكتاب : هذا هو الاذان الصحيح لا يزداد فيه ولا ينقص منه والمفوضة (۲) لهنم الله قد وضعوا أخباراً وزادوا في الاذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين ، وفي بعض رواياتهم بعد اشهد ان محمداً رسول الله ، اشهد ان علياً ولي الله مرتين ومنهم من روى بثل ذلك اشهد ان علياً أمير المؤمنين حقاً مرتين ، ولا شك في أن علياً ولي الله وأنه أمير المؤمنين حقاً وأن محمد وآله صلوات الله عليهم خير البرية ولكن ليس ذلك في أصل الاذان، وإنما ذكرت ذلك ليعرف بهذه الزيادة التهمون بالتفويض للدلسون أنفسهم في جملتها .

ترجمہ: ”مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے، اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ اور فرقہ مفوضہ نے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ کچھ روایتیں گھڑی ہیں۔ اور انہوں نے اذان میں ”محمد وآل محمد خیر البریہ“ کے الفاظ دو مرتبہ بڑھائے ہیں۔ اور ان کی بعض روایات میں ”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ کے بعد ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ (دو مرتبہ) کے الفاظ ہیں۔ اور بعض نے ان الفاظ کے بجائے ”اشہد ان علیاً امیر المؤمنین“ (دو مرتبہ) کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

”اور کوئی شک نہیں کہ علیؑ ولی اللہ ہیں، اور یہ کہ وہ واقعی امیر المؤمنین ہیں، اور یہ کہ محمدؐ و آل محمدؐ خیر البریہ ہیں، لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس زیادتی کے ذریعہ وہ اوگ پھانے جائیں جن پر ”تفویض“ کی تسمت ہے اور جو اپنے عقیدے کو چمپا کر ہماری جماعت کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے شیخ صدوق ماکید شدید فرماتے ہیں کہ اذان کے ماثورہ کلمات میں کمی بیشی نہ کی جائے اور یہ کہ ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ کے کلمات کا اضافہ بد بخت اور ملعون مفوضہ کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ لیکن آج کل آپ ان ملعونوں کی

بدعت پر بھی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں کہ آپ حضرات اذان میں یہ کلمات بڑھاتے ہیں: ”اشہد ان امیر المومنین، و امام المتقین، علیاً ولی اللہ، وصی رسول اللہ، و خلیفۃ بلا فصل“ اور غریب مؤذن ایک سانس میں ان الفاظ کو ادا نہیں کر پاتا اور اس طویل بدعی عبارت کو ادا کرنے کے لئے اسے درمیان میں کئی جگہ سانس لینا پڑتا ہے۔ جب شیخ صدوق کے زمانے میں ”اشہد ان علیاً ولی اللہ“ کے الفاظ بدعت اور موجب لعنت تھے تو انصاف فرمائیے کہ ان طویل الفاظ کے بڑھانے سے یہ بدعت اور لعنت کتنے گنا بڑھ گئی ہوگی؟ کیا آپ کی جماعت میں کوئی دانشمند ایسا نہیں جو اس پر غور کرے؟ ”الیس منکم رجل رشید؟“

سوم: میں مسئلہ امامت کی بحث میں ”رجال کشی“ اور ”بحار الانوار“ کے حوالے سے ہتھکا ہوں کہ ”ولایت علی“ کے عقیدہ کا اظہار سب سے پہلے عبد اللہ بن سبام ملعون نے کیا تھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعادت میں اور خلفائے راشدین کے بابرکت زمانے میں ”علی ولی اللہ“ کے الفاظ ”کلمہ اسلام“ میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح شیعہ اذان میں جو کلمات دہرائے جاتے ہیں، (اور جن کو شیخ صدوق نے مفوضہ لعنہم اللہ کی بدعت کہا ہے) وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان میں شامل تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک خلافت راشدہ کے دور میں، بلکہ شیخ صدوق کے زمانے تک خود شیعوں کی اذان میں بھی نہیں تھے۔ اب خود انصاف فرمائیے کہ کلمہ اور اذان میں ان الفاظ کا اضافہ کرنا، دین محمدی کے علاوہ ایک نئے دین کی تصنیف نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پر اگر میں شکایت کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمہ پر بھی راضی نہیں، تو آنجناب اپنی اصلاح کرنے کے بجائے التاجھ پر خفا ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنجناب اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

”باقی رہا ”علی ولی اللہ“ تو یہ ایسی بات ہے جس کو علماۃ المسنت بھی مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ اس آیت سے ماخوذ ہے: ”انما ولیکم اللہ ورسولہ..... وہم راکعون“ جو بافاق مفسرین حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی۔ مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ تو بنحوانے آیت کریمہ حضرت علی علیہ السلام ولی اللہ ہیں اور یہ آپ بھی مانتے ہوں گے، اس کا انکار تو آپ کر ہی نہیں کر سکتے۔“

آنجنب کی یہ مختصر سی عبارت چند در چند مغالطوں پر مشتمل ہے:

اول: یہ کہ ”علی ولی اللہ“ کو اہل سنت بھی مانتے ہیں۔ ”یہ محض مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ شیعوں کے کلمہ اور اذان میں ”علی ولی اللہ“ کے ایک خاص معنی مراد ہیں، جس کی تفسیر ”وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصل“ کے الفاظ سے کی جاتی ہے۔ آنجناب کو معلوم ہے کہ اہل سنت ”علی ولی اللہ“ کے اس مفہوم کو نہ صرف غلط سمجھتے ہیں، بلکہ اس کو ابن سبائی ملعون بدعت قرار دیتے ہیں اور اس عقیدہ کو ہدم اسلام کی سازش سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود آنجناب کا یہ فرمانا کہ ”علی ولی اللہ“ کے سبائی مفہوم کو اہل سنت بھی مانتے ہیں، محض مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر ”علی ولی اللہ“ سے یہ مراد ہے کہ حضرت علیؑ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہیں، تب بھی اہل سنت کے نقطہ نظر سے یہ فقرہ غلط ہے۔ کیونکہ امت محمدیہؑ (علی صاحبہا الف الف صلوة و تسلیمات) میں کروڑوں افراد ”اولیاء اللہ“ ہیں۔ اس میں حضرت علیؑ کی کیا تخصیص؟ اور کلمہ و اذان میں ان الفاظ کے ٹانکنے کے کیا معنی؟ آنجناب کو علم ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امت کے اولیاء اللہ میں سب سے افضل صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ میں چار بزرگوار علی الترتیب افضل امت ہیں، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ لہذا امت کے اولیاء اللہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے نمبر پر ہیں، پس ”علی ولی اللہ“ کا فقرہ اس مفہوم میں بھی عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آنجناب ان باتوں سے بے خبر نہیں، لیکن مجھے بے حد تعجب ہے کہ آنجناب جیسا نفیم اور سمجھدار آدمی بھی مغالطوں سے کام چلانے پر مجبور ہے۔

دوم: یہ کہ آنجناب کا قول کہ ”یہ عقیدہ آیت شریفہ انما ولیکم اللہ ورسولہ..... و ہم را کعون سے ماخوذ ہے“ نہایت غلط ہے۔ اس آیت سے کوئی عاقل شیعوں کا عقیدہ ”ولایت علیؑ“ نہیں نکال سکتا، نہ آیت کے الفاظ سے یہ عقیدہ کشید کیا جاسکتا ہے، اور نہ سیاق و سباق ہی اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن آنجناب اس کو میرے سامنے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ گویا میرے نزدیک یہ ایک مسلمہ چیز ہے، جس میں اختلاف رائے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ فرمائیے ایک خالص وہی چیز کو، جس کا واقعہ نفس الامر میں کوئی وجود ہی نہ ہو، ایک مسلمہ چیز کی حیثیت سے پیش کرنا زرا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سوم: آنجناب کا یہ ارشاد کہ ”یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان میں نازل

ہوئی ” دروغ بے فروغ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ” منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں :
”قوله: قد اجمعوا أنها نزلت في علي من أعظم

الدعوى الكاذبة، بل أجمع أهل العلم بالنقل على أنها لم
تنزل في علي بخصوصه، وأن عليا لم يتصدق بخاتمه في
الصلوة، وأجمع أهل العلم بالحديث على أن القصة المروية

في ذلك من الكذب الموضوع“ (منہاج السنۃ صفحہ ۴، جلد ۴)

ترجمہ: ” شیخ علی کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان
میں نازل ہوئی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس اہل علم بالنقل کا
اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت بطور خاص حضرت علیؑ کے حق میں نازل نہیں
ہوئی۔ اور یہ کہ حضرت علیؑ نے نماز کی حالت میں انگوٹھی صدقہ نہیں کی۔
اور اہل علم بالحديث کا اجماع ہے کہ اس سلسلہ میں جو قصہ نقل کیا جاتا ہے وہ
من گھڑت جھوٹ ہے۔“

حافظ شمس الدین الذہبی ” المنتقى ” میں لکھتے ہیں :

والجواب أن قولك أجمعوا إنها نزلت في علي من
أعظم الدعوى الكاذبة، بل أجمعوا على أنها لم تنزل في
علي بخصوصه، وأن الخبر كاذب، وفي تفسير الثعلبي
من الموضوعات ما لا يخفى، وكان حاطب ليل، وكذا
تلميذه الواحدی۔ (المنتقى ص: ۴۱۹)۔

ترجمہ: ” جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ
آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی، سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اس
کے برعکس ان کا اجماع اس پر ہے کہ یہ بطور خاص حضرت علیؑ کے حق میں
نہیں نازل ہوئی، جو روایت تم نے نقل کی ہے یہ جھوٹی ہے۔ اور تفسیر ثعلبی
میں ایسے جھوٹے افسانے موجود ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں، اور یہ شخص
حاطب لیل تھا، اسی طرح اس کا شاگرد واحدی بھی۔“

لفظ ابن کثیر ” اس انگوٹھی کے قصہ کو طبرانی اور ابن عساکر کے حوالے سے نقل

کر کے لکھتے ہیں :

”وهذا لا يصح بوجه من الوجوه لضعف أسانيدہ“

ولم ينزل في حلی شیء من القرآن بخصوصه“

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۵۷، جلد ۷)

ترجمہ: ”یہ روایت کسی طریق سے بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی تمام اسناد کمزور ہیں۔ اور حضرت علیؑ کے حق میں خصوصیت سے قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔“

امام السنہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”ازالة الخفا“ میں لکھتے ہیں:
”و سبب نزول و مصدق آیت صدیق اکبر است نہ چنانکہ شیعہ گمان برداند و قصہ موضوعہ روایت کنند۔“

(ازالة الخفا صفحہ ۳۷، جلد ۱)

ترجمہ: ”اس آیت کا سبب نزول و مصداق حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ نہ جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں اور ایک من گھڑت قصہ روایت کرتے ہیں۔“

چہلارم: آنجناب نے دعویٰ کیا ہے کہ ”مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔“ حالانکہ یہ دعویٰ صریح مغالطہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

”اس روایت کی سند میں علماء و محدثین کو کلام ہے۔ لیکن روایت کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی گہری دوستی کے لائق نماز و زکوٰۃ کے پابند عام مسلمان ہیں۔ اور ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ، اس دوستی کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری صحیح حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”من كنت مولاه فعلي مولاه“ (رواہ، احمد از مظہری) یعنی ”میں جس کا دوست ہوں، تو علیؑ بھی اس کے دوست ہیں۔“

”ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
”اللہم وال من والاہ و عا د من عا داہ“ یعنی ”یا اللہ! آپ محبوب بنالیں اس شخص کو جو محبت رکھتا ہو علیؑ مرتضیٰ سے اور دشمن قرار دیں اس شخص کو جو دشمنی کرے علیؑ مرتضیٰ سے۔“

”حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو اس خاص شرف کے ساتھ علماء اس لئے نوازا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آئندہ پیش آنے والا فتنہ منکشف ہو گیا تھا، کہ کچھ لوگ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ سے عداوت و دشمنی

رکھیں گے اور ان کے مقابلہ پر علم بغاوت اٹھائیں گے، جیسا کہ خوارج کے فتنہ میں اس کا ظہور ہوا۔“

بہر حال آیت مذکورہ کا نزول خواہ اسی واقعہ کے متعلق ہوا ہو، مگر الفاظ آیت کے عام ہیں، جو تمام صحابہ کرامؓ اور سب مسلمانوں کو شامل ہیں۔ از روئے حکم کسی فرد کی خصوصیت نہیں، اسی لئے جب کسی نے حضرت امام باقرؑ سے پوچھا کہ اس آیت میں ”الذین آمنوا“ سے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ، وہ بھی مومنین میں داخل ہونے کی حیثیت سے اس آیت کے مصداق ہیں۔“

(معارف القرآن صفحہ ۱۷۹، جلد ۳)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اول تو مفتی صاحبؒ اس قصہ کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ثانیاً: بفرض تسلیم آیت کو عام اہل ایمان کے بارے میں قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ خصوصیت ہے تو یہ کہ خوارج ان سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، بلکہ ان کی تکفیر کر کے اپنا نامہ عمل سیاہ کرتے ہیں اس لئے اہل ایمان کو ان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ سے بالخصوص دوستی رکھنی چاہئے، پس ”ولی“ کے معنی محبوب اور دوست کے ہیں، نہ کہ بزعیم شیعہ ”متولی امر خلافت“ کے۔

ثالثاً: مفتی صاحبؒ تصریح کرتے ہیں کہ آیت کا حکم تمام صحابہؓ کو اور سب مسلمانوں کو شامل ہے، کسی فرد کی خصوصیت نہیں۔

رابعاً: حضرت مفتی صاحبؒ امام باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ تمام اہل ایمان کے بارے میں ہے، حضرت علیؑ بھی بحیثیت مومن ہونے کے اس آیت میں شامل ہیں۔ بطور خاص ان کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

کیا ان تصریحات کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیعوں کے کلمہ ”علی ولی اللہ“ کی تائید کر رہے ہیں؟

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ،
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ